

پر بیکھے ہوئے ہیں۔ شاید اسے پاکستان کا جسم تین قبیلے کا نام چاہئے۔  
علاؤ الدین جیپ کے پیچے بندھا ہوا سامان کھول کر زمین پر رکھ رہا تھا۔  
راہی بست پریشان تھا۔ وہ نالگا پرست کی دیواروں کی جانب دیکھتا تھا اور پھر بے  
بی سے مکر آتا ہوا میری طرف دیکھتا تھا۔  
شام ترٹھک پر اترنے کو تھی۔

ہمارے گرد اور سامان کے گرد ترٹھک کے کسان مزدور اور پیچے جمع ہو رہے  
تھے۔ وہ ہمیں دیکھ رہے تھے۔ انہیں غیر ملکی سیاحوں کو دیکھنے کی عادت تھی لیکن  
پاکستانی سیاح ان کے لئے بجوبہ تھے۔ علاؤ الدین نے جب سارا سامان آثار و اتوٹھیں  
نے اسے شب ببری کے بارے میں پوچھا۔

"میرا ایک دوست ہے گریگوٹ میں۔ صاحب بھگے رات سے پہلے ادھر پہنچنا  
ہے۔" اس نے باری باری سب سے ہاتھ ملایا اور پھر اس کی جیپ پیچے اتر رہی تھی  
اور پھر ہم اسے دیکھنے سکتے تھے اور تب ہمیں یکدم احساس ہوا کہ باہر کی دنیا سے  
ہمارا رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ اور ہمیں بھی آج کی رات بس کرنے کے بارے میں سچھتا  
ہے۔ ایک دبلا پٹلا کچھ مسکین سانوجوان سفید شلوار قیض میں اور جیکے ناک نئی  
اور سفید رنگت والا ہمارے گرد منڈلا رہا تھا۔ "کہہ جائے گا صاحب؟ پورڑ چاہئے؟  
ماں تو جائے گا ماں تو لے جائے گا۔ ہر جگہ لے جائے گا۔ کہہ جائے گا؟ یہ ادھر میرا  
ہوئی ہے۔ اس کا نام نالگا پرست نورست کانج روپیں ترٹھک ہے۔"

"کہاں ہے؟"  
"یہ ادھر ہے۔" اس نے ندی کے ساتھ زیر تحریر چند کروں کی طرف اشارہ کیا  
"یہ ترٹھک کا پسلہ ہوئی ہے۔"

"جب بنے گا تو پسلہ ہوئی ہو گا ہاں؟"  
"بنے گا کیوں نہیں۔ بنے گا۔ آؤ دیکھو۔ آؤ بست اچھا کرو ہے۔"  
"آپ ادھر سامان کے پاس ٹھہو۔ میں آتا ہوں" میں نے سیر سے کما اور  
اس نوجوان کے ساتھ ان کروں کے اندر چلا گیا۔ تین کمرے تھے۔ ایک میں رہت  
تھی یقینہ دو میں فرش پر پتھرتے اور تین کی چھت میں سے پانی نکل رہا تھا۔ کھڑکیں  
بھی تھیں لیکن ان میں شیشے وغیرہ نہیں تھے اس لیے ہوا کی آمد و رفت کا انظام انتہائی  
تلی پیش تھا۔ خلی یا دیگر ضروریات کے لئے ترٹھک کے کھیت اور بر قابلی ندی۔  
خیال رہے کہ ترٹھک کے کھیت میں اگر آپ بیٹھتے ہیں تو آپ کے ارد گرد پھول ہوں  
گے خوشبو ہو گی اور آپ کے لیوں پر ایک مخصوص مکراہٹ کھلی رہی ہو گی۔

## ترٹھک، پاکستان کا خوبصورت ترین گاؤں

ہم باہر آگئے۔

ترٹھک!

اور ترٹھک کیا ہے؟

ترٹھک ایک مجبوری ہے۔ ترٹھک ایک اور خصوصی ہے جہاں پنج کرجب میں  
جیپ سے باہر نکلا ہوں تو مدد اٹھا کر جب دیکھتا ہوں تو دیکھتا چلا جاتا ہوں۔۔۔ یہاں آپ  
ہرگز یہ نہیں کہ سکتے کہ گرفودس بر روئے نہیں است۔۔۔ کیونکہ یہ تو فردوں بر  
روئے نہیں است و نہیں است و نہیں است۔۔۔

نالگا پرست کی چوتھیوں کی سفید اور آہاں تک کی دیواریں اور ان میں گمراہوں  
ایک وسیع سبزہ زار جس میں کھیت ہیں اور پھول ہیں اور جیشے ہیں، چند مکان ہیں ان  
کے کمین ہیں اور کھیتوں میں ابھی جو کی فصل یتار نہیں ہوئی اور کھیتوں میں جو کے  
خوشنے کم ہیں اور ہزاروں رنگ کے پھول زیادہ ہیں۔ یہ بھلی سفید دیواریں اتنی بلند  
ہیں اور اتنی قرب ہیں کہ آپ ان کی تصویر نہیں اتار سکتے۔ اور بلندی کی شفاف ہوا  
ہے جو آپ کی قیض اور بیان کے پیچے جا کر آپ کے ماس پر سرد یوسدہ دیتی ہیں۔

آپ کا یہ دن قفر تھا اسے اور اسے منزد اور مسلسل بوسوں کی خواہش رہتی ہے اور یہ  
خواہش پوری ہوتی جاتی ہے۔ ترٹھک کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ انگریزی حکاولے کے  
مطابق دیکھنا یقین کرتا ہے لیکن اسے دیکھ کر ہی یقین آتا ہے کہ وہ کیا ہے۔۔۔ میں  
ترٹھک کو اس لیے مجبوری کھاتا ہوں کہ اسے آپ کے سامنے زندہ کرنا میرے بس سے  
باہر ہے۔ اور یوں بھی اگر قدرت کے تمام عظیم مظلوم کتابوں میں اور لفظوں میں زندہ  
ہو سکتے تو مجھے ایسے آوارہ گرد اپنی جان جو کھول میں ڈال کر ان تک کیوں نہ پڑھ لیتے۔۔۔ اپنی  
شندی کی خلوٹ میں بیٹھ کر ان کے بارے میں کتابوں میں کیوں نہ پڑھ لیتے۔۔۔ اور  
ترٹھک ایک بلند سطح کا علاقہ ہے۔ اور اس بلند سطح کے پاوہوں آس پاس کے پہاڑ اس

دچپ بات یہ تھی کہ پہلے اس نے ندی پر جگ کر منہ و حونے کی کوشش کی اور جہاں تھی دہیں سن ہو کر رہ گئی کہ پانی بالکل بر قابو ہر اس نے منہ و حونے کا ایک طریقہ نکالا۔ وہ ایک ہاتھ سے منہ پر چیننا ماری اور فوراً دوسرے ہاتھ میں حملے تو لیے سے منہ پر چھپ لئی تاکہ بر فیلا پانی زیادہ دیر چھرے پر رہ کر اسے بر قابو نہ ہائے۔ اس مختار کو دیکھ کر ہم نے اپنے آپ کو کچھ بے گھر اور سکین سامنے محسوس کیا۔ اور ہمارے سکین محسوس کرنے میں اس سروی کا بڑا عمل و قل تھا جو لوٹ پر لمحہ بڑھتی پہلی جاتی تھی۔۔۔ یہ الکی سردی تھی جو ہمارے زرد خیزے کے سنتکل کپڑے سے تو نہ رکتی تھی۔۔۔ ہمیں شب بسری کے لیے چھت در کار تھی۔۔۔ لیکن ہم انکار کر پچھے نہ ہتے اور اب یہ ہماری اناکا مسئلہ ہیں چکا تھا۔۔۔ ایک بار احسان کروں سے باہر آیا تو میں نے ایک بہت چوری مکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔ وہ اڑتا چلا آیا "کہہ چاہئے؟"

"نہیں۔۔۔ یہاں کون سی جگہ خیزے لگانے کے لیے مناسب رہے گی؟"

"سردی ہو گی صاحب۔۔۔ اور تریکھ کی ساری زمین گھیشتر کے پانوں کی وجہ سے نہ آؤں اور دبئے والی ہے۔۔۔ ہاں گراوٹ میں لگائیں جہاں پنج فٹ بال کھیل رہے ہیں۔۔۔"

"اچھا تو سردی ہو گی۔۔۔ میں نے ذرا لاپرواں سے ادھر ادھر دیکھا اور اس لمحے میں پانچ پانچ کپکا رہا تھا کیونکہ میری جیک رک سیک میں سینپنگ بیک کے پیچے دل ہوئی تھی اور میں اسے نکال کر پس نہیں سکا تھا۔۔۔"

"خیر سردی تو کیا ہو گی لیکن۔۔۔ ذرا کہہ ایک مرتبہ پھر دیکھا دو۔"

احسان نے پھر کوں کے فرش پر ہمارے لیے جو تریکھ بچائی وہ بھی کیلی تھی۔۔۔ لیکن یہاں باہر کی نسبت حالات خاصے بہتر تھے۔۔۔ یوں بھی ساتھ دالے کر کے سے صاحب لوگوں کی جیجنوں۔۔۔ پر مرت قیقدوں کی آواز آری تھی۔۔۔ ہم نے رک سیک کھول کر سینپنگ بیک نکالے اور اپنیں گھلی تریکھ پر بچا دیا۔۔۔ میں نے جیک پہنی تو اس کی گری نے مجھے بڑا کمرا سکھ دیا۔۔۔ جیلانی ایک گونگے غلام کی طرح ہم جو کہتے تھے اس پر "آہ آہ" سرہلاتا تھا اور جیلانی ابھی تھوڑی سی روشنی ہے اور تریکھ کا قصہ دیکھ آئیں۔۔۔ اور تو پر اب لمب۔۔۔

اور باہر تھوڑی سی روشنی تھی۔۔۔ کسی مقام کو دور دراز کی ساختی ملے کرنے کے بعد دہاں چکنے پر دیکھنا اور ایسے دیکھنا کہ سامان زمین پر پڑا ہو اور شب بسری کے لیے تھا کہ نہ ہو یہ اور بات ہے اور پھر اسی مقام کو اس اطمینان سے دیکھنا کہ ہمارے پاس واپس جانے کے لیے ایک چھت ہے جس کے پیچے ہمارا سامان محفوظ ہے۔۔۔ بالکل

"یہاں سونے کا کہاں انتظام ہے؟"  
"ادھر فرش پر۔۔۔ میں تریکھ بچا دوں گا۔۔۔"  
"نہیں ہمارے پاس خیس ہے"

"باہر سروی ہو گی صاحب۔۔۔ یہ تریکھ ہے۔۔۔ اور میرا نام احسان ہے"  
"ہوں" میں نے سربالیا اور باہر آگیا۔۔۔ باہر سامان تو وہیں پڑا ہوا تھا لیکن رائی، جیلانی اور سیرمن اخھائے ادھر ادھر کھیتوں میں گھوم رہے تھے۔۔۔ میں نے "اوے اوے" کر کے انسیں واپس بلایا۔۔۔ اور تریکھ کے واحد ہوٹل کی رہائش سولوتوں سے آگاہ کیا۔۔۔ سب نے کہا کہ ہمارے پاس خیس ہے ہمیں کیا پروادا ہے۔۔۔ جیلانی کے پاس اپنا خیس تھا چنانچہ وہ تو ظاہر ہے تو پر اب لمب۔۔۔ اور خوراک کا بھی بندوبست تھا چنانچہ بالکل تو پر اب لمب۔۔۔

اس دوران اہل تریکھ کی نظریں ہم سے جدا ہو کر کچھ لے سے بھرے ہوئے اس راستے کی طرف اٹھ گئیں ہو چورت کی طرف سے آ رہا تھا۔۔۔ شدید بارشوں کی وجہ سے تریکھ کے آس پاس اور سڑک پر کچھ لکڑی بہتات تھی۔۔۔ اس راستے پر ایک چھوٹی پاججو جیب پہلی آری تھی۔۔۔ یہ کہاں سے آگئی۔۔۔ اور اس مقام سے کیسے ٹھوڑ کر آگئی جہاں سڑک گری ہوئی تھی۔۔۔ پاججو نزویک آئی تو تمام لوگ ہمیں چھوڑ کر ادھر چلتے گئے۔۔۔ پاججو میں سے اترنے والے چھرے فیر ملکی تھے۔۔۔ احسان ہمیں بھول کر ان کے گرد پھر پھر ہائے لگا۔۔۔ اور انسیں اپنے ہوٹل میں ٹھہرانے پر راضی کر لیا۔۔۔ وہ اپنا سامان کروں میں خفیل کرنے لگے۔۔۔

ہم ایسے لا پروادہ مسافروں کی طرح تھے جو اپنی منزل پر پہنچ کچے تھے اور اب انسیں کہیں نہیں جانا تھا۔

تحوڑی دیر کے بعد رائی نے اپنے بانو ملٹے ہوئے کہا "سردی ہے۔۔۔"  
سیرے اپنی افغان جیک سیک میں سے کھجخ کر باہر نکالی اور پکن لی۔۔۔  
یہ ایسا وقت تھا جب نانگا پریت کے سائے ریگتے ہوئے تریکھ کی روشنی کم کر رہے تھے۔۔۔ ہوا نہیں تھی لیکن تریکھ کے ٹھراڑا میں، فضا کے سکوت میں تھنڈک بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔ اس لمحے ان کروں میں سے جنہیں احسان، نانگا پریت نورست کا ٹکڑا روپیل تریکھ کا نام دیتا تھا ایک خوش ٹکڑا اور مناسب مقامات پر بھری بھری خاتون باہر نکلی۔۔۔ اس کے کاندھے پر ایک چھوٹا سا تولیہ تھا اور ہاتھ میں برش جس پر لگی نو تھج پیٹ کو وہ سنبھالتی چلی آتی تھی۔۔۔ اس نے ہماری طرف ذرا ناراض نظروں سے دیکھا اور پھر اسی دو تین فٹ چوری ندی کے کنارے بیٹھ کر دانت صاف کرنے لگی۔۔۔

رست پر میز سجائے اور اس پر مومن بیان جائے فرانش کے جنوبی حصوں میں تیار کی گئی  
اگور کی شراب پی رہے تھے اور مومن بیوں کی ناکافی روشنی ان کی آنکھوں میں الاؤ کی  
صورت جاتی تھی۔ رای نے ہماری موجودگی میں کمرے کو رہائش کے قابل ہنانے کی  
کوشش کی تھی۔ کمزی کے آگے ایک چادر لٹکائی تھی تھی۔ ہم سب کا سامان  
قرینے سے رکھا ہوا تھا اور۔۔۔ ایک مومن علی روشن تھی۔۔۔

احسان ہانتا ہوا کمرے میں آگیا "صاحب آپ کو کھانا چاہتے؟۔۔۔"  
"کھانے میں کیا ہو گا؟" ہم نے پوچھا۔

"کھانے میں کھانا ہو گا صاحب۔ ہم گوروں کے لئے کھانا ہائے گا تو آپ کو  
بھی کھادے گا۔۔۔ تھیک ہے؟"

احسان کچھ زیادہ ہی پر سرت نظر آ رہا تھا بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ پر سرت  
طور پر بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا، فرانش کے جنوبی حصوں کے اگوروں کا اثر تریکھ کو  
بھی مخمور کر رہا تھا۔

رای اپنے طور پر ڈنر تیار کرنے کی کوشش میں تھا۔۔۔ جیلانی اپنی ڈائری لکھ رہا  
تھا۔۔۔ وہ ایک روپوت کی طرح منتظم اور بے جان تھا۔۔۔ نانگا پرست کی قربت محسوس  
ہو رہی تھی۔۔۔ ہم کمل گرم لباسوں میں تھے اور اپنے سینپنگ بیکوں میں تھے اور  
اس کے باوجود ایک سرد ہے جنتی تھی۔۔۔

"یہ بیک صاحب والا پچھہ سندو کیسے جلا ہے؟۔۔۔ میں تھوڑی ہی دال ہنالوں"  
"پرست کی بولی میں سے تھوڑی ہی پرست سندو کے اندر ڈالو اور تھوڑی ہی  
باہر اور پھر آگ لگا دو"

رای نے ایسا ہی کیا اور آگ لگادی۔۔۔ اور آگ پرے سندو کو گلی اور اس  
کے شعلے چھت کو چھونے لگے، ایک چھوٹی سی بھنگدڑ اور سراہیکی پھیلی جس میں  
جیلانی "آہ آہ" کا شور مچا رہا تھا۔۔۔ میں "رای" کر رہا تھا اور سیر "ابو ابو" کے  
نامے لگا رہا تھا۔

خوش قسمی سے آگ پر جلد ہی قابو پالیا گیا درست تریکھ میں تو کہتے ہیں کہ قاز  
بر گیڈ کی سولت بھی نہیں ہے۔۔۔ البتہ اس کا روشن پالو یہ تھا کہ رای کی دال گل  
گنی۔۔۔

ہمارے فرانسیسی ہمایوں کے قبیلے مزید شرخ اور قدرے بے ربط ہوئے تو میں  
نے انہوں کر ان کے کمرے میں جھانکا چونکہ اس کا نام کے ابھی دروازے بھی نہیں لگے

اور بات ہے۔۔۔ پسلے آپ اجنبی ہوتے ہیں جو نی گزرنے والے اور پھر آپ اس مقام  
کے باہی ہو جاتے ہیں۔۔۔ اور وہاں کے باہی بھی آپ کو قبول کر لیتے ہیں۔۔۔ میں اور سیر  
اپنی چھڑیاں لے کر تریکھ کے کھیتوں میں اطمینان سے چلتے تھے۔۔۔ ہمارے "کانگ" کے  
ساتھ جو نر تھی اس میں کسی پہاڑی بکرے کے سینگ اگئے ہوئے تھے۔۔۔

"یہ مارخور کے سینگ ہیں ابو؟" سیر نے اپنی چھڑی سے چھوڑا۔

"پہلے نہیں۔۔۔ بسر طور کی بکرے کے ہیں"

"نہیں مارخور کے ہیں۔۔۔ اپنیں اخالوں ابو؟ تریکھ کے سو ویثوں کے طور  
پر؟"

"نانگا پرست سے والہی پر اخالیتا۔۔۔ اپنیں اور کوئی نہیں اخھائے گا"

شر کے دوسری جانب ایک چھوٹی سی پلنچکی تھی۔۔۔ ایک سوچھوٹی سی آبشار۔  
آبشار کے آس پاس میںے درجنوں گل دان بے ہوں۔۔۔ ایک سوکھی شنیوں والا  
درخت۔۔۔ اور ان کے پس مختصر میں تریکھ کے کھیت مکان اور نانگا پرست کی سفید دنیا  
تھی۔۔۔ یہاں زمین واقعی نرم اور گلی تھی۔۔۔ اور وہ فوم کی طرح پاؤں تلے دھتی تھی۔۔۔  
اور اس زمین پر جہاں گھاس تھی وہاں زرد پھول تھے اور جہاں کھیت تھے ان میں  
جاہنی رنگ کے پھولوں کی روپاریں تھیں۔۔۔ سردی میں اضافہ ہو رہا تھا۔۔۔ ہم خاصی دور  
تک گئے، نانگا پرست کے نزدیک ہونے کی کوشش کی۔۔۔ کھیتوں میں جہاں پکھے پتھر تھے  
ان پر بینہ کر آرام کیا۔۔۔ آرام بے حد ضروری تھا تریکھ ایک گلیشیر گاؤں ہے اور  
اس کی بلندی تقریباً یارہ ہزار فٹ کے قریب ہے۔۔۔ یہاں ہوا بے حد کم ہے اور فوراً  
سائنس پھول جاتا ہے اور اس کے علاوہ بلکا سا مرد روت تک۔۔۔ جب تک آپ بلندی  
کے عادی نہیں ہو جاتے۔۔۔ اس مقام پر ہم نے تریکھ کے چوبی لینڈ مارک کو دیکھا۔

تریکھ کی ہر ہاول کے درمیان ایک نبہتا نغمہ پہاڑی ہے جس کے اوپر درجنوں  
کے ٹوں اور پتھر سے بنا ہوا ایک سیاہ اور چوکور ڈھانچہ ہے۔۔۔ یہ ڈھانچہ بہت دور  
سے دکھائی دیتا ہے اور اس کی تقریباً کاڑھنگ بے حد منفرد ہے۔۔۔ یہ کیا ہے؟۔۔۔ یہ  
ہم کل مجھ کھون لگائیں گے کیونکہ فی الحال تریکھ کمل تاریکی کی لپیٹ میں آ رہا تھا  
اور پاؤں تلے کی زمین میں سے سردی بدن میں جاتی تھی اور گرم جیکٹ کو میسے جنم  
سے الگ کر دیتی تھی۔۔۔

"کانگ" کے اندر ایک اور دنیا آباد تھی۔۔۔ بے انگر فرانسیسی سایا جو

جس کی وجہ سے خند نہیں آتی تھی۔ سیر بھی کوئی بدلتا رہا تھا۔ یہ ایک طویل رات تھی، نیز بست اور سرد سکوت کے ساتھ۔ اور جب صبح ہوئی تو اس کی آمد کا یوں پہنچا کر چھٹ سے منزد پانی پکنے لگا۔ رات ہو کچھ مجدد ہوا تھا وہ اب پانی میں بدلتا رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ سیر انھوں کر باہر گیا ہے۔ رایی جیلانی سے منتقل کر رہا ہے اور اس کے ہواب میں شی می ندو کی آمد۔ نورِ ابلم "بھی میں سن رہا تھا۔ یکن میں ابھی المحتوا نہیں چاہتا تھا اس نے سر سینپنگ بیگ میں کھائے او گھٹا رہا۔ پھر یکدم سیر کی آواز آئی۔ "رایی انکل" اب جاگ رہے ہیں؟"

اور رایی کہ رہا تھا "تارڑ صاحب کو ابھی سونے دو سیروں۔ وہ رات تمیک طرح سے سوئے نہیں"

”نہیں اب وہ نہیں سو سکتے۔ اونے ابو“  
”کیا اونے ابو۔“ میں نے سلپینگ بیک چرے سے اتار پھینکا ”بد تیز  
پکے۔“  
”ابو۔“ وہ لبے لبے ڈگ بھرتا میرے پاس آگیا اور اپنے بڑے بڑے ہاتھ  
چھیلا کر کھٹے گا۔ ابو پاہر زبردست مظہر ہے۔ کل تو کچھ بھی نہیں تھا۔  
اور واقعی کل کچھ بھی نہیں تھا۔ آسمان صاف تھا اور دھویا ہوا تھا، اس کی  
بلماہت جیسے نانگا پریت کے سلسلہ کوہ کے ساتھ چھوتی ہوئی اس میں بھی نسل گھولتی  
تھی۔ ہم ابھی سائے میں تھے لیکن تمام بلندیاں و حصوب میں تھیں۔ کانگ کے ساتھ بلند  
نیلے پر لکڑی کا سیاہ ڈھانچہ برف کی سفیدی میں اتنا واضح تھا کہ اس کے شہتیر اور پتھر  
گئے جا سکتے تھے۔ اور ہوا الی صاف اور تیز کاٹ والی تھی کہ گمراہانش کینے پر وہ  
بدن میں جل ترکی بجا تی پھلی جاتی تھی۔  
اگر میں ترکیک نہ دیکھتا تو کیا ہوتا۔ شانکر کچھ نہ ہوتا لیکن میں وہ نہ ہوتا جو  
اب ہوں۔ کیونکہ ترکیک کی اس صبح کو نانگا پریت کی ریتا میں اس سرد خیاہت کے  
آسمان تلتے جب میں نے گمرے سانس لئے تھے تو وہ ہوا جو میرے بدن میں گئی تھی وہ  
ہوا مردہ تھی، زندہ تھی تو اس زندہ ہوانے مجھے کچھ تو بدلنا ہو گا۔ اور میں نے یہ  
محسوں کیا ہے اور میں یہ جانتا ہوں کہ خانہ پدوش اسی لئے دوسروں سے الگ ہوتا  
ہے کہ اسے رب نے اپنے جلال اور جمال کے مظہر دکھا کر دوسروں سے الگ کیا ہوتا  
ہے۔ اور یہ رب کی مرثی ہوتی ہے کہ وہ کے اپنا جلال اور جمال دکھائے۔

تھے اس نے جھانکنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو جانا ہی کافی تھا۔ احسان ایک انتہائی قلندرانہ مسکراہٹ کے ساتھ ان کے قریب یوں کھڑا تھا کہ اس کی گردان اس کے دھڑ سے ایک فٹ آگے کو تھلی ہوئی تھی اور ظاہر ہے گردان کے اوپر اس کا سر بھی تھا اور سر کے ساتھ جو چڑھا اس پر اس کی قلندرانہ مسکراہٹ بھی تھی..... میں نے ان فرانسیسیوں کے ساتھ ذرا سو شل ہونے کی گوشش کی لیکن انہوں نے انتہائی ہرود مری کا مظاہروں کیا..... تریکھ میں یوں بھی ہرود مری کچھ زیادہ ہی سردا ہوتی ہے۔ وہ اسلام آباد میں فرانسیسی سفارت خانے میں کام کرتے تھے اور پالیسی کے طور پر سو شل ہونے والے پاکستانیوں سے سردا مری برتنے تھے.....

”کھانا صاحبی“ احسان نے ان سے چکتی آگھوں سے پوچھا۔

”کھانا کھانا“ سب نے مل کر جواب دیا۔

اور ہمیں بعد میں جو کھانا ملا وہ پالنی میں بھگوایا ہوا تازہ تازہ ساگ تھا اور کچے چاول تھے کیونکہ ایک عدو مرغی جو شاید تریکھ کی آخری مرغی تھی فرانسیسی انگوروں کے کام آچکی تھی۔ جیلانی بھیکیے ہوئے ساگ کو اپنے ذاتی کائٹے میں پرداز کر اسے غور سے دیکھ رہا تھا کہ یہ کیا ہے پھر اس نے میری جانب دیکھا۔

”تو رابرلم“ میں نے کہا۔

اس نے ساگ منہ میں ڈال لیا..... خاصی دیر چرانے کے بعد اسے لگا اور پھر  
بیٹ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "نور ابم؟"  
اس نازک موڑ پر رائی کی وال بہت کام آئی.....  
کیلی ترپال کی محض سینگ بیک کے اندر تک آتی تھی اور پسلو بدلنے سے  
فرش پر بچے پھر بھیوں میں چلتے تھے.....  
فرانسیسیوں کے قبیلے اب بھی کھمار بلند ہوتے تھے..... تاہم چینی کے الٹے گے  
پر موم تھی کی موم کھیل رہی تھی اور اس کی تھی بھجتے سے پھر پھر پھر پھر اڑی تھی.....

تریک کی رات میں پانی کے چٹپٹے کی آواز تھی اور اس کے لپکنے کی آواز تھی۔ چونکہ میں بھین کی جیکٹ اور موٹے اور اونی سوٹر اور ٹوپی کے ساتھ خواب ہونے کی کوشش کر رہا تھا اس نے محبت زیادہ تھی اور خواب نہ ہونے کے برابر پسلو پلتے ہوئے محسوس ہوتا کہ اپنے بھاری سلامان سیت پسلو بدلتا رہا ہوں۔ اور سانس مشکل سے آتا تھا۔ سر درد و شدید۔ اور ایک برفیلی بے چینی

ان کے پورٹ لیں گے۔ اس پر سخت الحاجج ہوا کہ جن تو ترجمک والوں کا ہے اور یہ چورت والے چونکہ راستے میں ہیں اس لئے جو بھی جیپ اوہر آتی ہے وہ اس کے ساتھ پسلے سے ہی معالدہ ملے کر لیتے ہیں۔ یہ نیادی ہے۔

"تمیک ہے ہم ایک پورٹ چورت کالینس گے اور دو ترجمک کے"

اس فیصلے کے بعد جب میں نے جپانی کو آکھا کیا کہ بھائی نوے روپے روزانہ پر آپ کے لئے بھی ایک پورٹ حاصل کر لیا گیا ہے تو اس نے مکرا کر کہا "تو پر ایلم"

اپ کیا دیکھتا ہوں کہ احسان جپانی کا رک سیک انحصار کاں کے سلیپ اپنی کمر کے گرد پاندھ رہا ہے اور روانہ ہونے کو ہے۔

"اوے یہ کیا کر رہے ہو۔ ہم تینوں اکٹھے ہیں اور ہم نے تین پورٹ حاصل کر لئے ہیں"

اس پر احسان نے شور پا دیا کہ جی میں نے تو جپانی کے ساتھ بات کر لی ہے..... اپ بے قلک پوچھ لیں۔ میں نے جپانی کی طرف رجوع کیا "مشی می زو" کیا تم نے اس۔ پورٹ کو کہا ہے کہ تمہارا سلام انھا لے؟"

"آؤ۔" اس نے سر جھکا۔

"رکھنا ہاں میں تمیک کہتا تھا" احسان چیخا۔

"جپانی۔ میں نے تمہارے لئے پورٹ لے لیا ہے۔ ہم اکٹھے ستر کریں گے" میں نے پھر پوچھا۔

"تو پر ایلم۔" اس نے مکرا کر کہا۔

در اصل جپانی کو کچھ پڑھنے تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے لئے ہر چیز "آہ۔ تو پر ایلم" تھی اور احسان نے اس کی سادگی کا فائدہ انھیا تھا اور چکر چلا دیا تھا۔

"جیسیں پڑھے ہے کہ ہم ایک نیم ہیں اور اکٹھے نوکنگ کر رہے ہیں۔" میں نے احسان کو اس طرح گھورا کر اس کا رنگ زرد ہو گیا "دھوکہ کرتے ہو لوگوں کے ساتھ۔۔۔ جپانی کا سلام فوراً رکھو۔"

اب احسان نے اہل ترجمک سے فریاد شروع کر دی کہ دیکھو یہ صاحب میری روزی کے بیچے ڈا ہوا ہے حالانکہ جپانی بالکل راضی بازی ہے۔۔۔ اہل ترجمک بھی ظاہر ہے اسے اپنی طرح جانتے تھے چنانچہ وہ مکراتے تھے اور میری طرف دیکھتے تھے۔۔۔ وہ اسے پوچھتے کہ جپانی تم ان پاکستانیوں کے ساتھ جاؤ گے؟" تو وہ کہتا "آؤ۔" اور اگر وہ کہتے کہ "احسان تمہارا سلام انھا کر ماننے پاس لے جائے؟" تو بھی وہ خوش

میں اور سیر بیکٹوں میں ہاتھ ڈالے، سر پر اونی ثوبیاں بھیجنے اس نیلے پر چڑھنے لگے جس پر وہ سیاہ اور چوکور ڈھانچہ تھا۔۔۔ صح کی ہوا باریک تھی اور ہم آہستہ چڑھ رہے تھے ماگر سانس ختم نہ ہو۔ اور پر ایک بہت بڑے پتھر کے ساتھ درختوں کے تھے اس ترتیب سے ایک دوسرے کے اوپر رکھے گئے تھے کہ ایک بڑا چوکور کروہ سا بن گیا تھا۔ شہریوں کے درمیان جو جگہ تھی وہاں پتھر جما دیئے گئے تھے۔۔۔ اس کے اندر کچھ نہ تھا۔۔۔ البتہ آس پاس اس نیلے پر کہیں کہیں لکڑی کے تھے اور چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے، یہ ترجمک کا قبرستان تھا۔۔۔ بعد میں ہمارے پورٹ سلطان نے ہمیں ہتایا تھا کہ لکڑی کا یہ ڈھانچہ در اصل ترجمک کا خاتمی میثار ہے؛ جن زمانوں میں کوہستانی لوگ جمل آور ہوتے تھے تو ترجمک کے باہی اس میثار میں جا کر ان پر پتھر برساتے تھے اور گولیاں چلاتے تھے۔۔۔ اسی لئے یہ علاقے کے بلند ترین نیلے پر واقع تھا۔۔۔ یہ ترجمک کے کمیت ابھی نہم تاریک تھے اور ہم تیز دھوپ میں تھے لیکن اس کے باوجود گلھر رہے تھے۔ ترجمک سے ناٹک پرست کے سلسلہ کوہ میں رائے کوٹ پیک اور چانگہ پیک زیادہ نہیاں ہیں۔۔۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ترجمک کے پس مظہر میں ناٹک پرست کی برنس تھیں تو در اصل میرا اشارة اس پورے سلسلے کی طرف ہوتا ہے، پوری زنجیر کی طرف ہوتا ہے جسے ناٹک پرست ہمیں کہا جاتا ہے۔۔۔ اور یہ چوٹیوں کا کلسلہ ہے۔ ترجمک میں اترتے گیشیر کا نام دشک ہے۔۔۔ اس آبادی کو اگرچہ برفوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے لیکن باہمیں جانب کھیتوں سے پرے گمراہی میں دریائے روپل ہے اور اس کے پار ایک انتہائی سر زبرد میدان ہے جس میں ایک قصبہ ہے۔ ترجمک کے سامنے دشک گیشیر کا بلند کنارہ ہے جسے عبور کر کے میں کیپ کی جانب سفر کیا جاتا ہے۔

ہم واپس آئے تو ندی کے آس پاس اور کانٹ کے سامنے ایک ہنگامہ پا تھا۔۔۔ یہاں فراسیمی سیاحوں کے ساتھ مقابی پورٹ ماننے پاس تک لے جانے اور واپس تک کا کرایہ ملے کر رہے تھے۔۔۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زیادہ جھزنے والے اور ذرا تیز طرار حضرات خود پورٹ نہیں ہوتے بلکہ کسی بھائی نہیں کو مزدوری دلانے کے لئے میدان میں کوڈ پڑتے ہیں۔ جب معاملہ ملے ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ صاحب ابھی نہیں اور وہ ہر نوں کی طرح فلاٹھیں بھرتے ہوئے کسی کو مٹانی قبیلے کو جاتے ہیں اور اپنے بھائی نہیں کو ساتھ لے آتے ہیں۔۔۔ ہم جب پورٹ مارکیٹ کے قریب پہنچنے تو کچھ حضرات نے ہم پر ہلا بول دیا۔۔۔ میں نے اپنیں سمجھایا کہ ہم مولوی یونس سے کہہ چکے ہیں کہ

"اس کا سب سے زیادہ خیال رکھتا ہے" میں نے انہوں کی پوتی سلطان کو تمہائی۔ اس نے اسے ڈرتے ڈرتے پکڑا میںے اس کے اندر کوئی زبردلا سانپ ہے۔

"اس میں کیا ہے صاحب؟"

"انہوں نے پانچ انہوں نے"

"نوت جائیں گے صاحب" وہ مکرانے لگا "اور ہر نئیں پانچیں گے"

اب ہماری ساری منصوبہ بندی کچھ یوں تھی کہ ہم نے نانگا پرست کے بیٹیں کچھ نک جانا تھا اور یہ تقریباً ڈیڑھ دن کا سفر تھا۔ رات وادی روپل عبور کر کے ایک گلیشیر کے قریب برس رکھنی تھی۔ یوں تو نانگا پرست کے روپل سائز میں مختلف میں کچھ ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ بے یک ہے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم بے یک میں ایک رات گزار کر لا تو بو کے میدان میں جائیں جو نانگا پرست کے دامن میں پہنچا ہوا ہے۔

یہ علاقتے سلسل بارش کی ندیں رہتے تھے لیکن آج موسم بالکل صاف تھا۔ نانگا پرست کے وسیع سلٹے میں جب پاول آ جاتے ہیں تو پھر وہ کہیں نہیں جاتے، وہ اس پہاڑ کو پرے تو نہیں کر سکتے اس نے اس کی بلندیوں کے ساتھ لگ کر برستے رہتے ہیں۔ اور آخری پوند نکل برستے ہیں۔ اور اس دوران سیاح اور کوہ پیا اپنے خیموں میں دیکھ رہتے ہیں۔ تو ہمارے سر زکا آغاز روشن تھا۔

"چلیں صاحب؟" سلطان نے پوچھا اور پھر میرے سرہلانے پر گدھوں کو "ہو ہو" کرنے لگا۔ دونوں گدھے تربیت یافتے تھے اس نے فوراً گھاس سے منہ اٹھایا اور کان کھڑے کر کے پڑھے گئے۔

سر کا یہ لمحہ بھی اپنے اندر ایک عجیب یہاں خیز شدت رکھتا ہے۔۔۔ یعنی ایک ان دیکھے اور ان جانے جان کی جانب سلاقدم۔۔۔ ترٹک نکل تو جیپ آتی تھی اس لئے یہ راستے مسافروں کے عادی تھے لیکن اس سے پرے راستے نہ تھے، پہنچہ ڈیاں تھیں یا بس یہ خیال تھے کہ یہ راستے ہیں اور ان پر صرف وہ پڑھے کو آتے تھے جو دوسروں کے نزدیک عمل خام رکھتے تھے۔ ترٹک نکل ایک رابطہ چلا آتا تھا۔۔۔ لیکن اس سے آگے کچھ نہ تھا! ایک خلاہ تھا جس میں ہم نے قدم رکھا اور اس پلے قدم کے ساتھ جہاں ان دیکھے مختردیکھنے تھے وہاں ان جانے خطرات کو بھی تو جانا تھا۔۔۔

ہو کر کہتا تھا "آہ" اس پر میر مجھے ایک جانب لے گیا اور کہنے لگا "ابو ہم تو میں کچھ یا لا تو بو نک جائیں گے اور اس چلپانی نے یوں بھی مانند پاس جانا ہے تو اسے جانے دیں۔۔۔ احسان نے چکر تو چلا یا ہے لیکن جانے دیں"

چنانچہ ہم نے اپنے عزیز ساتھی "آہ تو پر ابلم" کو بچشم نہ رخصت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ اب اس کا اور ہمارا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے نانگا پرست سے واپسی پر چلم چوکی کے راستے دیوسائی چلے جانا تھا اور اس نے گلگت واپسی جانا تھا جس کے لئے اس کی جیپ کی بگل ہو چکی تھی۔۔۔

"پھر میں گے۔۔۔" میر نے اسے پکارا۔

وہ ندی کے کنارے اکڑ کر کھڑا ہوا اور پورے دانت نکال کر بولا "تو پر ابلم" اور پھر احسان کے پیچے چلے لگا جو بے حد خوش خوش پھر کتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ فرانسیسی بھی اپنے پورہ روز کے ہمراہ روان ہو گئے۔۔۔ اب ہماری ٹھیم باتی رہ تھی۔۔۔ اور ندی کے کنارے دو پاریش حضرات جو اپنی واٹھیوں کو سمجھاتے ہوئے بے حد لطف انہوں ہو رہے تھے باتی رہ گئے کیونکہ یہ ہمارے پورہ تھے۔۔۔ اگرچہ پورہ تھے لیکن سلطان تھے۔۔۔ ایک سلطان ولی قریبی قبیلے ناکے کا باشندہ۔۔۔ ذرا سکینی خلک کا اور کچھ درویش صورت کا اور دوسرا سلطان محمود کرتی جسم کا ہوشیار شخص۔۔۔ ان دونوں کے ذاتی گدھے پھولوں بھری گھاس پر پکڑ کھرمنڈ چلا رہے تھے۔۔۔ ہمارا سلامان "کانچ" کے باہر ندی کے کنارے پڑا تھا۔۔۔ ہجوم ختم ہو چکا تھا اور اب ہم تھے ہمارے پورہ تھے، ہمارے گدھے تھے اور سامان تھا۔۔۔ اور سامان میں ایک اہم آئینہ انہوں کی پوتی تھی۔۔۔ گلگت کے بازار میں دیگر سلامان خریدتے ہوئے جب ہم نے چھ عدد انہوں نے خریدے تو بیک صاحب کرنے لگے "ہاں آں تارڑ صاحب"۔۔۔ یہ آپ کے انہوں استور نکل بھی نہیں پانچیں گے۔۔۔ اور جب استور روڑ پر دھکوں اور دھکوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہمیں تھیں ہو گیا کہ ہمارے چھ انہوں سلامت نہیں رہیں گے۔۔۔ ان کی پوتی جیپ کی اکلی نشت کے نیچے رکھی گئی تھی اور ہماری نظروں کے سامنے کئی مرتبہ اچھی تھی۔۔۔ ترٹک پانچھی ہم نے انہوں نے چیک کے تو صرف ایک راستے کی مسوہ توں میں کام آیا تھا اور باقی پانچ زندہ سلامت تھے۔۔۔

"ہاں جی سلطان صاحبان۔۔۔ ستر کی تیاری کریں؟"

"ہاں نا۔۔۔" سلطان ولی بولا اور "ہو ہو" کرتا اپنے گدھے کو گیرنے لگا۔۔۔

خوزہ دیر میں دونوں گدھے پیک ہو گئے۔۔۔

اب ہمیں پچھے اڑنا تھا، گلیشیر کے راستے کو پار کر کے دوسری جانب، پھر کنارے کے اوپر جانا تھا اور پار جانا تھا۔

یہ گلیشیر ناٹا پرست کے سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ اس کی برف سے ملا ہوا تھا۔ لیکن ان دونوں یہاں بہت زیادہ برف نہیں تھی بلکہ سلیٹی رنگ کے پتھریلے ڈھروں، بھر بھرے پتھروں اور سمجھریوں کا ایک تھما ہوا دریا تھا جس کے پیچے برف تھی۔ یہ برف کہیں کہیں سیاہ پتھروں کی طرح جھاٹکی تھی۔ اور اس تھے ہوئے دریا میں بعض پتھر کی منزلہ عمارتوں پتختے بلند اور وسیع تھے۔ اور یہ گزرگاہ اپنے آس پاس کے مظاہرے پاکل الگ نظر آتی تھی کونکہ برف کی سفیدی اور ترکھنک کی ہراوں کے مقابلے میں یہ پاکل یک رنگ تھی۔ سلیٹی اور نہم سیاہ۔

"ابو آپ کو فیری میڈو کے راستے کی وہ تصویر یاد ہے جس میں ایک بہت بلند اور خلک پر اڑا میں کہیں آپ کے سامان سے لدا ہوا ایک گدھا ہے۔ اور وہ بھی نظر آ جاتا ہے اور بھی پتھروں میں نظر نہیں آتا۔ اور آپ اس کو "آئیے گدھا حلاش کریں" تصویر کرتے ہیں۔" سیر نے اپنا لہذا پازو اخالیا اور پیچے گلیشیر کی گزرگاہ کی طرف اشارہ کیا "اب زرایماں اپنے دو گدھے حلاش کریں" گزرگاہ کی سو بیڑچوڑی تھی اور میں نے بہت خور کیا لیکن وہاں پتھروں برف کے سیاہ نوکیلے تو روں اور بھر بھری سی سکنروں والی مٹی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہ سلیٹی رنگ کی دنیا خاموش اور بے تصویر تھی۔

"میرا خیال ہے گدھے دوسرے کنارے پر چڑھ کر دوسری جانب اتر پکھے ہیں۔"

"ہوں۔" سیر نے سر ہلایا "وہ تھی آپ کی فیری میڈو "آئیے گدھا حلاش کریں" تصویر اور یہ ہے میری "وادی روپل آئیے گدھا حلاش کریں" تصویر۔" زرایماں سے دیکھنے اب۔۔۔ اس پڑے پتھر کی سیدھی میں، آپ کا رک سیک سرخ رنگ کا ہے۔۔۔ آپ کو ایک سرخ وجہہ نظر نہیں آتا۔" میں نے بت کو شش کی۔ میرا خیال تھا کہ سیر زرایماں پر کے موڑ میں ہے۔۔۔

"پے صاحب۔۔۔ ہے ہاں" سلطان نے بھی دانت نکال دیئے اور اس کے اگلے دو دانت کسی بیماری کی وجہ سے آدمیہ رہ گئے تھے۔۔۔ اور گدھا دہاں تھا۔۔۔ گدھا تو دکھائی نہیں دنا تھا لیکن ایک سرخ وجہہ ضرور نظر

## "روپل گلیشیر کے ہاتھی اور شوکور پر ایک زرد خیمه اور سر درات"

ہم ترکھنک کے کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے دہنک گلیشیر کے اس کنارے کے دامن میں پہنچ گئے جو دور سے ایک عمودی دیوار کی طرح نظر آتا ہے۔ اس پر ایک راست امتحنا تھا۔ مجھے ابھی اپنی جسمانی صحت کی بہتری کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ایک شری جسم بے حد زرم اور آرام طلب ہوتا ہے اور اس کے اندر کوہ پیالی کی مشقت کرنے کے لئے نہ قوت ہوتی ہے اور نہ خواہش۔۔۔ مجھے میں خواہش تو بت تھی۔۔۔ سلطان محمود گدھوں کا انچارج تھا چنانچہ وہ ہم سے خاصا آگے جا پڑا تھا۔۔۔ سلطان ولی اور سیر اکٹھے چل رہے تھے۔ میں اور رایی چمڑیاں لیکتے اور باقیں کرتے ترکھنک کی جانب مزکر دیکھتے تھے۔ کونکہ ہم ترکھنک سے اونچے ہو رہے تھے اور وہ مکمل تسلیل سے اور اپنے پورے پہمیاؤ سے ہمیں نظر آ رہا تھا۔۔۔ اور سیر اور سلطان کے آگے ایک نیلے آسمان میں ناٹا پرست کی چوٹیاں جیسے لمحہ بے لمحہ نزدیک آ رہی تھیں۔ میں نے متعدد بار کسی پتھر سے نیک لگا کر اپنا بے ربط ہوتا سانس درست کیا۔۔۔ میں اگرچہ رایی کے بارے میں مگر مند تھا لیکن وہ پڑے چل سے اور ہاتھ سے چلتا جا رہا تھا۔۔۔ پتھروں میں لاپرواہ اور شوش ہو کر چلتے والے بہت زیادہ دیر تک اور دور تک نہیں چلتے۔۔۔ سیر اور سلطان اپر پہنچ کر ہمارا انتقال کر رہے تھے۔۔۔ سلطان انہوں کی پوتی کو ایک بیٹیرے کی طرح نرمی سے پکڑے ہوئے ایک پڑے پتھر بیٹھا تھا۔۔۔ اور سیر اپنی چمڑی کی نوک سے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو اس طرح دھیل رہا تھا کہ وہ اس بلندی سے لڑک کر پیچے گلیشیر کی گزرگاہ تک گرتے جاتے تھے۔۔۔

ہم ایک بڑے پتھر پر چڑھ کر چھڑیاں لیتے دوسری جانب اترے تو پتھروں کے سلیش طبے کے قریب ایک چھوٹا سا شفاف تالاب تھا۔ پتھروں کے نیچے سے ایک بالی برآمد ہوتی تھی اور تالاب میں گرفتی تھی۔ پانی ایسا شفاف تھا کہ اس میں پڑے ہوئے پتھروں سکریزے کسی شیئے میں مخدود لگتے تھے۔

"ابو میں ذرا اس جیسیں کو قریب سے دیکھے لوں؟"

"یہاں سے وکھائی نہیں دے رہی؟"

"میں اس کے پانی میں اپنی چھڑی ڈوبنا چاہتا ہوں — اور ہاتھ بھی لگانا چاہتا ہوں"

میرے سرہلانے پر وہ پتھروں کو پھلا گلما اس تالاب تک چلا گیا۔ وہ نیچے جوکا "ابو ادھر جاں سے پانی آ رہا ہے دہا اندر بالکل اندر جیرا ہے اور برف ہے اور ادھر بیٹھیں تو کیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔"

"بچے، واپس آ جاؤ۔"  
بچہ واپس آگیا۔

پوشیدہ برف کے اس انبار پر چلنے کے باوجود اور ہو دھوپ تھی وہ بدن جلاتی تھی اور پہیند چہرے پر آتا تھا اور پھر سرد ہوا پل کر سردگرم کرتی تھی۔ گزرگاہ کا انتظام ہوا، آگے دو مرکارا تھا۔ دوسری دیوار تھی اور یہ کچی بھر بھری اور سیدھی اور پر کو جاتی تھی۔ ایسے مقلات پر اگر آپ میں جبکہ پیدا ہو تو مقامی لوگ کہتے ہیں "صاحب ڈرتے کیوں ہو ادھر سے تو پچھے اور بکری بھی گزرتا ہے۔" اور یہ مقامی لوگ آپ کو یہ بکھی نہیں بتاتے کہ ادھر سے گزرتے ہوئے کتنا پچھے اور بکری نیچے گیا۔۔۔ شمال علاقوں میں میں نے کئی جگہ مارخور کے ڈھانچے دیکھے ہیں اور یہ وہ مارخور ہوتے ہیں جو کسی چنان سے پھسل کر وادی میں آگرتے ہیں۔۔۔ اور مارخور کے بارے میں مشور ہے کہ اس کا کسی چنان سے گرنے کا سوال یہ پیدا نہیں ہوتا۔ سلطان بھی کہدا ہو گیا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا تو وہ کہنے لگا "صاحب خطرناک تو ہے پر گزرتا جاؤ۔ راستہ ٹھیک ہے۔"

"میں پہلے جاتا ہوں" میں چھڑی نیکتا اس بھر بھری مٹی اور سکریزوں پر جاتا جما کر قدم رکھتا اور پر چھٹنے لگا۔ یہاں آپ جو چاہیں کر لیں آپ کا پاؤں سکریزوں پر سے اس طرح پھلتا تھا جیسے آپ نے رور میکش پہنے ہوئے ہیں۔ اور سکریزے سیدھے گیشیر کی گزرتگاہ پر گرتے تھے۔۔۔ یہاں جان کا خطرہ تو کم تھا لیکن نیچے جانے کی

آیا۔۔۔ تو ہم خاصی بلندی پر تھے اور ہمیں نیچے جانا تھا۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ گیشیر سے دوسری جانب ایک خلک پہاڑ تھا جس کے دامن میں ایک سر بزر علاقہ اور درخت تھے اور پس منظر میں ایک برپوش چوپی نظر آری تھی۔۔۔

"وہ روپل ہے۔۔۔" سلطان نے اعڑوں والی پوٹی سے اوہ راشارہ کیا۔۔۔

"اگر وہ روپل ہے تو میں سے واہیں چلیں۔۔۔" میرے ذہن میں روپل کی وادی پکھ اور تھی اور یہ تو کچھ بھی نہ تھی۔۔۔

"اور صاحب یہ اوہر پسلے چھوٹا روپل ہے اور اوہر ذرا بلندی پر بڑا روپل ہے۔۔۔ ہم اوہر جائیں گے پھر دریا پار کر کے اس پہاڑ پر چڑھ جائیں گے اور اوہر جو گیشیر کا نہ نظر آتا ہے اس کے پاس آج رات یکپ کریں گے۔۔۔"

ہم نیچے اترنے لگے۔۔۔ یہ ایک پھوٹا سائل کھاتا راستہ تھا جس پر چلانا مشکل تھا اور لڑک جانا بہت آسان۔۔۔ اور مجھے سیر کا فکر تھا۔۔۔ سیر پچھن میں زمیں پر منبوطي سے پاؤں نہیں رکھتا تھا بلکہ قدرے لایپو والی سے چلتا تھا اور اکثر ادھر ادھر لڑک جاتا تھا اور اس مناسبت سے اسے لڑکوں میں بھی کہا جاتا تھا۔ اب ہم ایسے خطوں میں تھے جہاں یہ عادت زیادہ مفید نہیں تھی اور میں اس کے بارے میں فکر مند تھا۔

"تم میرے آگے چلو سیر"

اس نے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا اور پھر کسی پختہ قدم پہاڑی چھپ کی طرح نیچے اترنے لگا، البتہ میرے پاؤں ذرا بے قابو ہوتے تھے اور گھنٹے آپس میں بھرتے تھے۔۔۔ نیچے جاتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ گیشیر کی گزرتگاہ کے پار دوسرے کنارے پر ہمارے گدھے حرکت کر رہے تھے۔۔۔ نیچے اترنے ہوئے ہمارے کانوں میں گیشیر کی توڑ پھوڑ کی آوازیں قریب ہو گیں۔ ان کے ساتھ پانی کے رستے اور ٹھیکنے کی آواز تھی اور ایک ٹھنڈک تھی، ہمارے نیچے ہزاروں برسوں سے مجدد برنس تھیں۔۔۔ ہر برس نانگا پرست سے برف کھک کر اس گزرتگاہ پر آتی تھی اور اپنے ساتھ لائے ہوئے پتھروں اور چنانوں سے الگ ہو کر پکھل کر نیچے دریائے روپل میں جا ملتی تھی۔۔۔ ہم اس گزرتگاہ میں داخل ہوئے تو جیسے کسی خیرہ عبادت گاہ میں داخل ہوئے۔۔۔ یہاں کوئی نہ تھا صرف پانی کی مدد مم آواز تھی پکنے اور پکھنے کی۔۔۔ کہیں کہیں گیشیر کی بو تھی نظر آجائی اور اس کے نیچے چھوٹے چھوٹے تالابوں میں پانی پکتا دکھائی دیتا۔

”تمہری دری کے لئے رک جائیں۔“

”ہاں ہاں۔“ سلطان نے سر ہالا یا پر ادھر درختوں کے پاس چشمہ ہے ادھر رکیں گے۔“

ہم بیچے آئے اور ہمارے آگے وادی روپل کے درمیان میں ایک راستہ تھا اور راستے کے دونوں جانب کھیت تھے۔ یہاں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں وہ چشمہ تھا جہاں بیچ کر تمام مسافر اور ٹریکر دم لیتے ہیں اور اس کے میٹھے پانیوں سے میرا ہو کر آگے پڑتے ہیں۔ میں نے منہ ہاتھ دھوا اور پتھر جبکہ کہاں چڑھتے کے پانی میں فیروز طا۔ اس کی خلکی چہرے کے راستے میرے بدن میں اترنے لگی اور جب میرے ہوت اور ناک سن ہوئے گئے تو میں نے چڑھ پانی سے اٹھا کر جھٹکا۔ اور اس لئے روپل کی ہوانے میرے نم آکو ڈھرے پر خنک اور سر راستے ہوئے سانس لئے اور اسی لئے میں نے پہلی بار روپل کو دیکھا۔

روپل کو میں نے اگست کے پہلے دنوں میں دیکھا اور اگست کے پہلے دنوں میں روپل کختے بزرگ کے کھیت ہیں جن میں ہر بڑے بڑے پتھر کی جاپانی بائی کی طرح جب ہیں اور ان کھیتوں میں پانی پہنچتے ہیں اور ان پانیوں کے کنارے جامنی رنگ کے پھولوں کے انبار ہیں۔ کھیتوں کی ہر باروں ایسے ہے جیسے کہی اپرشنٹ مصور نے اپنے کینوس پر بنیاد کے طور پر بزرگ لگایا ہے۔ اور پھر ان کھیتوں میں اور اس بزرگ کینوس پر اتنے زیادہ پھول ہیں۔ رنگوں کی بوندیں اتنی بہتات ہیں۔ پھولوں کی بارش کے چھینٹے اتنے زیادہ ہیں۔ اتنے زیادہ ہیں کہ انسان یقین نہیں کرتا اور منہ نکھول کر اس وادی کو دیکھتا رہتا ہے جو دور سے بے حد ویران اور سنسانی لگی تھی۔ اور اب اس وادی کے کھیتوں میں لکڑی کے گھر ہیں جو پھولوں بھرے کھیتوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ اور کھیتوں میں خواتین ہیں جن کے لباس انہی شوخ رنگوں کے ہیں جو ان کے آس پاس خنک ہوا میں جھوٹتے ہیں۔ گورتوں نے شوخ رنگوں کی فیباں بھی پہن رکھی ہیں۔ کھیتوں میں بزرگ کے علاوہ تین رنگ نیباں ہیں، سرخ، زرد اور جامنی۔ سرخ گلاب، زرد چکلی پھول اور چام جمالوں والے ٹھکے۔

ہم اس وادی پر رنگ دبو میں چلنے لگے۔

۔ لئکے تیری طاش میں قفلہ ہائے رنگ دبو

روپل کے پس مظہر میں پاؤ پکیے رنگ کے ہیں اور کم بلندی کے ہیں یعنی۔

صورت میں آپ کے ایک چاربائی پر لانا کرو اپنی گھلتے لے جانے کا امکان بے حد تو ہی تھا۔ پہنید جو مانتے پر تیرتا آنکھوں میں کرتا تھا اسے پوچھنے کی کوشش میں بیٹھنے خراب ہو سکا تھا اس لئے پہنید آنکھوں میں گر کر آپ کے سامنے راستے کو دھندا تھا۔ کنارے کے اوپر پہنچ کر میں نے پہنید پوچھا اور بیچے کڑے سیرے کما کر بس بیٹھے بے حد احتیاط سے آجائیں۔ وہ جھکا ہوا اس دیوار پر چھٹنے لگا اور اس کے ساتھ میرا سانس بھی بند ہو گیا کہ وہ بہت پھسلتا تھا۔ ایک جگہ اس نے قدم رکھا تو اس سے سینکھلانہ گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔

”وہیں ٹھہر“ میں چھا۔ ”سلطان اس کے آگے اگر اس کا ہاتھ پکو۔“ سلطان فوراً آگے آیا اور وہ بھی پھسلتا ہوا آیا اور اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ اس دوران سیرے بالکل بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ وہ خاصا خوفزدہ تھا لیکن مجھ سے زیادہ نہیں تھا۔ سلطان کا ہاتھ تمام کر دے ہوئے ہوئے سانس روکے چھٹنے لگا۔ مجری مٹی مسلسل اس کے قدموں میں سے نکل ری تھی۔ ایسی مٹی اور سگریزوں پر چھٹنے کا اصول یہ ہے کہ آپ تیزی سے اوپر جاتے ہیں اور جتنی دری میں آپ کا پاؤں بھٹکنے لگتا ہے اتنی دری میں آپ اسے اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی تیزی دکھانے کے لئے ہمت اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ دنوں قریب ہوئے تو میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا لیکن سیرے کی نظریں پرستور بیچے راستے پر چھیں اور اس نے سرہلا کر کہا کہ نہیں بیچھے سارے کی ضرورت نہیں۔

اوپر پہنچ کر اس نے اپنا بیٹھ اتارا جس پر اس نے ”پرسار سیر“ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے اور بالوں میں ہاتھ پھیر کر ذرا غصے سے کئے تھے اگر بھولے تو میں اپنے ہاتھ پر کھڑا رہا۔ تھا لیکن آپ نے یہ کہا کہ بیٹھا احتیاط سے۔ تو میں گھبرا گیا آنکھہ آپ نے بیچھے یہ بالکل نہیں کہا کہ بیٹھ احتیاط سے۔

”جب تھک میں تمہارا باپ ہوں تب تھک تو میں یہ کہا رہوں گا کہ بیٹھا احتیاط سے۔“ میں نے اسے بھگی ڈال کر بینے سے لگایا اور تھکا۔ لیکن اندر ہی اندر میں نے اس کے چیس کو درست جانا کہ میں نے جب کہ وہ بے خطر آ رہا تھا اسے احتیاط کا مشورہ دے کر خوف سے تعارف کروادیا تھا اور جبکہ کوشامل کروادیا تھا۔

گھبیشیر کے اس کنارے کے دوسری جانب ایک باقاعدہ ڈھلوان راستہ تھا جس کے دنوں جانب درخت تھے اور جنگلی گلاب کی جھاڑیاں تھیں۔

اون آجاتے ہیں۔ کاشکاری کرتے ہیں، فصلیں کاتتے ہیں اور شدید برقباری سے پہنچ داپن چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان دونوں ترکھ اور چورت میں موسم خوٹگوار ہوتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ سردوں میں روپل برف تلے دب جاتا ہے اور کچھ نظر نہیں آتا اور ترکھ میں بھی سب کچھ دب جاتا ہے لیکن انسان کمیں کمیں نظر آتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔ میں نے ایک بار سلطان سے کما کر تم تو دعائیں کرتے ہو گے کہ یا اللہ اس بار برف کم پڑے تاکہ زندگی آسان ہو۔ وہ کہنے لگا، "نہیں صاحب ہم تو زیادہ برف کی دعائیں کرتے ہیں، جتنی زیادہ برف پڑے گی اتنی یہ پچلتے گی اور اتنا ہی زیادہ پانی ہو گا ہمارے کھیتوں کے لئے اور ندیوں کے لئے۔

روپل گاؤں میں صرف چد گرتے ہیں۔ باقی گھر پری وادی میں کھیتوں کے ساتھ تھے۔

داہیں جانب وہی سوکھا ٹیلا نما پھاڑ اور باہمیں جانب کھیتوں کی آخری حد کے پیچے دریائے روپل بتا تھا جو یہاں سے دکھائی نہیں رہتا تھا۔

روپل میں ہمیں خبری کے بے یک میں یکپ سے جو راست ٹاپ میدان اور لا تو بو جاتا ہے وہوپ سے زم پڑتی ہوئی برف کی وجہ سے خلڑاک ہو گیا ہے اور اب اونھ سے جانا مناسب نہیں۔

سلطان نہیں پر بینہ گیا" اونھ تاٹا پرست ہے۔ اور یہ اس کے پیچے بے یک ہے میں یکپ جہاں ان دونوں ایک جاپانی ٹیم یکپ کر رہی ہے۔ اور اونھ ٹاپ میدان اور لا تو بو کے میں یکپ ہیں۔ ان کا آپس میں راست تو ہے لیکن وہ گیشیر زم پڑ گیا ہے۔ اگر ہم بے یک جاتے ہیں تو ٹاپ میدان اور لا تو بو جانے کے لئے پھر واپس روپل آئیں گے اور پھر یہاں سے آگے تو بولو کہ ہر جائیں؟"

"لا تو بو اور ٹاپ میدان۔"

میں نے بہت سارے کوہ پیاؤں سے ان مقامات کے بارے میں بے حد تو میختی کلمات نہیں تھے۔ اور وہاں پہنچ کر ہم بے یک جانے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔

روپل کی آبادی فتح ہو گئی۔ ایک پھاڑی ہالہ راستے میں آیا جس کے پانی میں قدم رکھنے کو پتھر تھے۔ ذرا پیچے لکڑی کے ہموار چھیتوں والے درجنوں مکانوں کا مجموعہ نظر آیا۔ یہ مکان جیسے ایک "سرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ شدید سردی کی وجہ سے ساتھ ساتھ اپنا پھاڑ کرتے ہوئے۔ یہ بڑا روپل یا اپر روپل تھا جو

یہاں پس متحرک طرف نظر نہیں جاتی انسان نہیں کو رکھتا جاتا ہے اور نہیں پر شوخ رنگوں کے چھینتے ہیں۔ کھیتوں میں کام کرنے والی خواتین ہمارے بارے میں تجسس رکھتی ہیں، وہ اپنا کام بھول کر ہمیں دیکھنے کے لئے لکڑی ہو جاتی ہیں اور جب ہماری نظریں ان کے دیدہ زیب گھونوں اور خوش رنگ لباسوں کی طرف جاتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو کھیتوں میں چھا لتی ہیں۔ اور ان کا چھپنا آسان ہے کہ وہ ان کے لباس اور ان کے کھیتوں کے پھول یک رنگ ہیں۔ یہاں درخت بہت کم ہیں اور اسی لئے تین چار میل بھی یہ وادی پوری کی پوری اپنے تمام رنگوں کے ساتھ آپ کے سامنے پھیل نظر آتی ہے۔

جس راستے پر ہم ٹل رہے ہیں اسی راستے پر تین خواتین چلی آ رہی ہیں۔ ان میں سے ایک کی سرخ چادر ذرا ہوا سے اوپر اٹھی ہے تو کسی کھیت کا حصہ ہو جاتی ہے کہ وہاں بھی سرثی مائل ہاریک پھولوں کی تہ پھی ہوئی ہے۔ ہم ان خواتین کو قریب سے دیکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہمیں دیکھ کر راستہ بدلتی ہیں۔

راہی جو مسلسل تصویریں اتار رہا تھا کقدم کھڑا ہو گیا "مائی فریڈ۔" میں بریاد ہو گیا۔ تم نے مجھے ہلاک کر دیا۔ میں اب تک جو دنیا دیکھتا رہا وہ کیا تھی اور اب میرے سامنے جو دنیا ہے یہ کیا ہے؟ سب سے بڑا مصور وہی ہے اوپر والا۔ کیا رنگ لگائے ہیں اس نے۔ فرشت کلاس۔"

لاہور میں جب میں اور سیر سر جوڑ کر اس سڑناٹا پرست کی منصوبہ ہندی کرتے تو بار بار روپل کا ذکر آتا۔ اس پر بیچہ گھروالے سیر کو چھیڑتے کہ اچھا روپل جاؤ گے۔ اور اس کا نام ہی مسٹر روپل پڑ گیا۔ اسی حوالے سے سیر نے رک کر صرف اتنا کہا "ابو میں روپل میں ہوں۔ مسٹر روپل۔"

ہم ترکھ سے سرسری گزرتے تھے اور روپل سے اس سے بھی زیادہ سرسری گزرتے تھے۔ یہ ان جھنوں سے نا انسانی تھی۔ ہم واپسی پر یہاں رکنیں گے ہم نے فیصلہ کر لیا۔

ہم جس راستے پر تھے اس کے دونوں جانب پتھر جوڑ کر چھوٹی چھوٹی دیواریں اپنچی کی گئی تھیں اور ان دیواروں کے ساتھ کھیت تھے۔ پھر کھیتوں کی بجائے گمرا شروع ہو گئے۔ انسیں فارم ہاؤس کیا زیادہ مناسب ہو گا کیونکہ روپل دراصل چورت اور ترکھ کے رہنے والوں کا سر کیپ ہے۔ وہ اپنے مال میٹی سمیت گرمیوں میں

راہیق نے سشوو جالایا اور چاول ایالتے لگا۔ سلطان نے اوہر ادھر سے گلوبیں جمع کر کے ایک دنی چولما بنا لیا اور میرے لئے کافی تیار کرنے لگا۔ سیراپی پنجھانی نوپی من پر رکھ کر اونچھنے لگا۔

دو پچھوں کے اوپر ایک بست بڑا پتھر اس انداز میں آن رکا تھا کہ اس کے بیچے بارش اور دھوپ سے محفوظ کرو سا بن گیا تھا۔ یہ رات گزارنے کے لئے بہت شایدار جگہ تھی اور یہاں سے بہت لوگ گذرے قیام کیا اور ٹپے گئے۔ تم نہ پسلے ہونے آخری۔

کھانے کے فرما بعد ہم پھر ٹپے لگے۔ مند بیچے اترے اور دریائے روپل پر بننے ہوئے اس پل ملک بخی کے جو تمن چار شہریوں کو آرپار لانا کر تیار کیا گیا تھا۔ "آہا۔ ویری ڈیبلجس" رای کر پڑا تھا رکھ کر اپنے جلپانی سوراۓ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"ادھر سے تو گدھا بھی گذر گیا" سلطان نے دانت نکال کر کہا۔ "ہم گدھا نہیں ہے" رای نے عمل سبجدی سے اعلان کیا "تاڑ صاحب اس آدمی کو انفرمیشن دو کہ ہم گدھا نہیں ہے۔"

"ہم دونوں گدھا نہیں ہے۔" میں نے سلطان کو اطلاع دی "ہم تو ہے۔" یہ آواز سیر کی تھی جو سرخچا کر کے پنے تلے قدم رکھتا شہریوں کے درمیان جو بڑے بڑے سوراخ تھے اور جن میں سے دریا کی جھاگ اور آتی تھی ان سے پچھاپل کے پار جا رہا تھا۔

"پھر تو ہم بھی ہے۔" رای نے انگلی کھوئی کر کے کما اور پل پر قدم رکھ کر نور سے دبایا کہ گرتا تو نہیں اور پھر اطمینان کر کے آرام سے ٹپے لگا۔ "اگر سب ہے تو ہم بھی ہے۔" اور سب سے آخر میں میں نے قدم رکھا۔ اور مجھے یوں لگا چیزے صرف میرے قدم رکھنے کی وجہ سے دریا کی پہنکار میں اضافہ ہو گیا ہے کہ اونے تم بھی بہوش۔

دریا کے پار ایک راست اور کوبل کھاتا جا رہا تھا لیکن یہ ہر واں میں تھا اور جنگلی بوئیوں اور چیزوں کے درختوں میں سے تھا۔ اور یہاں ڈھلوانوں پر پھول بھی لگتے تھے۔ ہمارے پاسیں جانب ایک خاص بلندی کے بعد درخت کم تھے اور یہ سنوارائی تھی۔ اس بلندی کے پار ابر سفید برج کے نیڑے میڑے درختوں کا ایک جگل ڈھلوان

ان دونوں بالکل ویران پڑا تھا۔ پیشتر جھوپیرے کلے ٹپے تھے۔ کوئی بزرگ نہ تھے۔ جن میں ٹھانگ اور ساگ سنور کے گئے تھے۔ ان مکانوں کے برآمدوں میں بھی انہیں دو سبزیوں کو سکھانے کے لئے ہاروں کی طرح گوندھ کر لٹکایا گیا تھا۔ ہم ان ویران مکانوں کی چھتوں پر ٹپتے تھے لیکن احتیاط کے ساتھ۔ ان کی چھتوں میں چوکور روشن دان تھے۔

اپر روپل میں ایک مرتبہ پھر دائیں ہاتھ پر ناٹا پرست کا برفیلا جنم ظاہر ہوئے لگا۔ اور یہی اس سلسلے کی بلند ترین چوٹی تھی۔

اور ہمیں پاسیں ہاتھ پر نیچے اڑنا تھا اور دریائے روپل عبور کر کے دوسری جانب شوکور تک جانا تھا۔ شوکور روپل گلیشیر کے میں اپر واقع ہے اور اس کے سمتی سفید پہاڑ کے ہیں۔ اور اسی سفید پہاڑ پر ہم نے آج کی شب بر کرنا تھی۔ ہم اپر روپل کے آخری گھر سے آگے گئے اور پھر فیض میں پستے تیز و سرد روپل دریا کی طرف اترنے لگے۔ یہ اڑائی بھی ایک دریا کی طرح بیچے جا رہی تھی لیکن راست چوڑا تھا اور نہیں سخت تھی۔ دوپہر ہو رہی تھی۔

"سلطان"۔ رای نے سوکھتے یوں پر بیان پھیرتے ہوئے کہا "ہمیں فریضہ کچھ کھانا پینا ہو جائے۔ کچھ دال بحاثت ہو جائے۔"

"ہاں نا۔" سلطان نے خوش مذاقی سے سرہا یا "نیچے چشمہ ہے۔ اور ہر چشمہ کر کھائیں گے ہاں۔"

اب ہم نے دیکھا کہ ہمارے گدھے ہمارے دوسرے سلطان کے ساتھ دریا کے پار پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں "یہ ولی نہیں کھائے گا؟" "کیا کرے گا۔" سلطان نے لاپرواں سے کہا "یہ ادھر بیچے گا شوکور میں اور ہمارا انتظار کرے گا"

ہم روپل اور ناٹا پرست سے او جمل ہو کر بیچے ٹپے گئے۔ نیچے بڑے بڑے پتھر اور بلند درخت تھے جن کے بیچ میں گھاٹ کے تھاتھ تھے۔ ہم ٹھنڈن سے بے حال ہو کر درختوں کے سامنے میں لیٹ گئے۔ یہاں صرف دریائے روپل کی تیزی کا مدھم شور سنائی وہنا تھا یا پھر کسی درخت کے چوں میں پسیڈہ صرف ایک پرندے کی کوکل نما آواز۔ کو او۔ کو او۔

کے نزدیک اور دوسرے گلیشیر سے ہزاروں فٹ اور پہاڑ کے ساتھ ایک چھوٹے سے بڑھاؤ پر راجحان تھے اور یہ چھوٹا سا حصہ اس طرح مغلق تھا کہ تیز ہوا کے ساتھ ہتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

روپل گلیشیر کی قدیم برف اپنی نوٹ پھوٹ اور سایہ کے ساتھ بیب منظر تھی۔ جیسے ہزاروں ہاتھی سر ہوٹے کھڑے زور لگا رہے ہیں اور برف کے نوٹے تو ہوں کے نیچے دریا میں گرنے کی آواز انہی چانروں کی ہے۔ ہم انہی زور لگاتے ہاتھیوں کے میں اور کھڑے تھے۔ ہمارے آگے ایک چھوٹا سا پہلہ تھا اور اس نیلے سے چھوٹے پتھر نیچے گرتے تھے اور اسی نیلے سے پرے نانگا پرست تھی۔ زور لگاتے برلنے ہاتھیوں کے اور نانگا پرست۔ نانگا پہاڑ۔ دیا میر۔ پہاڑوں کا یاد شاہ شل کمھی۔ سو چڑوں والا پہاڑ۔ اور کلر ماؤشن۔ قاتل پہاڑ۔

سلطان محمود گدھوں پر سے سامان اتار کر ہمارا انتشار کر رہا تھا۔

زرد خیسے کا کپڑا نہیں پر بچا ہوا تھا۔

جب بھی گلیشیر کا کوئی گلدا اپنی قدیم آماجگاہ سے نوٹ کر دریا میں گرتا تو گز گزاہٹ کی گونج میں ہمیں اپنی خیسہ گاہ رزقی ہوئی محسوس ہوتی۔ رایہ میری جانب رکھتا اور میں اس کی طرف۔

"تمی فریڈ نہیں یہ نہ ہاتا کہ ہم اس۔۔۔ کامپتی ہوئی جگہ پر رات گزاریں گے۔۔۔ اس نے سکراتے ہوئے کہا۔

"تمی فریڈ۔۔۔ میں تمیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہتا سکتا۔۔۔ میں نے بے چارگی سے کندھے سکھیرے۔

"آؤ آج کی رات گزارنے کے لئے ہم نانگا پرست کے دامن میں اپنا خیر نصب کریں۔۔۔ میخیں دھیان سے گاڑتا کہ یہاں رات کو ہوا تیز ہو گی۔۔۔"

چڑوں کی ایک چھوٹی سی دیوار کی اوٹ میں سلطان کھانا پکانے کے لئے آگ جلا رہا تھا اور اس کا دھواں اور اٹھ رہا تھا۔ اور زرد خیسہ تھا اور شب تھی جو قریب تھی اور جنگلی بوٹوں کی ملک گلیشیر کے نوٹے کی آواز اور دریا کا شور اور سردی تھی جو رُگ و پے میں اترتی تھی اور دھوپ تھی جو ڈھل پھی تھی اور ہمارے سامنے نانگا پرست تھی اور ہم تھے اور صرف ہم تھے اور اسے دیکھتے تھے اور کوئی نہ تھا اور ہم

پر جھکا ہوا تھا۔۔۔ داکیں جاتی دریائے روپل نیچے رہ گیا تھا بلکہ وہ بہت نیچے تھا اور اس کی آواز اب ہم تک نہیں پہنچتی تھی۔ ہم یہ کچھے مڑک رکھتے تھے تو وادی روپل ایک ہوائی مظہری طرح نظر آتی تھی۔ اپر اور لوڑ روپل اور ان سے پرے ترکھ گلیشیر کی دیوار۔۔۔ کیا ہم اسی وجہ اعاظ مصلحتے کر کے یہاں تک پہنچتے تھے۔۔۔؟

ہماری گلڈنڈی چھوٹی ہو رہی تھی اور بہت ہی تیزی سے بلند ہو رہی تھی۔۔۔ اور سورج بھی زرد ہونے لگا تھا۔

ہم آرام کرتے۔۔۔ سانس درست کرتے۔۔۔ جو گلم چباتے چلتے گے۔۔۔ ایک مقام پر گلڈنڈی جو پہاڑ کے ساتھ چمنی ہوئی تھی بلکھاتی ہوئی اٹھی اور کچھ زیادہ ہی اٹھ گئی۔۔۔ میں احتیاط سے آگے بڑھا تو کیدم احساس ہوا کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔۔۔ میرے میں نیچے ہزار فٹ نیچے روپل گلیشیر میں سے لکھا ہوا تیز دریا تھا اور اس کے پاندوں میں برف کے بڑے بڑے گلڑے آپس میں جنگلی بھینسوں کی طرح گمراہے تھے اور ڈکرا رہے تھے۔۔۔ یہاں کسی حرم کی کوئی محباکش نہ تھی۔۔۔

"چلو ہاں۔۔۔" سلطان میرے پیچے کھڑا تھا اور یہاں اتنی جگہ نہ تھی کہ میں مڑ کر دیکھ سکتا۔۔۔ سامنے وہ دس بارہ فٹ کا گلہ تھا جو میں کھاتا گلیشیر کے میں اور مغل تھا۔

نیچے نہیں دیکھو تو خلڑاک نہیں ہے۔۔۔" یہ سلطان کی آواز تھی۔

عجیب الحق انسان تھا بھلا نیچے کس طرح نہ دیکھو۔۔۔ جیسے آپ ایک دو فٹ پوزی میز پر با آسانی کھڑے ہو جاتے ہیں اور سارا دن کھڑے رہ سکتے ہیں لیکن اگر اسی میز کے پائے دو ہزار فٹ بلند ہو جائیں تو کیا اس پر آس پاس دیکھے بغیر کھڑا رہتا ممکن ہے۔۔۔ میں صورت حال یہاں تھی۔۔۔ میں وہاں سے گزرا لیکن تین سچھتے کہ وہاں سے گذرتے ہوئے میں تھوڑا سا اس جہا سے بھی گزرا۔۔۔ دوسری جانب پنج کر میں نے سیر پر نظریں جا دیں۔۔۔ میں اسے بیٹھا احتیاط سے کھنے کو تھا لیکن بھتری چاہا کہ نہ کوں اور وہ پورے وہیان سے لیکن بے خلر ہو کراتے ہے میں سے گزر کر میرے پاس آگیا۔

ہم اپنے رات کے پڑاؤ شوکور پہنچے تو دھوپ ڈھل پھیل تھی۔۔۔

ہمارے داکیں ہاتھ پر نیچے کی اور جہاں میں واڈی روپل کا سربرز گلدا تھا۔۔۔ اپر روپل آوھا سائے میں تھا اور لوڑ روپل ابھی دھوپ میں روشن تھا۔ ہم ایک گلیشیر

یہاں ہوا سے بچاؤ بھی ہو جاتا تھا۔ اس حرم کی ایک چار دیواری کی اوٹ میں سلطان کھانا بہارہ تھا۔ چاول۔ دال اور نمین بند کوئتھے۔

"یہ شوکر ہے؟" میں نے سلطان سے پوچھا۔

"ہاں تاں۔" اس نے دھوان کی نم آنکھوں سے میری جانب دیکھا۔  
"لیکن شوکر تو سفید پہاڑ کو کہتے ہیں۔ سفید پہاڑ کمال ہے؟"

"میں ہے۔" اس نے کہا۔ لیکن مجھے دو تین پچھوں کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہاں شوکر میں رات ہوئی تو یکدم ہوئی اور اس حساب سے سردی آئی کہ ہم جیسے کسی قریب فریز میں سانس لینے لگے۔ سیر اپنی پھلانی نوئی کانوں پر کھینچنے ہوئے بولا "اُدھر گیشیز آدم گیشیز تو اُدھر جسے کی قلنی۔ کونی قلنی؟ کھوئے والی ملائی والی خٹھڑی خمار اے۔ اس نے لاہوری قلنی فروشوں والی ہیک لگائی"

"اُدھر جیسے تو روپل گیشیز لیکن اُدھر کدھر گیشیز؟"

"اُدھر ان پچھوں کی اوٹ میں ایک اور گیشیز میں بھی دیکھ کر آیا ہوں"

"تم اُدھر کیا کرنے کے تھے؟"

سیر ہو کہ پچھا اگرچہ لم ڈینگک ہو چکا تھا پچھوں کی ملخ سکرا یا۔ "میں۔ پانی کرنے گیا تھا۔"

"تو پھر؟"

"پھر کیا؟ گیشیز پر بیٹھنے سے قلنی جنم گئی۔"

کھانے کے بعد الاؤ روشن کیا گیا۔ اور ہم سب اس کے گروہ تیلیاں پھیلائے بیٹھے گئے۔ اور پہلی بار ایک دوسرے کو ہاتا کر ہم کوئی ہیں اور کمال سے آئے ہیں۔ دو نوں سلطانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ٹھیک ہے رای تصوریں بناتا ہے اور میں لکھتا ہوں لیکن ہم کرتے کیا ہیں۔ سلطان ولی چورت کے اوپر ایک چھوٹی سی آبادی تاکے کا باشندہ تھا۔ وہاں پہاڑی پر اس کا گھر تھا، تھوڑی سی زمین تھی اور مال میونٹ تھے۔ گرسوں میں جب اُدھر نیم آتی تھی تو وہ ان کے ساتھ پورٹ کے طور پر نسلک ہو جاتا تھا۔ سلطان محمود ہاہر جا چکا تھا۔ باہر سے مراد ہے استور اور گلگت سے باہر اسلام آباد اور پنجاب۔۔۔ وہ بھی کھینچی باڑی کا کام کرتا تھا اور گرسوں میں سیاحوں کا بوجھ اختیارتھا۔  
جب تم لوگ کسی نیم کے ساتھ چلے جاتے ہو تو تمہارے مال ڈگر اور سکھیوں

اتھی دور سے اسے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ اور اسی لئے وہ بے لاس تھی، مرف ہمارے سامنے تھی، ہماری تھی۔

پچھوں کی ایک چھوٹی سی دیوار کی اوٹ میں سلطان کھانا پکانے کے لیے ٹاگ جلا رہا تھا اور اس کا دھوان اور انہوں نے سلطان سے پوچھا۔ اور زرد خیس تھا اور شب تھی جو قریب تھی۔

ہوا کے زور سے خیسے کا پردہ پھرپڑا رہا تھا۔ رایہ ایک چھوٹے سے پتھر کے ساتھ ڈھلی مخنوں کو نکال کر دوبارہ مضبوطی سے نہیں میں گاڑ رہا تھا۔ سلطان محمود نے گدھوں کی پاشت سے پلاہنے آتارے اور انہیں ایک بڑے پتھر پر رکھ دیا۔ "یہ صوفہ بن گیا ہے۔" اس نے ایک گرد سے کو ہاندھ دیا اور دوسرے کو کھلا چھوڑ دیا "یہ والا گدھا بدمعاش ہے بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ شریف ہے کہیں جائے گا"

ہم جہاں تھے وہاں صرف کنارے تھے۔ دائیں ہاتھ پر جہاں سے آئے تھے، پھر میڑ جگد پر پتھر بکھرے ہوئے تھے اور وہاں سے روپل نیچے تھا اور ہم میں کسی لے بھی بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر نیچے جھاگنے کی کوشش نہ کی۔ خیسے کے سامنے ایک دو تین میڑ اونچا ٹیلا تھا جس پر ایک جھازی تھی اور وہاں بھٹکل ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی اور اگر وہ آدمی وہاں بیٹھ کر گردن آگے کر کے دیکھنے کی کوشش کرے تو وہ گردن سیست نیچے جاتا تھا۔ کیونکہ نیچے میں نیچے روپل گیشیز اور دریا کی وحشت تھی۔ ایک مسلسل شور تھا۔ میں بیس سانس روکے بیٹھا تھا اور کافی کاگ میرے ہاتھ میں تھا اور اسے ہونٹوں تک لاتے ہوئے بھی احتیاط بر جا کہ کہیں اتنی حرکت بھی نیچے نہ لے جائے۔

"ابو میں بھی آ جاؤں۔" سیر کی آواز آئی۔

"نہیں۔" میں نے پیچے دیکھے بغیر ہواب دیا۔

"پھر آپ بھی واپس آ جائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

میں اپنا وزن پیچے کی طرف رکھتا ہوا نیچے آ گیا۔ ہماری خیسہ گاہ تریکھ سے نالگا پرست جانے والے کوہ یاؤں اور کوہ نور دوں کے لئے شب برسی کا کام دیتی تھی اور سبھی پورٹر اسے فرشت شاپ کئے تھے۔۔۔ پچھوں کی دو چھوٹی چھوٹی چار دیواریاں اس امر کی غمازی کرتی تھیں کہ ان کے لندر ایک ایک خیرہ نصب ہو سکتا تھا اور

اور پھر گھوڑے پر بٹا کر استور تک لے گیا۔ تب استور تک جیپ نہیں جاتی تھی۔

"صاحب اور ان دونوں دشمنوں میں جو جلپانی ٹیم کا یکپ ہے تو اس میں ایک لیڈی بنت ہمار ہے۔ پھر اسے کراہے ناگٹ ٹوٹ گیا ہے۔"

"جیسیں کیسے پڑے ہے؟" سیرنے پر چھا۔

"راستے میں جو لوگ ملتے ہیں وہ جاتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں ناگا پریت کے دامن میں اگر کچھ ہو جائے تو سب کو پہنچ چل جاتا ہے۔ اس وقت سب کو پہنچے ہے ترٹھک میں روپیں میں اور اورہمازشو پاس تک کہ سلطان ولی اور محمود ایک تین گھر ٹیم کے ساتھ میں یکپ جا رہا ہے۔"

"اوہ ریاستی ٹیم بھی آتا ہے؟"

"ناہ۔ کم آتا ہے۔ یہ جو تمہارا بیٹا سیر ہے تو اس سے چھوٹا پاکستانی اور کبھی نہیں آیا۔ یہ بنت ہوت والا ہے۔"

سیرنے ذرا گردن اکڑا کرب کی جانب دیکھا۔ الاوتاری کی سے بلند ہو کر اس سفیدی کے آگے ایک بستے ہوئے سرخ پروے کی مانند لبراتا تھا جو ناگا پریت کا وہ وہ تھا۔ ہم سب اس کے آتشی بیلوں کو سکتے جاتے تھے جس کی زبانیں تاریکی کو چھانتی تھیں۔ ہمارے پیچے سرودی کے سرو ہاتھ تھے اور ہم سکرتے ہتھیں پھیلاتے ہلکے قریب ہوتے جاتے تھے۔

"اوہ جانور بھی آتا ہے؟"

"ہاں ہاں۔۔۔ مارخور ہوتا ہے اور اوہرناپ میدان میں ہن تو میں نے دیکھا ہے۔ اور شیر بھی ہوتا ہے۔"

شیر کا ہام سن کر راتی ذرا چوکنا ہوا۔ "یہ شیر کیما ہوتا ہے؟"

"بھیڑیے کی طرح ہوتا ہے۔" سلطان محمود نے کہا۔

"شیر، بھیڑیے کی طرح کیسے ہو گا۔۔۔ مالی فریڈ تم نے کچھ اور دیکھا ہو گا۔"

"بھیڑیے کی طرح محل نہیں صاحب۔ اس کا بال اور رنگ بھیڑیے کے موافق ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے۔" — سلطان یقیناً سنو پھر کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

راتی نے میری جانب دیکھا اور پھر خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا

کی گھمداشت کون کرتا ہے۔۔۔؟"

"کرتا ہے ہاں۔۔۔" سلطان ولی نہیں کیسی سمجھتا ہوا کہنے لگا اور یہ اس کی عادت تھی کہ جب کبھی وہ بات کرتا نہیں پر کسی پتھر یا ششی سے کیسی سمجھنے لگتا اور اپنی گفتگو کے دوران "ہاں ہاں۔۔۔" بت استعمال کرتا۔

"کون کرتا ہے ہاں؟"

"ہمارا بھائی کرتا ہے۔۔۔ وہ ٹیم کے ساتھ جاتا ہے تو ہم کرتا ہے۔"

بھائی سے اس کی مراد کزن حضرات کے علاوہ آبادی کے تمام مرد تھے۔ سلطان ولی کے باریش چرسے پر ایک دل پر اڑ کرنے والی بے حد سادہ مخصوصیت تھی۔۔۔ وہ بہت دن ہمارے ساتھ رہا اور اس دوران کسی ایک لمحے میں میں نے اس کے چرسے کو سادگی اور مخصوصیت سے الگ نہ دیکھا۔ اور اس میں لائچ نام کو نہ تھا اور اس کی سکراہیٹ بچوں کی طرح پر کشش تھی۔ عام طور پر پورٹ آپ کا کھانا نہیں پکاتا تھا لیکن سلطان نے یہ فمد داری اپنی مرضی سے قبول کر لی اور اب بید سکھر بیوں کی طرح پسلہ ہمیں کھانا کھاتا تھا اور پھر بچا کچھا خود کھا کر برتن وغیرہ صاف کر کے کسی چھر پیٹھ کر ہماری طرف دیکھتا رہتا تھا۔

"یہ جو تمہارا بیٹا ہے، سیر۔۔۔ یہ بنت اچھا ہے۔" سلطان خوشی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"یہ اس نے آٹھ جماعت پاس کر لیا ہے؟"

"ہاں۔۔۔"

"تو پھر اس کا شادی بنا دو بڑا ہو گیا ہے۔۔۔" اس نے مانتے پر تیوری ڈال کر بڑے ہدیرانہ انداز میں مجھے مشورہ دیا اور پھر کچھ سوچ کر دریں تک سرپلاٹا رہا۔۔۔

"اوہ لوگ آتے ہیں۔۔۔ جگل اور پھاڑ ہے۔۔۔ آبادی نہیں۔۔۔ تو اگر کوئی بیمار ہو جائے ٹیم کا گبر تو اس کا علاج کیسے ہوتا ہے؟"

"ٹیم کے ساتھ، ڈاکٹر بھی آتا ہے۔۔۔ لیکن جو چھوٹا ٹیم ہوتا ہے تمہارے جیسا اس کا تو اللہ نہ کہاں ہوتا ہے۔۔۔ محمود۔۔۔" وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا "یاد ہے میں اس انگریز کو کیسے لے گی تھا؟"

"ہاں۔۔۔" محمود نے سرپلاٹا "صاحب یہ ایک انگریز کے ساتھ اوہر آیا، ہاپ میدان میں اور انگریز بیمار ہو گیا۔۔۔ بے ہوش ہو گیا ہاکل۔۔۔ پھر یہ ترٹھک واٹس گیا رات کو کیوں نہ ہم لوگ رات کو بھی آسانی سے سفر کرتے ہیں اور ہاں سے گھوڑا لایا

تمارے سامنے اپنے پارے کو نذر آتش نہیں کریں گے۔ تم پڑھ جاؤ یہ  
ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ شاکر مال نے اپنے بیٹے کے مجھ پر اگئے ہوئے بالوں کو  
سنوارا ہو۔۔۔ شاید پاپ نے اس کے سرد ماتھے پر بوس دیا ہو اور شاید بین اس سے  
پٹ کر آخری مرجب چینی ہو۔۔۔ شاکر!  
ساری رات خیبے کا ایک حصہ تیز ہوا سے پھر بھرا تا رہا۔۔۔ یہ ہوا تھی یا کچھ اور  
تھا ہم اندازہ نہ لگا سکے۔ بہت دیر کچھ نہ ہوتا۔ سوائے دریا کے شور اور ہوا کی  
سرسری اہٹ کے اور پھر یکدم کچھ پھر بھرا نے گلتا۔ اور ہم خوفزدہ ہو جاتے۔۔۔  
رات ہماری توقعات کے بر عکس زیادہ سرد تھی۔۔۔ یہ شوکر کی کہنگ ساتھ  
کامکال تھا کہ یہاں ہوا سے بچاؤ ہو جاتا تھا۔۔۔  
رات کے وقت شدید سردی کی وجہ سے گیشیر بھی آرام سے پڑا رہتا ہے اور  
اس کے تو دے الگ ہو کر دریا میں فیض کرتے۔۔۔  
محمور رات بس کرنے کے لئے ٹاپ میدان میں چلا گیا تھا جہاں اس کے خاندان  
کی بیک تھی۔۔۔ وہ اپنے مال و غریبیت دہاں مقیم تھے۔۔۔ اور سلطان ٹاں کے پاس  
بیٹھا تھا۔۔۔ اس نے الاؤ اس طریقے سے روشن کیا تھا کہ اس کے شعلے پتوں کو گرم  
کرتے رہیں اور یوں وہ ان پتوں کے ساتھ ٹک کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ادھر بھیڑا تو ضرور ہوتا ہے۔۔۔"  
"راہی چاہا۔۔۔" بیس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "میرے پاس سانچی  
اکوکی لکھی ہوئی ایک پاکستان گائیڈ ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ روپل ناگا پرست کے  
جنوبی رخ پر واقع ہے اور یہاں بے شمار بھیڑیے گھوٹتے ہیں جو بکریوں اور بھیڑوں کو  
انھاں لے جاتے ہیں۔۔۔ اسی لئے یہاں کا ماحول انتہائی ڈراؤنا ہے اور لگتا ہے کہ ہم کسی  
اور دنیا میں آگئے ہیں۔۔۔"

"ہمیں تو ڈر لگ رہا ہے بیبا۔۔۔" راہی جان بوجہ کر کپکپائے لگا "باپ رے باپ  
۔۔۔ تو ادھر تو ہم پاکل اکیلا رات کیسے گزارے گا۔۔۔"

"آجی لئے تو ٹاں جلایا ہے صاحب۔۔۔ بھیڑا پاس نہیں آئے گا۔۔۔" سلطان  
سوکھی لکڑیاں اپنے گھنٹے پر رکھ کر توڑتا اور انہیں الاؤ میں جھوک رہتا۔۔۔ "ادھر ایک  
سال بہت بڑا ٹاں جلا تھا صاحب۔۔۔ وہ ٹاں بہت دور سے دکھائی دیتا تھا۔ روپل سے،  
ٹاپ میدان سے۔۔۔"

"کس نے جلایا تھا؟"  
"جلپانی لوگ تھا صاحب انہوں نے جلایا تھا۔۔۔ ادھر ایک ٹیم آیا تھا تو اس کا  
ایک نوجوان ڈاکٹر ناگا پرست کے کمپ نو سے گر گیا۔۔۔ کمپ نو سک تو میں بھی گیا ہوں  
۔۔۔ تو پھر وہ مر گیا۔۔۔ ادھر برف سے جم گیا۔۔۔ ٹیم نے جلپان تار بھیجا کہ ڈاکٹر مر گیا ہے  
 تو ہم اس کا لاش بیٹھیے یا ادھر کچھ کر دے کیا کرے۔۔۔ ادھر سے اس کا ماں باپ اور  
بیٹھا تھا کہ ہم آتا ہے۔۔۔ وہ آئے اور استور سے تھل کا نین خرید۔۔۔ پھر ادھر  
آیا۔۔۔ ٹیم کے لوگ نے اس کا لاش برف میں رکھا تھا۔ اسے نکال کر بیٹھے ٹاپ میدان  
میں لائے۔۔۔ لکڑیاں جمع کر کے اس میں اسے رکھا پھر تھل ڈال کر ٹاں کا گاہی۔۔۔"

"وہ تو بہت روتے ہوں گے سلطان؟ اس کے ماں باپ؟" میر کچھ دیر کے بعد

بولا۔

"ہاں نا۔۔۔ روتے ہوں گے پر ہمیں کیا پڑھ صاحب۔۔۔ جب انہوں نے تھل  
ڈالا تو ٹاں لگائے سے پسلے ہم کو کما کر تم اب جاؤ۔ ہم تمارے سامنے اپنے بیٹے کو  
ٹاں نہیں لگائے گا۔۔۔ مرف اس کام کے لئے آئے تھے۔۔۔"

ہم پانچ تھے جو اس رات ناگا پرست کے روپرو الاؤ کے گرد بیٹھتے تھے اور الگ  
کو دیکھتے تھے اور ہم تینوں سوچتے تھے کہ ان جلپانیوں نے پورٹر کو کیوں کہا تھا کہ ہم

بیلڈ پوچنے سے رزویک اور مرکل ہی۔ اور ناگا پرہت کا جنوبی شانہ... چھٹی سے زرا  
جنوبی شانے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔  
یہ ایک شاندار مظہروں والی روشن ترین مجھ تھی۔ اور اسے صرف وہ دیکھتے  
ہیں جو روشن فیض ہوتے ہیں۔

سیمیر خیلے سے باہر آیا اور نیلے پر بینٹھ کر دانتوں کو برش کرنے لگا۔ میں نے  
تصویر اتاری۔ پچھائی ٹوپی اور جیکٹ میں ٹھنڈک سے محفوظ، ایک باتھ میں ٹوٹھ  
پیٹ کی ٹھوپ اور دوسرا میں برش اور پس مظہروں میں لا آسمان اور ناگا پرہت جیسے  
اس کے کندھے کے اوپر سے جھاگکتی ہوئی۔

سوکھا دودھ ہمارے بہت کام آ رہا تھا اور سلطان نے ناشتے کے لئے گرم الجھے  
ہوئے دودھ میں کارن فلیکس اور چینی ڈال کر ہر کسی کو سروس دہاں دی جماں کہ وہ  
قلاں رای ہم سے کچھ دور ایک بہت بڑے پتھر پر بیٹھا تھا اور کچھ سمجھ کر رہا تھا۔  
سیمیر برش کر رہا تھا اور میں اپنا پیالہ حام کر دو چار اختیاط پسند قدم اٹھا کر چھوٹے نیلے  
پر جا بیٹھا جماں سے "مظہر" دکھائی دتا تھا۔ "مظہر" یہی شے میری گزوری رہا ہے۔  
ہوش کی کھڑکی سے کیا نظر آتا ہے۔ ٹرین کی کھڑکی۔ جہاز کی وہدو سیٹ۔ میں اب  
بھی مظہر دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ پھر یہ کہ میرے خیلے کا دروازہ مظہر پر مکھنا چاہتے۔  
اور اگر میرے پاس کافی کافی ایک پیالہ ہے۔ کھانے کو کچھ ہے تو میں تردد کر کے کسی  
اسی جگہ جا بیٹھوں گا جماں "مظہر" ہو۔ چاہے اس جگہ بینٹھ کر خوف سے گھنٹی بندہ  
جائے اور کافی کا پیالہ باتھ سے چھوٹ کر کھائی میں جا گرے۔ لیکن "مظہر" — تو  
یہ وہی بھجپلی شب والا ٹیلا تھا جماں سانس روک کر بیٹھا پڑتا تھا۔ لیکن آج مظہر چیکیا  
اور ساف تھا۔ اور میں ذرا لیبر ہو کر گردن آگے نکال کر نیچے جھاگکنے کی کوشش کر  
رہا تھا۔ ظاہر ہے یہاں سے معلمات دھڑام سے نیچے جا رہے تھے۔ چند جھاڑیاں  
تھیں اور پھر گلیشیز میں سے جنم لیتا ہوا دریائے روپل تھا۔ نیلے سے پورا روپل  
گلیشیز نظر آ رہا تھا اور یہ تقریباً ایک کلو میٹر کا علاقہ گھیرے ہوئے تھا۔ اس پر پتھر اور  
مگنیزیوں کے ڈھیروں کے علاوہ بے شمار دراڑیں تھیں اور دو چھوٹی چھوٹی جھیلیں بھی  
تھیں۔ اس گلیشیز سے پرے ظاہر ہے ناگا پرہت تھی اور چھٹی کے عین نیچے درنگ  
کا بیس کیپ تھا جماں ہم تھیں جا سکے تھے۔

"صاحب...." سلطان کی آواز آئی اور میں نے پیچھے دیکھے بغیر پوچھا کہ کیا ہے؟  
"کافی صاحب۔"

## "ٹاپ میدان اور شل مکھ دیا میر"

جیسے شوکور میں رات ہوئی تو کقدم ہوئی ایسے دہاں مجھ ہوئی تو کقدم ہوئی۔  
ہمارا زرد خیہہ روشنی سے بھرا ہوا تھا اور اس کی زردی سے ہمارے چہرے زرد ہوتے  
تھے۔ سیمیر سویا ہوا تھا اور رای ہا بہر جا پکا تھا۔

باہر سلطان گدھوں کے ساتھ محو گنتگو تھا۔ ہو ہو۔۔۔ میں نے پوچھا کیا  
بات کرتے ہو تو کتنے لگا گدھوں کے ساتھ بات نہ کرو تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ میں  
پوچھ رہا تھا کہ رات کیسی گذری۔

"ویسے تمہاری رات کیسے گزری؟" میں نے پوچھا۔  
"نیند نہیں آئی صاحب۔۔۔ سروی بہت تھا میں نے مجھ مجھ آگ جالا لیا تھا بالکل  
محجور ہو کر تو چاچا آنکھ مٹا باہر آگیا تھا کہ کیا ہوا ہے۔۔۔" سلطان، رای کو جانے کیوں  
چاچا کھانا تھا اور جب بھی رای کسی سخت مقام پر کھڑا ہو کر پیش پوچھتا یا استانے کے  
لئے بینٹھ جاتا تو سلطان کھاتا چاچا ڈاؤن ہو گیا ہے۔

اور چاچا رای ناگا پرہت کی جانب چڑھ کے چپ کھڑا تھا اور میں غل نہ ہوا  
کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بھی محو گنتگو ہے۔

شوکور کی اس مجھ میں ساڑھے پانچ بیجے ہر شے روشن تھی بلکہ تیز روشنی میں  
تھی۔۔۔ آسمان پر سوائے گمری نیلاہٹ کے کوئی ایک دب بھی نہ تھا، کوئی پرندہ کوئی  
بادل کوئی کچھ نہ تھا اور اس نیلے اور خالی سمندر میں ناگا پرہت کی سب سے اونچی چوٹی  
ایک سفید بادبانی کشتی کی طرح دکھائی دیتی تھی۔۔۔ میں نے اپنے پورے سفر میں ناگا  
پرہت کی بھترن تصویریں شوکور میں اس روشن مجھ میں اتاریں۔۔۔ مجھے اس برف کے  
قلعے کا ایک ایک حصہ ساف دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ دہا دی لینڈ آس فیلڈ ہے۔۔۔  
کیپ نو سے پسلے۔۔۔ دلزین باغ آس فیلڈ ہے کیپ فور کے پاس۔۔۔ پھر مرکل آس

"تاریخ صاحب میرے پاس الرجی کی دوا ہے بہت اچھی، آپ کو چاہئے؟"

"نہیں۔۔۔ اور میرے پاس بہت ساری دوائیں ہیں آپ کو چاہئے؟"

"جب چاچا ڈاؤن ہو گا پھر چاہئے ابھی نہیں۔۔۔" رایی پہنچنے لگا۔۔۔

سلطان محمود دونوں گدھے اور سیر آگے آگئے۔۔۔ پھر سلطان اور انہوں کی پوٹی۔۔۔ اس کے پیچے رایی اور سب سے پیچے نیچے سلطان۔۔۔ اس لئے کہ میں ہم وقت قیض شوار کے ساتھ کپڑے کا ایک بڑا پیٹ پہنے رکھتا تھا۔۔۔ روپل کے راستے میں جب میں ایک پہاڑی سے نیچے اتر رہا تھا تو رایی نے دور سے مجھے دیکھا اور پھر کہنے لگا "آپ جب ادھر سے نیچے آ رہے تھے تو آپ کا لباس ہوا میں اڑتا تھا اور ہیٹ کا زاویہ ایسے تھا میں نیچے سلطان کی پیڑی کا ہوا تھا۔۔۔ تو گلہ تھا کہ پادشاہ سلامت تحریف لارہے ہیں۔۔۔" رایی نے یہ بات ہوت سمجھنے کر اتنی سمجھی سے کی تھی کہ میں یہ نہ جان سکا کہ یہ بگالی باہو مذاق کر رہا ہے یا واقعی سمجھیدے ہے۔۔۔ لیکن جب میں نے رایی کو اچھی طرح جانا تو یہ جانا کہ وہ بڑی مخصوصیت سے آپ کے پاؤں تے سے نہیں سمجھنے کر آپ کو چاروں شانے چٹ کر دتا ہے اور پھر بڑے بھولپن سے چاروں طرف دیکھتا ہے کہ اسے کس نے گردایا ہے۔۔۔

ہماری کمپنگ سائٹ کے قرب ہی وہ گلیشیر تھا جس کا ذکر سیرے کیا تھا۔۔۔ یہ ایک عام اور بیوودہ سا گلیشیر تھا جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا سوائے اس کے کہ یہ ایک گلیشیر تھا اور جس پر رایی نے حسب روایت ایک جاپانی سورائے یا خوناک قاتل کی طرح کر پہنچ رکھ کر خلاوں میں مکھورتے ہوئے تصور اتروائی۔۔۔

گلیشیر کے بعد پھولوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس میں ذرا اعتیاط سے چنان پڑتا تھا۔۔۔ دوائیں طرف روپل گلیشیر کے سیاہ ہاتھی سر جوڑے زور لگا رہے تھے اور دھوپ کی وجہ سے برف پھل رہی تھی اور بڑے بڑے گلے گنج کے ساتھ نیچے گرتے جا رہے تھے۔۔۔ آسمان میں نیلا ہٹ کی بجائے غیر واضح وحدہ نما بادل پھیل رہے تھے۔۔۔ نانگا پرست کے مختلف حصوں پر الگ الگ بادل دھوین کی طرح اٹھنے لگے تھے۔۔۔ پھولوں کے سلسلے کے بعد ایک راستہ سامنے آیا جو جھاڑیوں اور درختوں میں سے گذر کر پہاڑ کے ساتھ اونچا ہو رہا تھا اور منظر ہو رہا تھا۔۔۔ ان مختصر کر اس پر ٹھٹے کا سوچ کر ہمارے ماتھے پیٹے سے بیکھر۔۔۔ جہاں سے راستہ اونچا ہوتا تھا وہاں محمود اور گدھے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔۔۔ "صاحب میں آگے جاتا ہوں" ٹاپ میدان میں

میں نے ہاتھ پیچھے کیا اور گک کی گرفتاری کو بھی میں محسوس کرتے ہوئے اس پر انگیاں لپیٹ دیں۔۔۔ محمود آپ کا تھا اور وہ خیسے کی تینیں زینں میں سے نکال رہا تھا۔۔۔ اور ہاں رات کی خوناک پھر پھر اہت کے بارے میں کھلا کر دراصل ایک سیخ ڈھنی ہو کر نکل گئی تھی اور خیسے کا اتنا حصہ حکل کر ہوا میں پھر پھر اسے لگا تھا۔۔۔ کافی ختم کر کے میں اپنی آماجگاہ سے نیچے آگیا۔۔۔ رایی میرے پاس آیا "تحیک یو تاریخ صاحب" اس نے فوجی انداز میں مجھے سلوٹ کیا۔

"کس بات کا چاچا؟"

"یہ۔۔۔ نانگا پرست دیکھا تھا۔۔۔"

"چاچا ڈاؤن ہو گیا ہے" میں نے سلطان کی طرف دیکھ کر کہا اور سلطان بے حد راضی ہوا اور ہٹنے لگا۔۔۔

محمود گدھے پر سلطان لاو رہا تھا "صاحب آج تو سرکم ہے۔۔۔ وہ تن گھنٹے میں پہنچ جائے گا۔۔۔ آپ ادھر ہماری بہک میں محسوس کھانا بھی مل جائے گا۔۔۔" یہ عجیب بات تھی کہ ہنگاب کے وہ سمات میں مال موٹی کے ساتھ کھیتوں میں ہو بیٹھ کر ہوتی ہے اسے بہک کتے ہیں اور یہاں نانگا پرست کے دامن میں بھی یہی لفظ استعمال ہوتا تھا۔۔۔

"رایی چاچا رات نیند تو ٹھیک سے آئی؟"

"ہاں۔۔۔ خیسے میں سونے کا پہلا ہائم تھا میرا۔۔۔ لیکن میں سوتا رہا۔۔۔ صرف یہ ہوا کہ رات کسی وقت میرا پاؤں کسی روی میں الجھ گیا۔۔۔ میں نے آرام سے چھڑانے کی کوشش کی تو وہ ذرا زیادہ پھنس گیا تو میں نے سوچا شامک کسی شے نے پکڑا ہے تو ذرا پر ابلم ہو گیا۔۔۔"

سلطان پھر راضی ہو کر ہٹنے لگا "رات چاچا ڈاؤن ہو گیا۔۔۔"

ہم روائے ہونے لگے تو میں نے سلطان سے انہوں کی پوٹی کے بارے میں پوچھا۔۔۔ وہ کچھ شرمende سا ہوا اور پھر نوپی اتار کر بالوں میں ٹھیکی کر کے کہنے لگا "صاحب ایک نوٹ گی"

"اور باتی رہ گئے چار۔۔۔" سیرے کہا۔۔۔

"انشاء اللہ اب بالکل نہیں ٹوٹے گا" سلطان نے اپنے بینے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا اور اب یہ اس کی عزت کا سوال تھا۔۔۔ اس نے پوٹی کو ایک شایی عصا کی طرح اٹھایا اور اسے نظروں کے سامنے رکھ کر چلنے لگا۔۔۔

ٹاپ میدان وسط ایشیا کی ایک وسیع چراغاہ کی طرح تھا۔ اس کے وسیع بزرگ زار میں ایک دریا بہتا تھا اور نہیں کے ساتھ لگ کر بہتا تھا اور اس میں چھوٹے نالے اور بڑیاں شاہل ہوتے تھے۔ نہیں پانی کی بہتات کی وجہ سے اسخنگ کی طرح نرم تھی اور اس میں لمبی لمبی گھاس اگ رہی تھی۔ دریا کے پار پورے ٹاپ میدان پر سایہ گلن ٹانگا پرست کا سقید شر تھا۔ اس کی چنانیں اس کی برنسی اور اس کی بلندیاں تھیں اور ان پر دھند تھی۔ گھاس کے وسیع قطعات میں موئی چڑھتے تھے۔ اس ڈھلوان پر جس پر ہم چل رہے تھے بلندی کی جانب چرواحوں کے جھونپڑے اور موئی خانے تھے اور ان کے پچھے شور چھاتے بھاگتے چلے جاتے تھے۔ اور ہمیں حرمت سے دیکھتے تھے۔ ہم واقعی کسی اور نہائے کے سافر تھے کیونکہ یہ عظیم مفترقدامت میں رچا ہوا تھا۔ ایک ایسی چراغاہ جو دنیا کے بلند ترین پہاڑوں میں سے ایک کے دامن میں پوشیدہ ہے۔ جہاں ایک ایسی وسعت ہے جس کے اندر داخل ہو کر انسان مجھکے لگتا ہے، قدرے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ مارکو پولو یا این بطور ایسے یہ مناظر میں داخل ہوتے ہوں گے۔ اور ٹاپ میدان کا یہ مفترہزاروں برسوں سے ایسے ہی تھا۔ یہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو وقت اور عمد کی غمازوی کرنی۔ چرواحوں کے اپنے ہاتھوں سے تحریر کردہ لکڑی کے مکان۔ گورتوں اور بچوں کے لیاس۔ ان کے چروں کی حرمت۔ دریا اور نالے اور ٹانگا پرست کی چوٹیاں جن پر دھند اتر رہی تھی۔ صرف ہم تھے جو اس عظیم چراغاہ میں وقت اور عمدے کر داخل ہو رہے تھے۔ ہمارے رگ سیک، بس اور شری چہرے۔

"رگ جاؤ بیار رک جاؤ۔" رایی سر اخاء کبھی ٹانگا پرست کی برقوں کو دیکھتھا اور کبھی اس وسیع میدان کو جس کے کنارے پر ہم چل رہے تھے۔ ڈھلوان کے اور چرواحوں کے جو پانچ سات جھونپڑے تھے ان کے باہر محمود کھڑا ہیں ہاتھ ہارہا تھا۔ ہم گلیشیر کے پانیوں کو پھلانگتے اس کی جانب چلنے لگے۔ اور وہ پیچے آنے لگا۔ اس کے پیچے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ایک غول تھا جو "میٹھی میٹھی" کا شور چاتا تھا۔ ادھر ہو کوہ بیکا نہیں آتی ہیں وہ عام طور پر مقابی بچوں میں خیز سکال کے طور پر سویں تقسیم کرتے ہیں اور یہ پیچے ہمیں بھی غیر ملکی بچوں رہے تھے۔ اور یہ حقیقت تھی کہ ہم باہر سے آئے تھے۔ ہم واقعی کسی اور ملک کے تھے۔

گدھوں کے ساتھ۔ آپ آرام کے ساتھ تو۔ میں وہاں پہنچ رکھ کے لے چلے گیرے سرہانے پر وہ گدھوں کو ہائلکا اس نجک گذشتی پر چھٹے لگا اور مجھے ان گدھوں کو ذرا اٹولتے ہوئے چلتے دیکھ کر خدا ہوا کہ یہ گریں گے۔ اور مجھے گدھوں سے زیادہ اپنے سامان کی ٹکر تھی۔ ہماری رہائش اور خواراں اور بس اسی سامان میں تھے۔ اور اگر گدھا سامان سیست یعنی روپل گلیشیر پر گرتا ہے تو پھر وہاں سے سامان واپس لانا ممکن نہ تھا۔ جب محمود اور گدھے بحفاظت وہاں سے گذر گئے اور ہماری نظروں سے او جمل ہو گئے تو ہم بھی اس نجک گذشتی پر چھٹے لگے۔ یہ راست نہ صرف نجک تھا بلکہ ہموار ہونے کی بجائے اس میں گلیشیر کی جانب جھکاؤ تھا۔ چنانچہ قدم اٹھاتے ہوئے بدن کا جھکاؤ خواہ ٹھواہ گلیشیر کی جانب جھکاؤ تھا۔ چنانچہ پھر یوں دکھائی دیا جیسے اس کے آگے کچھ نہیں ہے۔ اس مقام پر پہنچنے تو راست یعنی اترنا تھا لیکن چد میز کی ڈھلوان کے بعد اترنا تھا۔ اس ڈھلوان پر سے ہم کھڑے ہو کر نہیں بلکہ سلطان کا ہاتھ پکڑ کر بینہ کر موئی بیٹھوں کی طرح اپنے آپ کو آگے گھینٹے ہوئے اترے۔ اس خطرناک حالت میں بھی ڈھلوان میں سے نکلتے ہوئے گلبی پھولوں کے ٹھکے خوبصورت لگ رہے تھے۔ تھوڑی دیر رکنے کے بعد ہم اس جگہ کے میں اور پکڑنے تھے جہاں سے روپل گلیشیر کا آغاز ہوتا تھا اور ایک تیز نالہ گلیشیر کے اندر جا رہا تھا۔ چنانچہ شوکر کے پیچے جو نالہ گلیشیر میں سے نکلا تھا وہ یہی تھا اور اس کا فتح روپل گلیشیر میں تھا۔ اب آسمان بڑا ہونے لگا اور ہم جس پہاڑ سے چنے چلتے تھے اس کی بلندی پر سے ہوتی گئی اور کم ہوتی گئی۔

ہم نے یہیں سے ٹاپ میدان کی پہلی جھلک دیکھی۔ ہم پہاڑ سے الگ ہو کر ایک پتھری سر زمین پر چلے گے جس میں کہیں کہیں نالے عبور کرنے پڑتے تھے۔ روپل گلیشیر کے اندر جانے والا نالہ ہم سے دور ہو گیا۔ تقریباً آدھے ٹھنڈے ٹھنڈے کے بعد ہم ٹاپ میدان کے قریب پہنچ گئے اور ہم اس کے کنارے پر تھے۔ اور ہم شاید ۱۸۸۹ء میں وہاں نہیں تھے۔ ہم کسی اور نہائے کے سافر تھے جو کاروائی کے ہمراہ یہاں پہنچے تھے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ چگک موجود ہے۔ یہ ہماری منزل نہ تھی۔ بلکہ اسے دیکھتے ہوئے ہمیں یقین تھا کہ ہم دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے کیونکہ ایسی جگہیں صرف ایک بار دکھائی دیتی ہیں اور پھر کہیں اور خلخل ہو

تو ہم اسی تاپ میدان میں یاک کے باؤں کے ایک عالیج پر بیٹھے تھے۔ اپنے سامنے کے اس سطھ پر نظر رکھتے تھے جو ہمارے نصیب میں تھا اور علق کو گراںش دیتی چائے ہمارے بدن میں اترتی تھی۔ پھر ایک گزگراہٹ ہوئی اور چند بھیڑس خوفزدہ ہو کر منہ اخھائے اور ہراہر دیکھنے لگیں۔ اس مقام تک نکلوں کو کھنچنے کے لیے کچھ وقت لگا، نانگا پریت کی چوٹی کے قریب سے برف کا ایک تودہ ایک طوقان کی صورت ینچے آر ہا تھا اور اس کا سفید سفوف و ہند کی صورت اٹھ رہا تھا۔ سیر پلے تو کمال ہے۔ کمال ہے ابو۔ کہتا نانگا پریت کے پورے سلسلے پر طازانہ نظر ڈالتا تھا لیکن پھر اس کی نظریں بھی اس مقام تک جا پہنچیں۔ جو چنانیں لمبے بھر پلے انگلی حصیں وہ برف سے ڈھنی جا رہی تھیں۔ یہ طوقان پل دوپل کے لیے تھا لیکن باریک برف بست دیر تک باؤں کی صورت چوٹی کے قریب محلِ حق رہی۔

صاحب آپ اور رات گزارو ہمارے جھونپڑے میں۔ آپ کو کمرہ دیں گے“  
محود کی آرزو پہنچاہٹ کا شکار تھی۔

”ہم کرے سے بھاگ کر تو ادھر آیا ہے۔“ راوی مکراتا ہوا کہنے لگا ”ہاں اگر بارش ہوا تو پھر ہم بھاگ کر آجائے گا تمارے کرے میں کیونکہ ہمارا ثبوت بت باریک ہے۔ اچھا تو ادھر اصلی ہیں کیپ کونا ہے نانگا پریت کا؟۔“

سلطان ولی حسب عادت زینکن پر ٹکیریں کھنچنے لگا لیکن دہاں نبی بت تھی ”یہ ادھر سب جگہ کیپ لگتا ہے۔ جیلانی زیادہ تر ادھر بُرنگ میں جاتا ہے، اس طرف۔ اگر گلیشیر سخت ہوا تو آپ کو ادھر بھی لے جائے گا۔ پھر یہ سامنے درختوں کے پہنچے چڑاؤں کے بالکل ینچے شی کیری ہے یہاں پر جرم بھی آکر کیپ کرتا ہے۔ ادھر لا تو بو میں بھی ہیں کیپ ہے۔ ادھر جیلانی لوگوں کی قبریں بھی ہیں۔ تو یہ سب جگہ میں کیپ ہے۔“

نانگا پریت کے روپل چرے یا جنوبی چرے کی اصل وجہ شرست چوٹی سے لے کر ینچے میں کیپ تک کا وہ چنانی چھوڑ ہے جو سائز سے چار ہزار بیڑ بلند ہے۔ دنیا میں کسی جگہ کسی بھی پہاڑی سلسلے میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں آپ کھرے ہوں اور آپ کے سامنے ایک چنان سائز سے چار ہزار بیڑ تک کی اونچائی کی ہو۔ یہ ایک ناقابل یقین منظر ہے اور کئی سیاح صرف اس راک فیس یا دنیا کی بلند ترین چڑاں کو دیکھنے آتے ہیں۔۔۔

محود نے سر برز ڈھلوان پر یاک کی اون سے بنا ہوا ایک عالیج بچا رکھا تھا۔ اس پر چائے تھی۔ اور چائے دانی میں سے بھاپ لکھن تھی اور ایک گندے دستِ خوان میں لپٹنے پر اسے ابھی گرم تھے۔  
ہم عالیج پر بیٹھے گئے۔ گھاس کی سروی یاک کی اون میں سے سفر کرتی تھی۔ اور اس چہاگاہ میں چائے کا زائد کچھ اور تھا اور کہیں اور سے آیا تھا اور پرانچے کے ساتھ گرم چائے کا ایک گھوٹ نانگا پریت کی سرد ہواؤں کے سامنے بھی بس کچھ اور تھا اور پہ نہیں کمال سے آیا تھا۔

تاپ میدان کے درمیان میں ہو دریا بتا ہے وہ محلت اور مانع سے آتا ہے اور اس کا نام ”تاپ نی سن“ ہے لیکن باہر کے لوگ اسے دریائے روپل کہتے ہیں۔  
تاپ میدان کے دائیں جانب ترھک گلیشیر کی مانند ایک اونچا کنارہ ہے اور اس کے برابر میں ہو پہاڑی ہے وہ محلہ کلاتی ہے۔ یہاں جو چڑھنے والوں کے لیے کوئلہ بنتے ہیں ان کا نام ”چھلی“ ہے۔  
کسی نانے میں گریجال موس ہاں ایک جانور اس میدان میں پایا جاتا تھا جو عتاب کی مانند تھا۔

اور یہ چوٹی نانگا پریت صرف ہمارے لیے ہے۔ مقامی آبادی اسے ”شل“ کہی دیا میسر“ کہتی ہے، ”شل“ کہی سوچروں والا پہاڑ۔ ان کا کہتا ہے کہ اس کا ایک چھوڑ چلاس سے دکھائی دتا ہے، دوسرا جنگلوٹ سے۔ تیسرا ترھک سے۔ اور۔۔۔ اس طرح اس کے سوچرے ہیں۔ یہ پہاڑ مقامی لوگوں کے لیے ایک بڑے بوڑھے کی طرح ہے۔ ایک مہیا بزرگ ہے جس کے دامن میں وسیع چہاگا ہیں ہیں جہاں کبھی پانی کی کمی نہیں ہوتی۔ اس کے جھٹے لا تھدا ہیں اور اس کی ہوا میں تحریرتی ہے۔ شادی کے موقع پر ماں اپنی دو لمن بیٹی کی تعریف کرتی ہے تو اسے ”میری دو میر میس“ کہتی ہے یعنی میری نانگا پریت کی طرح اپنی اور بھی بیٹی۔

سامنے نانگا پریت کے پہلو میں ایک سر برز پہاڑ ہے جس کا نام ”کھل“ ہے جس کے میں ڈھلوان کھلیاں کے ہیں۔ دہاں کاشت کے لیے لوگ جاتے ہیں اور وہیں کھل کے علاقے میں ”سر“ بولی بہت میں پائی جاتی ہے۔ اسے خوشبو کے لیے جیب میں رکھتے ہیں اور اگر کپڑوں میں رکھی جائے تو انہیں کیڑا نہیں لگتا۔ مقامی لوگوں کی اکثریت اپنی چھوٹی موٹی یہاریوں کے لیے جڑی بوٹیاں استعمال کرتی ہے۔۔۔

ہم بہت دل گرفتہ ہو کر نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں بیٹھے۔ یہ کیسی نشست تھی جو یاک کے ندے پر تھی، مگر لیکن میرے لیے تخت شاہی سے کہیں شاندار تھی۔ ہر روز سیاح کی اور وقت کی اور عمدہ میں داخل نہیں ہوتا۔

”لاؤ بو بیس کیمپ نانگا پیت“

لاتوبو جانے کے لئے ہم نے ایک جھوٹا ہوا شہریوں کا پل عبور کیا جو کہ دریائے روپل پر تھا۔ اور یہاں یہ صرف ایک چھوٹے سے اگرچہ تیز و سندھالے کی صورت میں بہتا تھا۔ یہی تالہ آگے جا کر ٹاپ میدان میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں چلی یا ہٹلت کے درختوں کا ایک جھینڈ تھا جس کے اندر ایک راستہ جا رہا تھا۔ کچھ لوگ لکڑی سے کونکہ ہنانے کی خاطر درخت کاٹ رہے تھے۔ ایک روز میں نے ایک بت پڑا اللاؤ دیکھا جو دیکھ رہا تھا اور چڑواہوں کی کوشش تھی کہ یہ جلد از جلد ٹھینڈا ہو کر کونکے میں تبدیل ہو جائے کیونکہ اس دوران اگر ہوا تیز ہو جائے تو کوئی اتنی تیزی سے جلتی ہے کہ راکھ ہو جاتی ہے۔ میں نے سلطان سے کہا کہ یہاں لوگ درخت کاٹنے رہجے ہیں تو اس طرح یہ ذخیرہ فتح ہو جائے گا۔ کہنے لگا، میں یہاں درخت صرف کاٹنے سنیں بلکہ لگاتے بھی ہیں۔ یوں بھی چلی بت تیزی سے پڑھتا ہے۔

ذخیرے میں سے گذر کر ہم یقینے اترے اور دامیں جاتب نائلک پرست کے یقینے  
ایک بلند پہاڑی کے دامن میں ہم نے "لا تو بُو" کو دیکھا..... "لا" کا مطلب ہے یقینے یا  
شیب اور "تو بُو" کے معنی یہ گمرا چنانوں سے گمرا ہوا..... یقینی گمرا ایک ایسا شیب  
جو چنانوں سے گمرا ہوا ہے۔ اور یہاں واقعی ہاپ میدان کی وسعت اور تیز ہوانہ تھی  
بلکہ ہم ذرا اگل ہو کر پردے میں آ گئے..... اس پھیلاؤ کے بعد ہمیں یہاں عجیب کا  
احساس ہوا..... ہم لا تو بُو کو دیکھ کر کچھ مایوس ہونے..... اور ہر وہ شخص ہو گا جو ٹاپ  
میدان میں سے گذر کر اوہر آئے گا۔

یہاں ایک بڑے پتھر کے قریب ہے ہم نے بیانی کا نام دا اپنا سامان رکھا۔۔۔  
دونوں سلطان خیر نصب کرنے لگے۔۔۔  
خیے کے حوالے سے ہمارا جغرافیہ کچھ یوں بتا تھا کہ ہم جس پہاڑی کی اوٹ

ٹکلا اور کنے لگا "ابو ہم میں کچپ میں بخج گئے ہیں ہاں؟"  
"بائکل۔"

"اور یہ جو آپ کے اوپر برف کا پہاڑ ہے یہ نانگا پرست ہے ہاں؟۔ تو پھر میں تارڑ خاندان کی جانب سے اپنے بخجے کے اوپر پاکستانی پرچم لرتا ہوں۔" اس نے پرچم کو بخجے کے راؤ کے ساتھ پاندھا اور پھر ہم دونوں نے مل کر "پاکستان زندہ باد" کا نلک شکاف نعرو لگایا۔

"اور اب میں آپ کو ایک زبردست بات بتانے لگا ہوں۔" سیرہ بے حد پر سرت تھا "کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نانگا پرست کے میں کچپ تک پہنچنے والا سب سے کم عمر پاکستانی ہوں۔؟" وہ میرے سامنے کھرا مسکرا رہا تھا اور اس کے پیچے دنیا کی بلند ترین اور کوہ پیمانی کے حوالے سے دنیا کی مشکل ترین چوٹی کی لازوال بر فیض حص جن پر دھنڈ اترتی تھی۔

"کیا تم یقین سے کہ کتے ہو۔؟" مجھ میں بے یقین تھی۔

"ہاں۔" اس نے نور نور سے سرہا یا۔ "ہمارے دونوں سلطان یہ کہتے ہیں کہ مجھ سے چھوٹی عمر کا کوئی لڑکا آج تک اور نہیں آیا۔۔۔ صرف ایک آخر سال پچھے آیا تھا جس کی ماں جرم نہیں تھی اور باپ پاکستانی تھیں وہ خود چل کر نہیں آیا تھا بلکہ پورڑا سے اٹھا کر لایا تھا اور میں تو خود چل کر آیا ہوں ابھر۔۔۔ پھر میں نے راستے میں بہت سارے لوگوں سے پوچھا۔۔۔ آپ کو یاد ہے، "ٹاپ میدان میں جو بوڑھے ملے تھے جو رسیاں بٹ رہے تھے اور میں ان سے بہت دیر باشیں کرتا رہا تھا۔۔۔ انہوں نے بھی کی کہا ہے۔۔۔ وہ پچاس برس سے گریوں کے موسم میں اور ہر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم سب سے چھوٹے پاکستانی ہو جو اور ہر آئے ہو۔۔۔"

ہاں سلطان نے شوکور میں اس حجم کی بات کی تھی۔۔۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا۔۔۔ سیرہ نانگا پرست کے روپل سائز کے میں کچپ تک پہنچنے والا سب سے کم عمر پاکستانی۔۔۔ عمر چودہ برس نویں جماعت کا طالب علم۔۔۔ لیکن یہ ہو بھی تو سکتا تھا۔۔۔ میرے سامنے سیرہ کا سرت سے دلکشا چڑھا تھا۔۔۔ بخجے کے راؤ پر پاکستانی پرچم اور پس مظہر میں — نانگا پرست!

میں تھے اس کا جنگل بخجے کے قرب تک آتا تھا۔۔۔ پہاڑی نانگا پرست کا ایک حصہ تھی اور یہاں سے نانگا پرست کا دیدار ذرا مشکل سے ہوتا تھا کیونکہ وہ عین ہمارے سروں پر محل تھی۔۔۔ پہاڑی پر محلنت یا چلی درختوں کا ذخیرہ تھا۔۔۔  
بخجے کے سامنے "منظر" تھا۔۔۔

ذرا بیچھے اتر کر "لا تو بو" کا وسیع میدان تھا جس کے نصف حصے میں گھاس تھی اور بقیہ حصے میں سکن اور خلک میں۔۔۔ ان سے پرے ایک ناطموں وسعت تھی جس کے اختتام پر برف پوش پہاڑوں کا ایک سلسلہ تھا۔ ان میں روپل پیک اور لالی پیکت نہیاں تھیں۔۔۔ یہ نام لالی پیکت کیا ہے؟ اس کے بارے میں میں لاطم ہوں کیونکہ یہ معلومات میں نے سلطان سے حاصل کی تھیں اور جب بھی میں پوچھتا کہ سلطان اس چوٹی کا نام کیا ہے؟ وہ کہتا "لالی پیکت"۔۔۔ میں کہتا یہ تو کوئی نام نہیں۔۔۔ ایک مرتبہ پھر کو تو وہ ایک مرجب پھر بڑے واضح الفاظ میں دوہرائی "لالی پیکت"۔۔۔ اس سارے "منظر" میں جو اصل منظر تھا وہ لا تو بو کے میدان میں کسی دو دھیسا سانپ کی طرح مل کھاتی ایک ندی تھی۔۔۔ اس کی چوڑائی چار پانچ فٹ سے زیاد تھے تھی لیکن اس کے پانی ایسے شفاف تھے کہ انسین دیکھنے کے لیے غور کرنا پڑتا تھا۔۔۔ یہ ندی میدان کے دائیں ہاتھ پر نانگا پرست کے میں بیچھے واقع چند گھروں اور موئیشوں کے ایک بارے پر مشکل لا تو بو گاؤں کی ایک چنان کے بیچھے سے نکلتی تھی۔۔۔ اور یہ ایک قدرتی چشمہ تھا۔۔۔

اور اس ندی کا نام سات ہے۔۔۔ لا تو بو کے بیچھے بڑے پتھر "بیانگی" پر براجنہ ہمیں دیکھ رہے تھے۔۔۔ خیرہ نصب ہو گیا تو ہم نے اپنا سامان اس میں رکھا۔۔۔ اور پر سکون ہو گئے کہ یہ ہمارے سفر کی آخری حد تھی۔۔۔

سلطان کافی بنانے کے لیے ندی سے پانی لینے چلا گیا۔۔۔ سیرہ بھی بے حد خوش تھا۔۔۔ کیونکہ اس نے اتنے دشوار سفر میں میرا ساتھ دے کر اپنی "مرداگی" ثابت کر دی تھی اور دوسرا وجہ اس کے پاس تھی اور میں نے اس سے پیشہ اس پر غور نہیں کیا تھا۔۔۔ گھر سے چلتے ہوئے لاہور میں ہمارے سامان کے ساتھ ایک چھوٹا سا پاکستانی پرچم بھی پیک کیا گیا تھا۔ اس پرچم پر "تارڑ" لکھا تھا اور اس کے بیچھے میونہ۔۔۔ سلوق۔۔۔ قرۃ الصین۔۔۔ سیرہ اور میرے دھنخط تھے۔۔۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم یہ پرچم نانگا پرست کے میں کچپ میں لہرائیں گے چنانچہ سیرہ نے وہ پرچم

کرتے ہوئے ہمارے ساتھ ہو گا۔ تو ہم اپنے خیے کے سامنے بیٹھے تھے اور یار محمد آگیا۔ قیض شلوار، کوت ٹولی، داڑھی اور بندوق سے لیں۔ اسے یقین تھا کہ نانگا پرست کے دامن میں کھل نایا جو چاگا ہے اس کے اوپر ستوپرڈا یا بر قافی چیتی موجود ہے۔ اور تب اس نے اپنے نیس ایک کار نامہ بیان کیا کہ کل میں نے لاٹوبو کا آخری ہرن ہلاک کیا تھا۔

"یار محمد تم نے اسے کیوں مارا؟ اللہ کی تھلوق تھا ادھر ہاپ میدان میں چوکریاں بھرتا خوبصورت لگتا ہو گا۔ تم نے اس کی نسل ختم کر دی"

"نسل پاکل ختم نہیں کی۔" یار محمد نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا "بھی وہ ماہ نہیں نر ہرن تھا" "اس کے پاؤ ہو وہ دوچار دن تو زندہ رہتا اور ادھر اس سامنے والی بندی کے کنارے شام ڈھلنے جب وہ پانی پینے آتا۔ تو۔۔۔"

لیکن یار محمد ہر نوں کے محاطے میں مرد ہاؤں تھا اور اس پر ہمارا کلام نرم و نازک بے اثر ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ شاید بھی نہ تھا کہ اس نے آخری ہرن کو ہلاک کر کے کوئی جرم کیا ہے۔ بلکہ ایک معمولی ہرن کے لئے ہماری بیٹے پناہ گفرنندی اس کی بحث سے باہر تھی۔ اور جب ہماری گفرنندی اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو کئے کا "ضائع تو نہیں کیا ہے۔ اس میں سے ملک ہائے نکالا اور پھر گوشت سب کو کھلایا۔ آپ بھی اگر کل شام آتا تو گوشت کھائیں۔۔۔"

"اور اس ملک کی تعلیم کیا ہے؟"

"گھر میں ہے۔"

"سے کیا کو گے؟"

"تحوڑی سی ملک تو گھر میں رکھے گا خوبیو کے لئے۔۔۔ پھر تحوڑی سی ملک سے ایک کشہ بنائے گا اور بالی چار پانچ سو میں بیج دے گا۔"

یار محمد نے نہ صرف ایک ہرن مارا تھا بلکہ ایک ایسا ہرن مارا تھا جسے انگریزی میں "سک ڈیم" کہتے ہیں اور بت تایاب نسل ہے۔ میں نے پہنچن میں جغرافیہ کی ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ سک ڈیم ہمالیہ کے دامن میں پالا جاتا ہے۔۔۔ اور نانگا پرست ہمالیہ میں تھی۔۔۔ یار محمد نے نانگا پرست کا جغرافیہ لٹلا کر دیا تھا۔

اگر ہم ملک ناٹ دالے ہرن کا قتل بھول جائیں تو یار محمد بست نیس آدمی تھا۔ اور ہاں ایسے ہرن کے منہ سے دو سفید دانت باہر نکلے ہوتے ہیں اور یوں شکاری دور سے جان لیتے ہیں کہ اس کے اندر ملک ناٹ ہے۔

## "شکاری یار محمد اور لاٹوبو کا آخری ہرن اور نانگا پرست کی جھیل"

شکاری یار محمد نے ابھی کل شام لاٹوبو کا آخری ہرن مارا تھا۔۔۔ اور اب وہ درختوں کی شاخوں تلے جھکتا کہیں چھلتا اور کہیں "اعیاط صاحب" کا مشورہ دیتا۔ اس پہاڑی پر چڑھ رہا تھا جس کے پاؤں میں ہمارا خیمہ تھا اور ہم رک کر جب بھی دیکھتے تو وہ پسلے سے مند چھوٹا نظر آتا کہ ہم آہست آہست بلند ہو رہے تھے۔ یہ پہاڑی اتنی چھوٹی نہ تھی جھٹی کر خیسے سے نظر آتی تھی۔

اور ہم پہاڑی پر کیوں چڑھ رہے تھے؟ اس لئے کہ اس کے اوپر جو گھیشیز تھا نانگا پرست کا ایک حصہ تھا اور اس کے اقتام پر ایک جھیل تھی۔۔۔ اور جھیل میں کشش ہوتی ہے۔۔۔ اور میں نے ایک گائیڈ بک میں پڑھا تھا کہ اسے نانگا پرست کی اکلوتی جھیل کہا جاتا ہے۔

ہم شکاری یار محمد سے زیادہ خوش نہ تھے۔۔۔ اگر وہ لاٹوبو کے میدان اور ہاپ میدان میں چوکریاں بھرنے والے آخری ہرن کو ہلاک نہ کرتا تو شاید آج ہم اسے جھیل کنارے پانی پر جھکا ہوا دیکھ لیتے۔۔۔ اگر نہ بھی دیکھتے تو ہمیں اس کی موجودگی کا احساس رہتا۔ ہم یہ کہ سکتے تھے کہ لاٹوبو میں ہرن پائے جاتے ہیں۔۔۔ لیکن یار محمد کی بندوق نے ہم سے یہ احساس پھین لایا۔۔۔

ہم سانس لینے کے لیے رکے۔

یار محمد آج اس وقت ہمارے پاس آیا جب محمود شام کی روشنی لینے کے لیے ہاپ میدان کی طرف چلا گیا تھا اور سلطان ہمارے کئے پر دیو سائل میدان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیا تھا۔۔۔ ویسے سلطان اس بات پر راضی تھا کہ وہ دیو سائل غور

سے بچ گئی تھی، تاہو گئی۔ لا تو یو کو جیسے ہم ہواں جہاز کی کھوکھی سے دیکھ رہے تھے۔ ہمارا خیر ایک زرد و جب۔ ندی ایک سربراہ اور کسی دریا کی ملک گذرگاہ ایسے میدان میں ایک چھٹتی لکیر اور ان سے پرے روپیں بیک اور لالی بیک۔ اور اور بھی اترائی اتنی ہی جان لیوا تھی جنتی جیل کی جانب۔

”یارِ حمر تم تو کتنے تھے کہ جیل کو پاقاعدہ راست جاتا ہے۔ اور تم ہمیں اس خوناک چھٹاں پر سے لے کر آئے ہو۔ دیکھو ہاں ہمارے ساتھ ایک بچہ ہے یہ کیسے اترے گا یہاں سے؟“

اس موقع پر بچہ سکرا یا اور رب اس کا بھلا کرے اس نے یہ نہیں کہا کہ ابو میں تو اتر جاؤں گا آپ اپنی گلر کریں۔

”تو پھر اور ہر بچے جیل کو جاتے ہیں اور اپر سے جا کر نیچے جائیں گے۔“ یارِ حمر نے فیصلہ دیا اور اپنی بندوق کو نیکتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ یہاں بھی ٹریننگ کا وہی اصول لا گو ہوتا تھا کہ بھر بھری اور سکنروں والی سطح پر اتنی دیر پاؤں نہ رکھو جتنی دیر میں وہ بھسل جائے۔ چنانچہ شکاری ان سکنروں پر سکی انگ کرتا ہوا نیچے بچنگیا۔ پھر سیبر، رائی اور آخر میں۔ مادولت! یہاں مشکل سے جان پہنچی۔ کیونکہ قدم رکھتے ہی سکنروں اور پتوں کے ساتھ آپ کا پاؤں نیچے جاتا ہے اور اگر آپ اپنا ہیلیس قائم رکھ سکیں تو سات آٹھ فٹ کے بعد کھڑے ہونے کا موقع مل جاتا ہے ورنہ۔۔۔ ورنہ سامنے کم!۔ جس مقام پر ہم تھے ہاں سے ہم گیشیر کی گذرگاہ تک پہنچے اور پھر پانی اور برف سے پہنچے جیل کے پاس آگئے۔

اور یہاں ہم جیل کے بد رنگ پانیوں اور اس کی مشکل کو بھول گئے کیونکہ یہاں صرف آپ کے لیے ایک محمل تھا ایک خطر تھی۔ اس تھاں میں دنیا سے کٹ جانے کا خوف بھی تھا اور اس میں گم ہو جانے کی خواہش بھی۔۔۔ جیل چوکہ علک ٹیلوں کے اندر تھی اس لیے یہاں صرف نانگا پرست کوئی سر اٹھا کر دیکھا جاسکتا تھا۔

اوپر سے کبھی کبھار کوئی بڑا پتھر لرھتا ہوا آتا اور جیل میں گر جاتا۔ اور یہ پھر گیشیر کی اس گذرگاہ میں سے گرتے تھے جہاں ابھی تھوڑی دیر پسلے ہم چلتے آ رہے تھے۔

دھوپ صرف آخر میں تھی اور پانی پانیوں پر کنارے کا سایہ تھا۔ دھوپ والا حصہ میلا تھا اور جہاں سایہ تھا ہاں نیا ہٹ کا شابہت کا شابہت ہوتا تھا۔۔۔ اور سائے میں سروی بڑھتی جاتی تھی۔۔۔ ہماری بیکس اور اونی نبیاں نانگا پرست سے اترائی ہلکی ہوا

ہمارا خیال تھا کہ اوپر جیل ہے تو جیل کو کوئی پچھوڑا مونا راست جاتا ہو گا لیکن یہاں کچھ بھی نہیں جا رہا تھا صرف ہم جا رہے تھے یا رجھ کے پیچے پیچے اور جیل دیکھنے کے نیچے پر پیشہ ہو رہے تھے کیونکہ یہاں بھی درختوں اور جہاڑیوں کے باہم تو پاؤں اور ہر کی تھے اور پرپنے سے فوری طور پر نیچے نیچے سک پہنچا جا سکتا تھا۔۔۔ بالآخر جہاڑیاں ختم ہوئیں اور ایک علک کنارا دکھائی دیا اور ہم اس پر بمشکل چڑھے۔ اور جب کنارے کے اوپر پہنچے تو ہاں بھی معاملات پیچیدہ تھے کیونکہ یہاں بیٹھنے یا شرافت سے کھڑے رہنے کے لیے جگہ نہ تھی۔ اور ہاں سے دوسری جانب جیل تھی۔ اور جیل تک پہنچنے کے لیے سوائے الٹ بازیاں لگاتے ہوئے لڑھتے جانے کے اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ کیونکہ بھر بھرے پتھر تھے اور راست نہ تھا۔ اور پھر جیل بھی نیالے رنگ کے پانی کی تھی اور اس کے کنارے علک تھے۔۔۔ بڑی سخت ماہی ہوئی کہ نانگا پرست کی اکلوتی جیل اور اس کی یہ ”مشکل صورت“ اس سے تو منیریاں کے نزدیک ایک گاؤں کے چھپڑ زیادہ خوبصورت تھے۔۔۔ لیکن یہاں اس کنارے سے اگر آپ اپنے آپ کو زیادہ دیر تک ہاں ملٹن رکھ سکیں تو نانگا پرست سے آپ براہ راست چاٹپڑ ہوتے ہیں کیونکہ ہاں یا وہ ہے یا آپ ہیں۔۔۔ ایک گیشیر براہ راست نیچے آتا ہے اور پھر آخر میں صرف نانگا پرست کے پانیوں سے یہ جیل وہوں میں آتی ہے۔ یہاں ہم نے چند تصویریں بنائیں اور میں نے رائی کو بڑی مشکل سے اس بات پر راضی کیا کہ وہ اپنے معمول کے پوز لینی اکٹھے ہوئے سورائے جپانی انداز میں کر کر ہاتھ رکھ کر نانگا پرست کو گھوڑتا ہوا تصویر نہ اترواء کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو تصویر صرف نانگا پرست کی آئے گی۔۔۔ اور اس کی جو تصویر ہمارے پاس ہے اس میں ہم مکرا تو رہے ہیں لیکن اندر سے ہماری روح بُش ہو چکی ہے کہ جس مقام پر ہم ملٹن ہیں اگر زر اسنس گمرا لیا یا ہوا کا جھونکا آیا تو کہاں جائیں گے۔

نانگا پرست پر ہلکی دھنڈ اور بادل تھے اور یہ بادل پھیلتے ہوئے ہم علک آ رہے تھے۔۔۔

”اچھا جیل ہے؟“ یارِ حمر نے پوچھا۔

”ہاں اچھا جیل ہے۔۔۔“

”تو پھر واپس چلیں؟“

اب ہوئیں نے پلٹ کر نیچے لا تو یو میدان کو دیکھا ہے تو روح جو قبض ہوئے

۱۸۹۵ء میں برتاؤی کوہ کا اے۔ ایف مری نانگا پرست کو زیر کرنے کے لئے آیا۔ اپنے گورکھا پورٹ و گبیو کے ساتھ چوٹی کے نزدیک پہنچا لیکن اسے سرداہ کر سکا۔ یہی اے۔ ایف مری پر اسرار طریقے سے نانگا پرست کے آس پاس گم ہو گیا۔ کہاں گیا؟ آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔

۱۸۹۳ء میں ولی مرکل کی قیادت میں ایک نیم آئی۔ ناکام ہو کر واپس چل گئی، راستے میں مصری سیر کے لئے قاہرہ میں قیام کیا۔ نیم کا ایک گیرہ ویڈ ہرن اہرام مصر میں سے ایک کی چوٹی پر گیا وہاں سے گرا اور فوت ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بھی نانگا پرست کا ہاتھ تھا جو اہرام تک پہنچ گیا۔ انہی ولی مرکل صاحب کو چینن نہ آیا اور ایک مرتبہ پھر ایک نم کے ساتھ ۱۸۹۳ء میں اور تحریف لے آئے۔ چوٹی کے قریب پہنچ کچے تھے کہ موسم خراب ہو گیا۔ مرکل کے علاوہ دو کوہ بیکا اور چچے نیپالی شہزادوں کو برف کی قبریں نصیب ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ مرکل کا پورٹ کیلئے اپنے آپ کو پچا سکتا تھا لیکن اس نے اپنے صاحب کے ساتھ فوت ہو جانا زیادہ پسند کیا۔

عام طور پر ایورسٹ کو انگریزوں کی چوٹی۔ کے نو کو امریکیوں اور جپانیوں کی چوٹی اور نانگا پرست کو جرمنوں کا پہاڑ کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے آدھا جرمی اس پر وفن ہے۔ ۱۸۹۷ء میں واکٹر کارلو وائیں ایک نم لے کر ہیں پہنچا۔ تقریباً میں ہزار فٹ کی بلندی پر ایک نمائت محفوظ جگہ پر یکپ لگایا۔ رات کو برف کا ایک بٹ بڑا توہہ پہنچے گرا اور پوری نیم کو اپنی آغوش میں لے کر سردموت سے ہمکنار کیا۔۔۔ کل سولہ کوہ بیکا اور پورٹ کام آئے۔

پال پاڑ ۱۸۹۸ء میں اور آئے۔ ان کی نم بالکل خروعائیت سے رہی۔۔۔ صرف یہ ہوا کہ چوٹی کی جانب چھٹتے ہوئے یکدم برف کے نیچے سے چار برس پھر و فن شدہ مرکل اور ان کا پورٹ کیلئے غایب ہو گئے۔ سردی کی وجہ سے ان کی لاشیں بالکل محفوظ تھیں اور گلتا تھا کہ ابھی "گذار تک" وغیرہ کہ دیں گے۔ اپنیں دیکھ کر پورٹ حضرات اتنے خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے صاحب لوگوں کا سلام چھوڑا اور عابر ہو گئے۔

۱۸۹۹ء میں پیڑا اور گناہنے ایک نم کی قیادت کی، ناکام رہے، جانی تھیں تو نہ ہوا لیکن دوسری جگہ عظیم چڑیتے کی وجہ سے برتاؤی ہمالیہ سے بھاگ کر تبت میں دلائی لاما کے ہاں پناہ گزیں ہوئے۔ پیڑا صاحب کا تعلق ہندرے کے جرمی سے

کے سامنے تکانی ثابت ہو رہی تھی۔ یار محمد نے جھیل کے پانی سے وضو کیا اور ایک بڑے پتھر پڑھ کر عمر کی نماز پڑھنے لگا۔ جب وہ بجدے میں گیا تو وہ اکیلانہ تھا، میرے احتمالات اس لمحے میں اس کے ساتھ تھے اور میری پیشانی بھی اس پتھر کو چھوڑی تھی۔ جھیل پر سکوت تھا اور جب بھی میں گلا صاف کرنے کے لئے کھانتا تو آواز پانچوں پر تحریقی دور تک جاتی۔ راتی تھے سے الگ ہو کر اپنے آپ میں گم تھا اور وہ بھی اس تھانی میں تھا جو مکمل تھی۔

اوپر پانچوں کے لڑکنے کی آواز آتی۔ پھر ایک آدھ پتھر قرار پکوتا اور کیسی تھم جاتا۔ یار محمد ایک مرتبہ پھر بجدے میں گیا تو میں نے اس پر سایہ گلن تھری دھنڈ اور پارلوں میں نمودار ہوتی نانگا پرست کی بلندیوں کو سراخا کر دیکھا۔ یار محمد نے اتنی عظیم اور اتنی بلند چوٹی کو سمجھہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کو سمجھہ کیا تھا جس نے اس چوٹی کو تختیں کیا۔۔۔ وہ اس سے ذرہ بھر خائن ف نہ تھا مرجوب نہ تھا۔ تو پھر اس کے لئے نانگا پرست کی کیا حیثیت ہے۔۔۔

کوہ بیکاوس کے محااذ ایورسٹ کی چوٹی پر پہنچنے کے لئے ایک طویل اور پر خطر راست ہے اور وہ دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے۔

کے نو دنیا کی دوسری بلندی ترین چوٹی ہے اور اس کے میں یکپ بلک پہنچنے کے لئے پندرہ دن مسلسل سفر کرنا پڑتا ہے۔ کے نو تھے شاہ گوری کے خوبصورت نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔۔۔

ایورسٹ اور کے نو کے بعد بلندی کے لحاظ سے سچن چنگا کا نام آتا ہے۔۔۔

ماکاؤ اور لوٹھے کا نام آتا ہے۔۔۔ لیکن دنیا کی نویں بلند ترین چوٹی نانگا پرست کوہ بیکاوس کی ذاتی دنیا میں سب سے بلند ہے۔۔۔ کیونکہ ایورسٹ اور کے نو کے مقابله میں نانگا پرست کو سر کرنا زیادہ مشکل ہے۔۔۔ یہ بلند ترین نہیں لیکن دنیا کی خطرناک ترین چوٹی ہے۔۔۔ "وے گلر ماوشن" جس نے انسانوں کو بھی زیادہ نزدیک آئے کی اجازت نہیں دی۔۔۔ سب سے زیادہ کوہ بیکا اور پورٹ اس کی برفوں میں وفن ہیں۔۔۔

کچھ لوگ اسے منہوس چوٹی کہتے ہیں۔۔۔ کچھ کا خیال ہے کہ اس کے نزدیک جانے والے سحر کا شکار ہو جاتے ہیں۔۔۔

باہر کی دنیا کو آئندہ ہزار ایک سو چھوٹیں میز بلند نانگا پرست کے وجود کی خبر انسوں صدی کے نصف میں شلاگن وٹ ناہی دو جرمن بھائیوں نے دی۔۔۔ ان میں سے ایک بھائی کاشغر میں قتل کر دیا گیا۔۔۔ نانگا پرست کے قبر کا آغاز۔

کر دیا، میرا خیال تھا کہ ہم اور سے آسمانی سے اتر جائیں گے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ ایک الناک فیصلہ ثابت ہو گا۔"

دوسری جانب اترتے ہوئے میز کا بھائی ستمبر ایک برقانی توبے کی زد میں آکر دفن ہو گیا اور میز بھوکا پیاسا، سردی کی شدت سے بوکھلایا ہوا شم پاگل حالت میں ناٹا پرست کے دیا میرے میں بھکلتا رہا۔ اور بالآخر مانند چونوں کے دامن میں پنج سیکالے اس کے ہاتھ پاؤں سردی کی وجہ سے بیکار ہو چکے تھے اور تب کچھ چوہا ہوں اور کسانوں نے اس کی مدد کی اور گلکت تک پہنچایا۔ کہتے ہیں کہ میز جب پاگل پن اور سردی کی شدید کیفیت میں جگل کے آغاز میں تھا تو اس نے جھوپڑوں پر گورتوں مردوں اور بچوں کے چہرے حرکت کرتے دیکھے ہو اسے دیکھتے تھے کہ یہ کون ہے؟ گیا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ میز کے نزدیک دیا میر کا یہ علاقہ جہاں وہ مرتا مرتا بچا تھا اس کا نیا بچپن تھا، اس کی دوسری جانب پیدائش تھی۔

"اس مم کے دوران میں موت سے ہمکنار ہوا۔ میری مراد جسمانی موت سے نہیں بلکہ روح کے خاتمے سے ہے۔ امیدوں اور ارادوں کی موت۔"

وطن واپسی پر میز کو بھائی کی موت کا ذمہ دار خرمایا گیا۔ اور اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ کہا گیا کہ دیا میر کی جانب اترنے کا فیصلہ صرف میز کا تھا اور اس کی وجہ سے اس کا بھائی مارا گیا۔

"ناٹا پرست کو سر کرنے کے بعد میرا بھائی مجھ سے پھر گیا۔ میں اکیلا گھر واپس گیا اور میں ایک مختلف انسان تھا۔ پھر برسوں میں مجھے بے شمار الزامات کے جواب دینے پڑے، مجھے اپنا دقاعع کرنا پڑا۔ لیکن اب میرے اندر نیا رہ کرنا وہت نہیں رہی۔ صرف ایک اداہی باتی ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو کھو دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے ناٹا پرست کو سر کر لیا ہے اور اس کے بعد لوگوں کے الزامات کے سامنے گھکت خورده نہیں ہوا تو مجھے دنیا کی کوئی چیز لکھتی نہیں دے سکتی۔ لیکن شامکر یہ یقین بھی سراب ہے، اس کے آگے سر جھکانا خود فرمی ہو گی۔ اس لئے میں اس مایوسی کے لئے چار ہوں ہو، بہر حال میرے سامنے آئے گی۔ ایک الکی مایوسی ہو، بہر طور انسانی وجود کی قسم میں لکھی ہے۔"

وائن ہولہ میز کی ایک کتاب "دی گپ والر" میں اس کے بھائی ستمبر کا ایک خط درج ہے جو اس نے اپنے ماں پاپ کو اس مم کے دوران ٹاپ میدان کے ایک

اور پھر ۱۹۵۳ء میں ایک اور جرم نیم ڈاکٹر ہر لگ کو فر کے زیر قیادت ناٹا پرست کے رائے کوٹ رخ میں فیری میڈو کی جانب سے یہاں پہنچی۔ اس پار بھی موسم انتہائی محدود تھا۔ نیم کو واپس ہو جانے کا حکم ملا۔ لیکن اس وقت ہر من بویل سات ہزار میٹر کی بلندی پر ایک چھوٹے سے نیچے سے چونی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور وہاں سے اس نے اپنی کوشش کا آغاز کیا اور تن تھا کیا۔ بقول میز "لینی لکھت کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو ایک تخلی کے زیر اثر تھا۔ ایک خوناک مم جو کوہ ہیائی کے تمام اصولوں کی نئی کرتی تھی اور جس میں کامیابی کا ذرہ بھر امکان نہ تھا۔ یہ تمام ہمالیائی جگروں کی نئی تھی اور اس کے باوجود جرم نیم یہاں ناٹا پرست پر قدم رکھنے والا پسلان انہ تھا۔"

بویل کے بعد متعدد افراد نے ناٹا پرست کو زیر کیا اور ان میں سے کم از کم ایک درجن جرم نتھے اور ان میں سے کم از کم چھ کی موت پر اسرار حالت میں ہوئی۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ ناٹا پرست جسچ نہیں ہے؟۔۔۔ میز کہتا ہے "یہ کہنا کہ ناٹا پرست نہیں ہے انتہائی انفوہات ہے۔۔۔ وہاں کوئی خوناک دیو نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ ناٹا پرست ہم قافی انسانوں کی نسبت ناقابلِ نیتن حد تک قائم ہے۔"

اور اب ہم کوہ ہیائی کی اس جوان کن داستان کی طرف آتے ہیں جس کے مرکزی کدار تھا۔۔۔ دنیا کا مشور ترین کوہ ہیا وائے ہولہ میز اس کا بھائی گنھر میز اوس ناٹا پرست۔

میز ایک ایسا کہہ دیتا ہے جسے انگریزی زبان میں "آل جام گریٹ" کہا جاتا ہے۔ ایک محیر العقول کوہ ہیا جس نے دنیا کی تمام تربند ترین چوٹیاں آسکن کے بغیر سر کیں اور تن تھا سر کیں۔۔۔

۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر ہر لگ کو فر ایک ایسی انتہائی تجربہ کار نیم کا لیڈر تھا جس میں دونوں میز بھائی شامل تھے۔۔۔ میز لکھتا ہے "اس مم کے پائچ کوہ ہیا مرکل گلی تک پنج گھے جس کے سامنے چونی کا چڑھے ہے۔ جب موسم کی خراپی کی وجہ سے میں نے ایکلے ہی چونی تک جانے کا فیصلہ کیا تو میرا بھائی اپنی مرضی سے میرے ساتھ ٹل پڑا اور ہم دونوں ناٹا پرست پر پنج گھے چونکہ بلندی کی وجہ سے گنھر شدید ہمار ہو گیا اس لئے میں نے مجبوراً روپی سائیڈ کی بجائے دوسری جانب دیا میر کی طرف اتنا شروع

## ”کوہ پیاؤں کا قبرستان جمال ہوا تیز چلتی تھی“

جمیل سے واپسی پر بار بھر کو ایک گنڈوڑی میں گئی اور تم اطمینان سے پیچے لا توبہ میں اتر آئے۔ ہمارے خیے کے سامنے ندی کے ساتھ متعدد ندیوں سر جھکائے گھاس چر رہے تھے اور ان سے پرے لا توبہ گھوٹ کے چند پیچے گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔ اور کچھ پیچے بڑے پتھر پیشے آہس میں سر جوڑے ہنس رہے تھے۔ وہ سیمیر سے مٹنے کے لئے آئے تھے۔

لا توبہ میں شام ہو رہی تھی۔ ڈھلوان پر بننے چڑواہوں کے جھوپڑوں کے درمیان میں ایک بست برا باڑا تھا اور چند عورتیں مویشیوں کو اس کے اندر لے جانے کی کوشش کر رہی تھیں اور وہ اس دوران "ہوا ہے ہے" کی وہ زبان بول رہی تھیں جو دنیا بھر کے موئی سمجھتے ہیں۔ ان کے چینی کی آوازیں ملہم ہو کر مجھ تک پہنچی تھیں۔

سیمیر نے لا توبہ کے پھوٹ کو دوست بنا لیا تھا اور وہ اپنیں اپنے واک میں پر منپی موسیقی سنوا رہا تھا۔ وہ اپنا ہیڈ فون باری باری ہر پیچے کے کان کے ساتھ لگاتا اور اس پیچے کے چہرے پر نمودار ہونے والے احساسات سے لطف انداز ہوتا۔

سلطان اسی بڑے پتھر "بیبا جی" کی اوٹ میں سکھر بیبوں کی طرح برتن سجائے چلے میں پھونکیں مار رہا تھا۔ محمود روٹھوں اور دیوبیو سائی کے بارے میں معلومات کے ساتھ واپس آچکا تھا۔

سلطان نے قورے کے ایک نہن کو ابال کر جب کھولا تو اس کے تیز مصالحے کی خوشبو لا توبہ کی صاف شفاف فضائیں آگ کی طرح بیجل گئی۔ رائی ہوئیں ندی تک

بیں کیپ سے لکھا وہ لکھتا ہے "۔ نانگا پرست کی چوٹی کے اوپر تک برف پکھل چکی ہے اور ناپ میدان بالکل سر بیز ہو چکا ہے۔ یہاں ہر جانب پھول ہی پھول ہیں اور کئی جھوٹوں پر گلٹا ہے کہ ہم کسی کے پھولوں بھرے جھوپڑے میں آنکھیں ہیں۔ یاک کے نہم جنکلی روڑا اس رومانوی ڈھنڈی پالا نما بلند وادی میں گھومنے ہیں اور دبلے اور مریل گھوڑے شدید سردی کے ستائے ہوئے یہاں گھاس چرنے آ جاتے ہیں۔ ناپ میدان ایک چاگاہ ہے اور بالکل ہموار ہے۔ درمیان میں درخت ہیں۔ آندھوں اور برف کے طوفانوں کے نشان اب بھی باقی ہیں۔ ہر دو سرا درخت جمع کرتے ہیں اور الاؤ جلاتے ہیں۔ شمال کی جانب ہمارے میں اور نانگا پرست کا روپل چڑھا ہے جو قدموں سے چوٹی تک سازھے چار ہزار میٹر بلند ہوتا ہے۔ ناپ میدان کے مغرب اور مشرق میں گیشیر کی دیواریں ہیں اور جنوب میں روپل کی چوٹی وادی پر سایہ کرتی ہے۔ دھنڈ ناپ میدان پر جھلک رہتی ہے اور اکثر بوندا باندی ہوتی رہتی ہے۔ آج ہم نے دو سو روپے میں ایک یاک خریدا ہے جسے ہم روٹ کریں گے۔ آپ خط ضرور لکھیں کیونکہ چوتھے پانچیں روز ترکھ کا ایک کسان ہماری ڈاک لے کر آتا ہے۔ نہ اخافٹا۔۔۔

کھمر کا اپنے ماں باپ کو یہ آخری خدا مانع تھا کیونکہ نمیک پدرہ روز بعد وہ نانگا پرست کی برفوں میں گم ہو گیا۔

آج تقریباً انہیں برس بعد ہمارے پیچے ناپ میدان میں برف پکھل چکی تھی اور ہر جانب ہر اولاد تھی۔ یاک یا زندہ اس رومانوی پالا نما وادی میں گھوم رہے تھے اور دو دبلے سے گھوڑے گھاس چر رہے تھے۔ درمیان میں درختوں کا ذخیرہ تھا اور دھنڈ ناپ میدان پر جھلک ہوئی تھی۔۔۔

ہمارے سروں پر نانگا پرست کا روپل چڑھا تھا۔ ہمارے قدموں سے چوٹی تک سازھے چار ہزار میٹر بلند۔ دنیا کا سب سے بڑا چنانی چڑھو۔ یا راک فیں۔۔۔

پتھروں کے لڑکنے کی آواز اب بھی آرہی تھی۔ کبھی کوئی پتھر رفتار پکڑتا اور پھر کہیں نکم جاتا۔ نانگا پرست کی اس جیل کا مقابی نام "سروت" ہے۔

یار محمد نے سلام پھیرا۔۔۔ دعا کی اور اٹھ بیٹھا۔۔۔ اس نے پتھر سے اٹھتے ہوئے کپڑے نہیں جھاڑے شائد اس نے کہ وہاں مٹی نہ تھی۔۔۔

کے علاوہ اس کی شرط یہ کہ آپ اس کے دو آدمی پورٹ کے طور پر ساتھ لے جائیں۔“

”لیکن ہم تو تمہیں ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔“

”صاحب آپ ہر گھوڑے لے کر جاؤ گے تو وہ ادھر تاپ میدان میں واپس لانے کے لئے بھی تو کوئی آدمی چاہئے۔ بوڑھے کو ہم پر انتبار نہیں۔ دیسے ایک گھوڑا میرے پاس بھی ہے لیکن ابھی جگل میں گیا ہے۔ کل آجائے گا۔“

”کیوں راہی سے کیا خیال ہے؟“

”آپ ہاں ہو۔ ہم کو کیا پڑ کہ ہر جانا ہے کیسے جانا ہے۔ جدھر لے جاؤ گے، چلے گا۔“

”تو صحیح ہے۔ تم چوتھے گھوڑے کا بندوبست کرو لیکن ہم ہر گھوڑے کے ساتھ ایک اور پورٹ لے جانا افروز نہیں کر سکتے۔“

”میرے کے لیے نہیں نین قش ٹک کی روشنی میں دکھتے تھے۔ ابو کیا ہم واقعی گھوڑوں پر سفر کریں گے؟“

”ایک خرابی ہے صاحب۔“ سلطان زمین کریدتا ہوا بولا۔ ”آپ کا شینٹ بیکار ہے جی۔ اگر ادھر بارش ہو گیا تو ادھر بھی بیکار ہے۔ اور ادھر دیو سائلی پر اگر تو موسم نیک ہے تو پھر شامک گزارہ ہو جائے اور اگر بارش ہو گیا تو پھر بہت مشکل ہے تھی اس شینٹ میں رات گذارنا۔ برف ہو جائے گا صبح تک۔“

”شینٹ برف ہو جائے گا؟“

”ہاں نا۔ اور اس کے ساتھ جو اس میں سوئے گا وہ بھی۔“

”اور اگر برف باری شروع ہو گئی تو بالکل خطرہ ہو جائے گا۔“ محمود بولا۔

”تم گھوڑوں کا بندوبست کو شینٹ کے بارے میں پھر سوچیں گے۔“

”چھا صاحب میں کل اس بوڑھے سے پھر بات کروں گا۔“ محمود نے سرہلایا۔ اور پھر کچھ سوچ کر سکرانے لگا۔ ”صاحب آج ادھر ہماری بہک میں جلاپانی لوگ آیا میں کہپ سے۔ آپ کو بولا تھا تھا کہ ان کی ایک لڑکی کا ہائک نوٹ گیا ہے تو ہم سے چار پانی مانگتا تھا تھا کہ اسے اٹھا کر ترٹھک لے جائے۔ لیکن ادھر پورے ٹاپ میدان میں انسیں چار پانی نہیں تھا۔“

”کیوں؟“

”ادھر تو بہک ہے صاحب۔ مگر نہیں۔ ادھر چار پانی نہیں لاتا۔ زمین پر سوتا۔“

گیا تھا واپس آیا تو ناک چھا کر بولا۔ ”مارٹ صاحب پڑھیں کیون مجھے لگتا ہے کہ میں شادی پر آگی ہوں۔“

”شادی پر؟“

”ہاں۔ خوشبو ہوتا ہے ناک کھانے کا تو ایسا ہوتا ہے جو ادھر آتا ہے۔“ اس نے پھر نہایں سوچا۔

”جتاب راہی چاہا یہ قورسے کی خوشبو ہے۔ آج شام کھانے پر ملے گا۔“

”نہیں۔ اس میں مرچی ہو گا۔ ہم نہیں کھائے گا صرف سوچتے گا۔“ چنانچہ میں نے اور میرے محمود کی لائی ہوئی روشنیوں کے ساتھ تیر مصالحت والا قورسہ کھلایا اور خوب کھلایا۔ راہی اپنے پیکے دال چاول کو حسب سابق نہایت ادب اور سنجیدگی سے کھاتا رہا۔

اور پھر کھانے کے بعد کافی۔ ہم سب آہست آہست ٹک کے نزدیک چلے گے۔

یہاں بڑے پھر ”بیباہی“ کی اوٹ میں سروی اور ہوا سے بچاؤ بھی ہوتا تھا۔

ہم چینی کاک میری دو فوں ہتھیلوں کے درمیان کافی سے بھرا ہوا اور اس کی حدت میرے بدن میں منتقل کرتا ہوا۔ سامنے چولے میں ٹک اور بھی ہوا کدم تیز ہوتی تو ٹک کی گری کو لمحہ بھر کے لئے سیٹ لے جاتی۔ گذریے ابھی تک اپنے موٹی باڑے میں ہائک رہے تھے اور سردی پیچے آ رہی تھی۔ اور تب دیو سائلی کی بات شروع ہو گئی۔

مودود کے پاس تمام خبریں تھیں۔ صاحب میں نے یہاں جتنے لوگ ہیں ان سے بات کی ہے۔ دو چوڑا ہے تو ابھی کل دیو سائلی سے اتر کر آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ

”ابھی جو ادھر کالا پانی ہے اس پر پل نہیں بنتا اور اس میں سے پیدل گزرنا پڑتا ہے۔“

”کیا ہم تینوں اس میں سے گزر سکتے ہیں؟“

”اگر آپ ایک دوسرے کے ساتھ باندھ لیں پھر آسان ہو جائے گا۔“ کیونکہ پانی اتنا تیز ہے کہ ہر سال ایک دو آدمی بمالے جاتا ہے۔

”نہیں۔“ میں نے سرہلایا۔ ”میں میرے ساتھ اس تم کا رسک نہیں لے سکتا۔ اسے عبور کرنے کا اور کیا طریقہ ہے؟“

”گھوڑے جاہب۔“ آپ کو اگر چار گھوڑے مل جائیں تو آپ سالمان سیت یہاں سے چل کر دیو سائلی پار کر کے ادھر سکردو میں اتر سکتے ہیں۔ لیکن گھوڑے منکے ہیں، ایک بوڑھے کے پاس دو گھوڑے ہیں اور وہ ہزار روپیہ فی گھوڑا مانگتا ہے۔ اس

"آپ تمن ہیں صاحب۔" سلطان بولا "لیکن اگر آپ کو ڈر لگتا ہے تو میں ادھر باہر سو جاتا ہوں"

"میں نہیں۔" رای فوراً سید پھلا کر بولا "وور تو نہیں لگتا لیکن تم نے بولا تمہارا کے ادھر بھیڑا موافق شیر ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہے پر وہ محل سے پرے رہتا ہے۔" اوپر سلطان نے سراخا کر اس بولیلئے آسمان کو دیکھا جس کی سفیدی اندر میرے میں تیرتے کی آنس برج کی طرح نظر آری تھی۔

"تو یخے تو نہیں آتا ہاں ادھر۔"

"آتا ہے کبھی کبھی۔" سلطان نے رای کی ٹکر مندی سے لطف انداز ہوتے ہوئے کہا "لیکن وہ سامنے جاتا ہے لا تو بو کے گاؤں میں۔ احراء بھیز بکری مل جاتا ہے۔"

"پھر نیک ہے۔" رای اطمینان سے مکرایا "ہم تو بالکل مزدار نہیں ہے بھیز بکری زیادہ مزدار ہوتا ہے۔ شیر کو تو پہ ہو گا۔"

نانگا پرست کے میں یکپ میں وہ رات حیرت انگیز طور پر زیادہ سرد نہ تھی۔ ہاں ٹھیک کے وقت ایک پر سکوت بخ خندک پکھ دیر تھری ری اور پھر دھوپ کی پہلی کرنوں کے ساتھ پکھل گئی۔

میری آنکھ کھلی تو خیسے میں سورج کھمی الی زرد اور حیز روشنی تھی۔ خیسے کا پردہ ہنا ہوا تھا اور اس میں سے لا تو بو کے میدان کی ہر اولاد، بیچ بھتی سماث ندی اور ان سے پرے روپل پیک اور لالی پیکت کی برخیں ایک صاف آسمان میں تصوری ہو رہی تھیں۔

بہت سارے بچوں کی دلی بیٹی میں سیر کی آواز بھونک پہنچتی تھی۔

رای یوگا کے ایک پوز میں آنکھیں بند کے اپنے دھیان میں تھا۔ میں سکتی سے آنکھیں بند کے لینا رہا مگر میرے بچوں پر خیسے کی روشنی زرد تلی کی طرح بے آواز پہنچتی تھی۔

رای کھانا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ مکرا رہا تھا۔ اس سڑکے دوران اسے جب بھی موقع ملتا ہو مجھ سے الگ ہو جاتا۔ وہیں میرے پاس بیٹھا ہوتا لیکن مجھے سے الگ ہو کر اپنے دھیان میں ہو جاتا۔ "لیا ہو رہا تھا؟"

ہے۔" ان جلپائیوں کے پاس شریح نہیں ہے؟"

"نہا معلوم۔"

اٹھ مھنڈی ہونے لگی۔ میں نے دیکھا کہ سیر کے چہرے پر تھکاٹ کے آثار ٹوٹتے تھے۔ "تم جا کر سو جاؤ یعنی؟"

"میں ابھی۔" اس نے نیند میں ڈوبتے بچے کی ایک یوقوفی سکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے نیند تو نہیں آری"

"صاحب آپ ادھر لا تو بو میں کتنے روز خرو گے؟" سلطان نے پوچھا۔

"تین چار روز۔"

"صاحب مجھے آپ کے نینٹ کا بہت لگر ہے۔ ادھر اگر بارش ہو گیا تو بہت سردی ہو گا۔ بہت زیادہ سردی ہو گیا تو ہم آپ کو محمود کی بہک میں لے جائے گا۔ صاحب آپ مانند کیوں نہیں کیا؟ ادھر تو ہو صاحب آتا ہے ادھر جاتا ہے۔"

"بھی بات ہے سلطان ہم نے تمانہ پاس کا ہام تر جھک میں آکر سنائے تم کے ہو؟"

"ہاں ہاں۔" جاتا رہتا ہے۔ دیکھو صاحب اگر تم دیو سائی نہیں جاتا تو پھر ادھر سے مانندوں پلے جاؤ۔ تر جھک سے آنکھ یکپ بنتا ہے۔ تر جھک سے روپل۔ لا تو بو۔ مانند پاس میں یکپ۔ مانند ہائی یکپ، گلگیشیر پ۔ مانند پاس۔ لوپا۔ جنگلوٹ۔ جنجلہ اور نوین دن آپ شاہراہ ریشم پر بالکل آئیں گے بوزہ بیجن کے پاس ادھر سے دھن چلے جانا۔"

"میں یہ بہت طویل اور پر مشتمل راست ہے۔ یوں بھی کومندان کے علاقے میں ٹریکنگ کے لئے ذرا جرأت چاہتے۔"

"میں صاحب خطرہ نہیں ہے۔ ذرا سخت لوگ ہیں لیکن خطرہ نہیں ہے۔"

"تہم دیو سائی جائیں گے۔ کیوں سیر؟"

"ہاں آں۔ ہاں ابھی۔" وہ باقاعدہ اوگ کر رہا تھا۔

"تو ہم چلتے ہے۔" سلطان اور محمود اٹھ کرٹے ہوئے۔ وہ دونوں بکھوں میں رات گزارنے کے لئے جا رہے تھے۔

"باپ رے۔" رای ہو بہت دیر سے مھنڈی پڑتی اٹک کی راکھ پر نظر جائے بیٹھا تھا سر جھک کر یکدم بولا "تو ادھر ہم نینٹ میں آکیا ہو گا۔"

"یہ کاتا ہے۔ من ہاتھ دھونے نہیں دتا۔ آپ ہاتھ لگاؤ۔"  
میں نے ہاتھ لگایا تو پانی کاتا تو ضرور تھا میں ترکھ کا پانی تو پاک کئے کی طرح  
کاتا تھا۔ میں نے بمشکل چند چینے اپنے چہرے پر مارے۔ رائی نے اپنے چینے میں  
سے گاس نکال کر پانی سے بھرا اور پھر اس کا ایک گھونٹ پی کر کھرا ہو گیا۔ "یہ بھی کاتا  
ہے۔ اسے آہستہ چائے کی طرح بیوں گا۔"  
"کیا پورا گاس پینا ضروری ہے؟"

"ہاں۔ میں روزانہ چیخ سوریے ایک گاس پانی ضرور پیتا ہوں۔ ایک مرتبہ  
میں کامن گیا تو ادھر بھی پانی پینا بہت مشکل ہو گیا۔ سوچا کیا کروں۔ پھر میں نے دریا  
کے کنارے ایک گھوڑے کو دیکھا۔ وہ پانی پی رہا تھا۔ لیکن وہ تھوڑا سا پیتا تھا اور پھر  
گردن اٹھا کر کھرا رہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گردن پیچی کر کے تھوڑا اور پیتا تھا۔ تو اب  
میں بھی اپنے عی کرتا ہوں۔"

رائی ایک مختلف عادتوں والا مختلف انسان تھا اور بت اچھا سفری سُنٹ ٹاہت ہو  
رہا تھا۔ ہرے پتھر کے اور سیر نے محفل سجار کی تھی اور اس کے پیچے سلطان نے  
ناشیت کے انتقالات کر رکھے تھے۔ گرم بھاپ دتا دودھ اور اس میں کمزکراتے کارن  
فیلکس، بت ساری چیزیں اور پھر کافی۔

"آج قبرستان جائے گا؟" ناشیت سے فارغ ہو کر سلطان نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔" رائی اپناؤں نگتے ہوئے بولا۔ "خود نہیں جائے گا۔ کبھی نہیں  
جائے گا۔ کوئی زبردستی لے جائے گا تو پھر جائے گا۔"

"ہم لے جائے گا۔" سلطان کی سادگی رائی کے مزاج تک نہیں پہنچ پاتی تھی

"تو ہم بھاگ جائے گا۔" رائی کہنے لگا۔

"چاچا ڈاؤن ہو گیا ہے۔" سلطان تھوڑا سا پریشان ہو گیا۔  
"چاچا ڈاؤن نہیں ہو گیا یہ ذرا مخنزی کرتا ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "اوہ  
قبرستان چیں۔"

ہم اپنے خیے سے پیچے اتر کر مل کھاتی ہوئی شفاف سماں کے کنارے کنارے  
چلنے لگے۔ اور ادھر کو چلنے لگے جو درم سے یہ آری تھی۔ لا تو بو کے گاؤں کی طرف  
سے۔ اگر چند جھونپڑوں اور مویشیوں کے ایک باڑے کو گاؤں کما جا سکتا ہے تو۔

"تماز۔" وہ ہنس کر بولا

"یہ کس وقت کی تماز ہے چاچا؟"

"لبی یہ میری تماز ہے۔"

"کچھ گھنکلو غیرہ ہوتی ہے اور دالے سے۔"

"ہاں۔ ہاں لیجن۔ بس میں روپورٹ دتا ہوں۔ روپورٹ لیتا ہوں۔"

"موسم کی روپورٹ بھی لے لینی بھی چاچا۔ ادھر بارش ہو گئی تو یہ خیر کافند کی  
محل گل جائے گا۔"

"موسم تو دکھائی دے رہا ہے۔" اس نے روپل پیک اور لالی پیک کے وسیع  
اور شفاف مظہر کی طرف اشارہ کیا "سارے رنگ الگ اور صاف الگ رہے ہیں  
جیسے اس نے ابھی ابھی اس کینوس پر لگائے ہوں۔ موسم تھیک ہے۔"

میں کسرا کر سینپنگ پیک کی کپنجل سے نکلا تو زیادہ چست اور سخت مہد  
محوس کر رہا تھا۔ جاگر پن کر میں خیے سے باہر آگیا۔ رائی نری کی جانب چلا گیا۔

ہرے پتھر بیباہی پر سیر نے موسمی کی محفل جما رکھی تھی۔ لا تو بو کے پیچے  
ماںکل بیکن اور میڈو نا کے نئے سن رہے تھے۔ جو پچ واک میں کا ہیڈ فون پہنے  
ہوئے موسمی سن رہا تھا وہ باقاعدہ سربراہ رہا تھا۔

"ابو یہ جو ہے۔" سیر نے مجھے آواز دی "یہ جو موسمی سن رہا ہے اس کا نام  
بھی سیر ہے۔ لا تو بو کا سیر۔"

میں نے سامان کی سب سے اہم پوٹلی اٹھائی اور نری کی طرف اترنے لگا۔ ظاہر  
ہے اس پوٹلی میں دانتوں کا برش اور نوچ بیٹھ بھی تھی۔ البتہ شیوگ کا سامان ابھی  
بیکار تھا۔ اپنے گاؤں پر اگی سخت گھاس الگی چھوٹی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے سے  
بہت لطف آتا تھا اور تب ہم نے یہ بھی جانا کہ مولانا صاحبان ہمہ وقت اپنی ڈاڑھی<sup>کیوں</sup> سنوارتے رہتے ہیں۔

سماں کے کنارے رائی کھرا تھا اور پانی کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے علاوہ اور  
کچھ نہیں کر رہا تھا صرف پانی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"گور کر رہا ہوں۔ پانی پر۔"

"کیوں؟"

گاڑ دیا گیا ہو۔ اس پتھر کے آگے خلک لکڑیاں تھیں۔ چھوٹے پتوں کے دو تمن بے ترتیب مجھے تھے اور ان میں دو تمن سل نما پتھر نمایاں تھے۔ ان پر جلاپنی زبان میں اپر سے نیچے کچھ تحریر تھا۔ کیا تحریر تھا؟ یہ صرف وہ جانتے تھے جن کے جانے والے ان کے نیچے دفن تھے۔ اس بڑے کتبے کے سامنے میں ان کوہ جیاؤں کی قبریں تھیں جو ناٹا پرہیت کو زیر کرنے آئے تھے لیکن خود زیر زمین ہو گئے۔ اس زمین نے اسیں زیر کر لیا۔  
یہاں ہوا تجزیہ چلتی تھی۔

اور دور دور نمک کوئی ذی روح نہ تھا۔ صرف ناٹا پرہیت کی برنسی اس سارے مختصر پر حاوی تھیں۔

ہم ان کے قریب بیٹھے رہے۔ یہ کمال کے تھے اور کمال دفن ہیں۔ شیرخے میزے سوکھے ہوئے درخت اور ان میں پتوں کے ڈھیر اور ان پر جلاپنی زبان کے حروف۔ شاکر یہ لکڑیاں اور سوکھی جهاڑیاں اس لئے رکھی گئی تھیں کہ موئی ادھرنہ آئیں۔

جہاں میں بیٹھا تھا وہاں سے روپل پیک کی برف نمک ناٹا جاتی تھی اور راستے میں پست قد درخت تھے۔ دائیں ہاتھ پر اس مختصر قبرستان کا مشترک رکبت تھا جو ازال سے یہاں شاکر اسی لئے تھا کہ ادھر وہ آئیں گے اور دفن ہوں گے تو ان کے نام یہاں لکھتے جائیں گے۔ میں نے قریب جا کر ان ہاموں کو دیکھا جو ان کے ساتھیوں نے پتھر کے چہرے پر کھرپتے ہوئے تھے۔

AUSTRIA

WASTL ARNOLD

1939--1976

PETER FUORRE

1982

S. IIDA

N. YAMADA

Y. TAKAMORI

1983.7.12

JAPAN

یہ عدی بس وہی تھی کہ جس کا صاف پانی تصور لے رہا ہو۔ سیر اپنی لامبی ٹاگوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے پھلاٹ کر بکھی ادھر ہو جاتا اور بکھی طالع بھر کر ادھر آ جاتا۔ آسمان اتنا نیلا تھا کہ اس کی نیلا بہت روپل پیک کی سفیدی پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔ گاؤں کے قریب بڑے بڑے پتوں کے ساتھ نمایاں کی قبریں تھیں۔ گاؤں سے پرے تھوڑی سی چڑھائی تھی جس کے بعد ایک اور غیر ہمارا علاقہ ہمارے سامنے آگیا۔

"ادھر نیم کیپ کرتا ہے کیوں نکل جگہ بنت ہے۔"

"سلطان کیا تم بھی بھی ناٹا پرہیت پر گئے ہو؟" سیر نے دریافت کیا۔

"ہاں ہاں۔ ادھر سے اوپر جاتے ہیں ہاں۔" سلطان نے ایک بے آباد ڈھلوان کی طرف اشارہ کیا "اور پھر ادھر برف کے ساتھ کیپ ون لگاتے ہیں۔ اور وہاں جو بڑا پتھر ہے برف میں تو ادھر کیپ نو لگاتے ہیں۔ میں کیپ نو نمک گیا ہوں۔"

"اس سے آگے کیوں نہیں گئے؟"

"اس کے لئے کپڑا چاہتے ہو یا بوت چاہتے۔ میرے پاس نہیں تھا۔ اس لئے نہیں گیا۔"

"ذرا اپنے نینٹ کو دیکھو ابو۔" سیر آنکھوں پر ہاتھ رکھے لاتوبو کو دیکھ رہا تھا۔ اور یہاں سے اس کی وسعت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ یہاں ہوا زیادہ تجزیہ تھی کیونکہ آس پاس کوئی رکاوٹ نہ تھی اور ہم ناٹا پرہیت کے میں سامنے میں تھے۔ سات ندی سے پرے جو ایک زرود میں درختوں میں گم ہوتا گلتا تھا وہ ہمارا خیر تھا۔

"مانشو پاس بھی ادھر سے جاتا ہے۔"

..... اور ہم روپل پیک اور لالی پیک کے نزدیک ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد لاتوبو او جمل ہو گیا اور ہم ایک دیر ان اور بے آباد وسعت میں آگئے جہاں اکا دکا جهاڑیاں تھیں اور زمین میں دبے ہوئے پتوں کی بخت تھی جو نظر آتی تھی۔ اور میں پر ایک سکونتہ خیر نما پتھر تھا۔ خاصا بلند اور آس پاس کی تقریباً ہمارا لینڈ کیپ میں انتہائی نمایاں چیزے اسے کسی خاص منصوبے کے تحت وہاں رکھا گیا ہو۔ دوسرے دہ ایک ایسے خیزے کی طرح نظر آتا تھا جو پتھرا چکا تھا۔

"یہ قبرستان ہے۔" سلطان نے اشارہ کیا اور خود وہیں رک گیا جہاں تھا۔ پتھر کا سامنے کا حصہ صاف تھا اور یوں گلتا تھا جیسے زمین میں ایک بست بڑا کتبہ

رای گفرند ہو گیا "جلپانی بھائے ہوئے آتے ہیں؟ سلطان یہ جلپانی ہو بھائے  
ہوئے آتے ہیں تو یہ پہلے اپر جاتے ہیں اور پھر واپس بھائے ہوئے آتے ہیں ہاں؟"  
ہاں صاحب یہ مرے ہوئے جلپانی ہوتے ہیں جو وہاں سے آتے ہیں۔ اور  
... سلطان ابھی فتوہ کمل نہیں کر پایا تھا کہ رای نہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر  
جلدی سے کما؟ اور ہو سلطان اور موسم بست اچھا ہے... اور تمہارے کئے پئے ہیں۔  
گئے بھی ہے؟"

سلطان ذرا پریشان ہو گیا... "میں تو جلپانی..."

"کوئی جلپانی شپانی نہیں۔" رای نے فوراً کہا۔ اور تب مجھے احساس ہوا کہ  
اس ماحول نے جمال مجھ پر گرا اڑ کیا تھا وہاں رای کو کمل طور پر اپنی گرفت میں لے  
لیا تھا اور وہ ہرگز اس دیرانے میں ناٹا پریت کی ہوا کے شور اور تھائی میں مرے  
ہوئے جلپانیوں کا قصہ نہیں سننا چاہتا تھا۔

"ہاں تو سلطان تم مجھے بتاؤ کہ جلپانی کدھر سے آتے ہیں؟" میں اس روایت کو  
جانانا چاہتا تھا۔

"صاحب وہ ادھر سے ناٹا پریت پر سے اترتے ہیں اور بھائے ہوئے اس  
میدان میں آتے ہیں اور پھر اپر چلے جاتے ہیں..."

"بیپ رہے۔" رای نے یکدم شور چاڑا اور پھر بلند آواز میں کوئی بیکال گانا  
گانے لگا۔ کہ اے دریا تیرا کنارہ نہیں....

"اور یہ مرے ہوئے جلپانی ہوتے ہیں! ہو سکا ہے وہی ہوں جو یہاں دفن  
ہیں؟"

"خدا معلوم۔ ٹکن صاحب وہ بست بے چین ہوتے ہیں..."

"اور کس وقت آتے ہیں؟ دن کو یا رات کو؟"

"دن کو بھی آتے ہیں صاحب۔ ٹکن پورا چاند ہو اور پادل نہ ہوں..."

"تارڑ صاحب۔" رای نے وہ پر سے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا  
"ادھر سے چلو۔"

"ٹھرس ابو۔" سیمر میرے پاس آیا اس کے ہاتھ میں تین چار کاسنی رنگ کے  
پھول تھے "یہاں پھول بست کم ہیں۔" وہ جھکا اور ایک چھپر برش اور سیاعی کی مدد  
سے لکھے گئے جلپانی حروف پر پھول رکھ دیئے۔

ان میں سے آرٹلڈ کی موت کو میں نے زیادہ گھوس کیا کیونکہ وہ بھی ۱۹۳۹ء میں  
پیدا ہوا تھا اور اسے مرے ہوئے تھے وہ برس ہو چکے تھے۔ آخر میں جلپانی آئے تھے جو  
برس پہنچتے۔ یہ تو درست ہے کہ یہ کہاں کے تھے اور کہاں وہن ہیں ٹکن۔ اس  
پھاڑ کے نیچے دفن ہیں ہیں نہیں ذیر کرنے والے تھے۔ اگر یہ آسٹریا اور جلپان  
کے کسی قبرستان میں دفن ہوتے تو کون جانتا کہ یہ ناٹا پریت گئے تھے۔

تحالی۔ دیرانی اور تیز ہوا اور ہم سے ذرا الگ سلطان ایک پھر کو سر کے نیچے  
رکھے آرام کرتا ہوا۔ ٹکن وہ ہمیں بھی دیکھتا تھا۔ ہم وہاں بست دیر انک پھ پیشے  
رہے۔ ہوا کے اس دھمکے سور میں جو ناٹا پریت سے اتر کر سیدھا اس کتبے انک آرہا  
تھا اور یہ کتبہ اس کا راست روک رہا تھا۔  
سلطان انھوں کو ہمارے پاس آگیا "چلیں صاحب؟ یہ جگہ اچھی نہیں ہے۔  
کافروں کی قبریں ہیں..."

"تم ان کے لئے دعا نہیں کرتا۔" رای نے پوچھا۔

"ہاں۔" سلطان نے تیوری چڑھا کر سر ہلایا "کافر ہے۔"

"جس جلپانی کے مال باپ آئے تھے اسے کہاں جلایا تھا؟"

"ادھر۔" سلطان نے پست قد درختوں کے جنڈ کی طرف دیکھا "ادھر کوئی  
نہیں جاتا۔"

"چلیں؟"

"ہاں بیبا۔" ادھر پڑھی ہو گا۔"

سیمر پر یہ ماحول زیادہ اثر انداز ہوا تھا اور وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔  
چھپر کھرچے ہوئے ہام پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور ویسے بھی چدھر جلپانی کو جلایا تھا اور ادھر اس قبرستان میں جلپانی آتا  
ہے۔" سلطان نے اپر ناٹا پریت کے اس حصے کی طرف دیکھا جہاں کیپ نوکتا

"کونسا جلپانی آتا ہے۔" رای قریب آگیا اور اس کی جیکٹ کا کار تیز ہوا سے  
پھر پھرا رہا تھا۔ "بیو نیم کے ساتھ آتا ہے؟"

"ہاں۔" سلطان نے سر ہلایا "ادھر اس میدان میں اپر ناٹا پریت کے اس  
راتے سے جلپانی بھائے ہوئے آتے ہیں ادھر۔"

لائقوں والی پر میں جب بھی مرکر اس پتھریلے کتبے کو دیکھتا تو وہ تمن چار کاسنی  
پھول مجھے اس نے نظر آ جاتے کہ ان کے پس مختصر میں روپل پیک کی برف تھی۔  
سوکھی ہوئی لکڑیاں تھیں اور پتھر جلبائی حرف تھے۔

## ”ٹاپ میدان کی رات میں الاؤ اور اس کے سامنے نانگا پرست پر“

راہی ہم سب سے آگے چل رہا تھا۔ لائقوں گاؤں کے قریب پہنچ کر میں اپنے  
ساتھیوں سے الگ ہو کر ان جمازی سائز پتھروں پر چڑھتا ہوا بلندی کی طرف جانے لگا  
جن پر لائقوں کے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ میں نے ایک دو گار نما کرے بھی دیکھے  
اور ان میں وہ آنکھیں بھی دیکھیں جو مجھے چھپ کر دیکھتی تھیں۔۔۔ راہی اور سیر مند  
کوہ پیائی کے موڑ میں صحن تھے اور میں لائقوں کی بلندی پر پہنچ کر میدان اور ساٹ ندی  
کی تصویر اتارنا چاہتا تھا۔۔۔

جتنی دیر میں میں لائقوں کے سب سے بلند پتھر برینی ہوئی چھوٹی سی مسجد تھک پہنچا  
اتھی دیر میں سیر راہی اور سلطان میدان عبور کر کے خیمے تھک پہنچ رہے تھے۔ اور  
میں انسیں یہاں بے ان کی چال سے پہچان رہا تھا۔ سیر ایک ہرن اور اوٹ کی لمی  
جلی چال چڑھتا تھا۔۔۔ راہی ایک غیر محسوس طریقے سے حرکت کرتا جاتا تھا اور سلطان  
ایک نھراو سے آگے بڑھتا تھا۔۔۔ تصویر اتار کر میں نیچے آیا تو گاؤں کے سامنے ندی  
کے کنارے چد لوگ آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔۔۔ اور ان میں ایک غیر مکمل جوڑا بھی  
تھا۔۔۔ یہاں پر بہادر جیل اور سکول ٹھپر محظوظوں سے بھی ملاقات ہوئی۔۔۔ گھاسن پر  
دو ٹیلے رک سیک اونڈھے پڑے تھے۔۔۔ اور یہ فرانس سے آئے تھے۔۔۔ انہوں نے بتایا  
کہ وہ جنگلوٹ سے پیدل چلتے آرہے ہیں۔۔۔ یعنی بوٹھی۔۔۔ استور۔۔۔ گریگوٹ اور تریکھ  
سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔۔۔

”آج آپ کہاں سے آئے ہیں؟ روپل سے؟“

اور میں سیر کی طرح لم ڈینگ اور پھیلانہ تھا کہ اسے ذرا کو شش کر کے چلا گک جاتا ..... لا تو بوجاؤں جا کر اسے عبور کرنا مجھے دشوار لگ رہا تھا کہ کون اتنی وور واپس جائے ..... میں اس کے کنارے کنارے چلنے لگا کہ شاندر کوئی ایسا مقام ملے جما تھوڑی بہت جسمانی آہ و فخاں سے نیا پار ہو جائے لیکن افسوس ..... مجھے سیر نے اپنے پتھر پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور ندی کنارے بیکھتے ہوئے دیکھا اور وہ جان گیا کہ کیا معاملہ ہے ..... وہ بہت جلد میرے قریب پہنچ گیا۔ مجھے ندی کے دوسرے کنارے پر .....

"میرا ہاتھ پکڑ لیں ابو" اس نے اپنا ہاتھ میری طرف پر بھایا تو لگا کہ کوئی خوب مندر سر ہے جو مجھے تک چلا آتا ہے ..... میں نے اس کا ہاتھ تھام کر چلا گک لگا اور اس خدشے کے پار ہو دکھو دکھو کر اگلے لمحے میں ندی میں ہوں گا ندی کے پار جا گرا۔ سلطان دوپر کا کھانا تیار کر رہا تھا۔

راہی ایک درخت کی چھاؤں میں لا تو بوجاؤں کے پیچوں کے ایک غول میں بیٹھا ان کے سمجھ پا رہا تھا ..... اور یہ فرمائی سمجھ تھی ..... ایک موٹے سے تعمیر ہوں سے لدے پنج کو جب اس نے سمجھنا کر دیا اور پچ اسے لے کر جانے کو تھا تو راہی نے اسے روک لیا "اوے تھمو اس پر میں نے اپنے دھنلا تو کے نہیں۔ کسی کو کیا پڑھے گا کہ یہ کس نے بنایا ہے" ..... اور پھر اس نے سمجھ کے پیچے بڑے اعتمام سے "راہی ..... لا تو بوجاؤ" تحریر کیا ..... اس کا معمول تھا کہ وہ لا تو بوجاؤ کے پیچوں کو تھج کر کے انسیں یو گا کی ورزشیں سکھاتا اور انسیں کہا "ویکھو تم کل آؤ تو منہ ہاتھ دھو کر آؤ پھر ہم تم کو بیکٹ دے گا۔ صابن نہیں ہے؟ نہیں تو تمیک ہے۔ رات کو چرے پر حکمن لگا کر سو جاؤ۔ حکمن ہے ناں؟ اور پھر صحیح انٹھ کر چکنی مٹی کے ساتھ منہ ہاتھ دھولو تم خوبصورت ہو جاؤ گے" .....

اور یہ حقیقت ہے کہ راہی کی وجہ سے لا تو بوجاؤ کے پنجے باقاعدہ لکھنے لگے تھے، خوبصورت ہو گئے تھے۔ مجر افلاطون کی کا ایک بجٹ انٹھے چلا آ رہا تھا ..... اور اس کے لئے

میں بے حد سقید اور گاڑھی دیتی تھی ..... اور تا تو کی طرح اس میں کوئی کمکی سٹل پر یا زیر سٹل نہیں تھی ..... میں نے اس میں دو گلاس پالی ڈالا اور چند جچے چینی ملا کر خوب گھولنا اور یہ ایک انتہائی شاندر ار مشروب بن چکا تھا ..... کھانے کے ساتھ میں اور سیر لادہور کو یاد کرتے قلت غوث لیاں پیتے تھے ..... اور راہی روٹی پر جام لگا کر اس کا روپ بنا کر اسے لگا تھا اور کھاتا تھا" ..... ویری گذ فوو"

"نہیں" ..... اگریزی چونکہ صرف لڑکی جانتی تھی اس نے اس نے جواب دیا "ہم اور ٹاپ میدان کے دوسری جانب ہینگ کے میں یکپ سے آئے ہیں" "جلپانخواں کا کیا حال ہے؟"

"ایک لڑکی زخمی ہے۔ شاید آج یا کل یہی کاپڑا سے نکالنے کے لئے آئے ..... "ہم نے تو ساتھا کہ ہینگ میں یکپ اور ٹاپ میدان کے درمیان جو گھیشیر پڑتا ہے وہ نرم پڑ گیا ہے اور اس پر سے گزرنا خلرنا کہ ہے" .....

"ہوں" ..... لڑکی نے سرہلایا اور پھر اپنے ساتھی کو فرانسیسی میں کچھ کہا جس پر اس نے بھی ہوتھ سکیزیر کر نہایت ڈراؤنی سی ٹھل ہنائی "اونھ سے کوئی نہیں آتا اور ہم اپر سے روپ جا کر پھر ٹاپ میدان میں نہیں آنا چاہتے تھے اور ہم نے ..... اور یہ حمات تھی ہم مرتب مرتب پنج

"لیکن وہاں سے گزرنا جاسکتا ہے؟" مجھ میں اس میں یکپ تک جانے کی خواہش سراخھانے لگی۔

"ہاں ..... اگر تم اتنے بچ قوف ہو جاؤ جتنے ہم ہیں" ..... اس نے ہنس کر اپنے ساتھی کی جانب دیکھا ..... تھوڑی دیر بعد وہ اٹھے اور مانشہ پاس کی جانب چلنے لگے ..... ان کے پاس ایک نقش تھا اور اس کے مطابق انسیں مانشہ کے آس پاس ایک ایسا راستہ مانجا تھا جو سیدھا کل جاتا تھا۔

جس طرح بغیر خوف کے اور ہڈر ہو کے یہ لوگ جگلوں اور پھاڑوں میں نکل جاتے ہیں یہ ہر کسی کے بیٹ کی بات نہیں ..... ہم اپنے تک میں" اپنے لوگوں میں ڈرے ڈرے پھرتے ہیں اور یہ حضرات ایک رک سیک اخما کر ایک نقشہ بیپ میں ڈال کر گھر سے نکل کر بڑے ہوتے ہیں .....

"آپ کے لئے میں لی سی محفوظاً ہوں" ..... مجر افلاطون نے ایک پنجے کو بلا کر کچھ کہا۔

"اگر آپ یہ لی ہماری کمپنگ میں بھیج دیں تو میرے ساتھی بھی پی لیں گے" ..... میں نے افلاطون سے کہا ..... اور یہ افلاطون بہت اچھا تھا ..... اور اس نے ہمیں مقای رسموم و رواج سے آگاہ کیا ..... اور جیسا کہ میں پسلے کہ چکا ہوں ..... ناٹھ پرست کی وادیوں میں "لی" سے مراد گاڑھادی ہوتا ہے اور یہ دی پیٹ کے لئے اور بلندی کی جلی کے لئے تحریر بدف شے ہے ..... میں میدان عبور کر کے جب اپنے خیمے کے تقریباً سامنے پہنچا تو ایک حمات کا احساس ہوا ..... میرے اور خیمے کے درمیان ندی تھی

میں نے جگ کر اس کا ذکر پانی بیا۔

ہم درختوں کے ذخیرے میں تھے۔ پھر ایک تیز تارہ ناٹا پرست سے اتر رہا تھا اور ہمارے راستے میں تھا۔ کیا ہم نے لا توبو جاتے ہوئے اسے عبور کیا تھا؟ ضرور کیا ہو گا لیکن ہمیں یاد نہ تھا۔ اب ہم اس پاڑی کی حفاظت میں آٹھے تھے جس کے پاؤں میں ہمارا خیر تھا اور جس کے اوپر سروٹ جیل تھی۔ یہاں بڑے بڑے سفید پتھر تھے اور ان کے آس پاس دلمل نما علاقوں۔ یہ سفید پتھر ناٹا پرست کی ایک چنان کے میں نیچے تھے۔

"صاحب یہ شی کیری ہے۔ سب لوگ ادھر بیکپ کرتا ہے۔"

میں نے ایک سفید پتھر بینہ کر شی کیری کا معافہ کیا۔ ہوا سے محفوظ ٹاپ میدان کے ایک کونے میں الگ تھلک لیکن ناٹا پرست کے بالکل نیچے۔ آپ یہاں سے سراخا کر دیکھیں تو صرف بڑی چنانیں نظر آتی ہیں اور ناٹا پرست ان کے پیچے رہ جاتی ہے۔ یوں بھی یہ گیلا علاقہ تھا۔

"ادھر چلو جدھر تماری بہک ہے جدھر پڑے دن ہم یاک کے نندے پر بینہ کر چائے پیجئے تھے۔"

"ادھر ہوا بہت ہو گی صادب۔"

"خیر ہے۔"

ہم ذرا آگے گئے تو ایک بڑے پتھر کی اوت میں شوخ رنگوں کے درک سیک نظر آئے۔ تین پورے اسی پتھر پر ستارہ ہے تھے اور چنان کے نیچے ایک انتہائی خوبصورت اور نواں گور خیر ہے۔

"کون لوگ ہیں؟" میں نے پورے سے دریافت کیا۔

"گورے ہیں۔" انہوں نے اپنے تین مکمل معلومات دے دیں۔ اتنی دیر میں نیچے کا پردہ الگ ہوا اور اس میں سے نمائت صاف تھرے لیکن

تجھے ہوئے اور ذرا بیڑا رہیا۔ یوں بہر آئے۔ ہمیں دیکھ کر وہ زبردستی مکرائے۔

"آپ کمال سے آئے ہیں؟" میرے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"اطالیع۔" ہم نے ماں شو پاس جانا تھا لیکن بچھے دو دن سے استور روڈ بند تھی اس لئے اب ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم یہیں سے واپس چلے جائیں گے اور

ہم تین برس سے اس ٹریک کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کی بیڑا ری کبھی میں آتی تھی۔

میں نے جگ کر اس کا ذکر پانی بیا۔

کھانے کے بعد محمود آگیا اور اس کے پاس اچھی خبریں نہیں تھیں۔

"دیو سالی کے لئے گھوڑا نہیں مل رہا صاحب۔ اس بوڑھے کے گھوڑے بھی جگل سے والہی نہیں آئے۔ اور ادھر ٹاپ میدان اور لا توبو میں اور کسی کے پاس گھوڑا نہیں ہے۔"

"تو پھر ہم تر ٹھک کے راستے رہمان پور پل کے راستے چلم چوکی چلے جائیں گے اور دہاں سے پیدل دیو سالی۔"

"اس ٹھنڈ کے ساتھ نہ جاؤ صاحب۔" محمود نے سرہلایا۔ "بڑا پانی بہت تیز ہوتا ہے اگر اس پر پل نہیں تو آپ پار نہیں جا سکتے۔ کیا کرے گا دیو سالی جا کر دہاں کیا ہے، کچھ بھی نہیں؟"

"ہاں دہاں کیا ہے۔" میں نے انتہائی بے بی کے عالم میں ایک گمرا اور ناٹا پرست کی طرح سرو سانس لیا۔ "دفع کرو دیو سالی کو۔ دنیا میں چند سر پھرے لوگوں کے سوا کمن ہے جو دیو سالی گیا ہے اور جو نہیں گئے۔ وہ بھی تو خوش و خرم ہیں اچھی بجلی زندگی گزارتے ہیں۔ دفع کرو دیو سالی کے روگ کو۔"

رائی اٹھ کر میرے پاس آگیا۔ وہ ہمدردی سے ہنا۔ "مجھے معلوم ہے کہ دیو سالی آپ کے لئے کتنا امپارٹ ہے لیکن۔۔۔ کیسے جائے گا۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ دفع کرو۔"

میں بہت دیر ٹھک چپ بیٹھا رہا۔۔۔ میں ہر مرتبہ دیو سالی کے لئے گمرا سے لٹا تھا اور اسے دیکھے بغیر کچھ اور دیکھ کر واپس چلا جاتا تھا۔۔۔ شام کے اسے قمت کئے تھے کہ یہ لکھا گیا کہ نجھے دہاں ابھی نہیں جانا۔

"صاحب آج رات بھی ادھر رہے گا؟" سلطان میری طرف آرہا تھا۔ "ادھرنے چلیں ٹاپ میدان کی طرف۔۔۔ ادھر سے ہمارا بہک بھی نزدیک ہے اور نثارہ بہت ہے۔۔۔"

"بالکل ٹاپ میدان۔۔۔ کوچ کو سلطان"

آوہ کچھ کے اندر اندر ہمارا خیر پیک ہو چکا تھا اور بیتہ سلان رک سیک اور تھیلوں میں ٹھوننا جا چکا تھا۔ محمد القاطون نے پلاسٹک کین اٹھا لیا۔۔۔ ہاتھ اور بہادر

جیل بھی ہمارے ساتھ تھے۔۔۔ اور لا توبو کے پیچے جو ہماری روائی پر خوش نظر نہیں آتے تھے۔۔۔ یہ دیو سالی کی مایوسی تھی جسے بھولنے کے لئے ہم لا توبو چھوڑ کر ٹاپ میدان کوچ کر رہے تھے۔۔۔

ہم سات ندی کے ساتھ ساتھ ٹل رہے تھے۔۔۔ اس سے الگ ہونے سے پھر

چھلیں کرتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی رخت ہو گئے۔

راہی پر نہیں کہاں تھا شاید دریا کی جانب گیا تھا۔

سلطان اور محمود بیک کی طرف جا پکھے تھے اور انہوں نے روٹی اور آلو لے کر شام کو لوٹا تھا۔

خیسے کے اندر پھٹلے پھر کے سورج کی زردی بہت شوخ اور آنکھوں کے اندر نکل جاتی تھی۔ سیر پھلانی نوبی پنے اپنے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کے سینپیک پیک پر لیتا خیسے کو حکما جا رہا تھا۔ مج سے اس کی صحت کچھ غمیک نہیں تھی۔ وہ کچھ چپ تھا اور کچھ اس کی آنکھوں میں سرفی بہت تھی۔ یہاں خیسے کے نیچے اس کا سفید رنگ دکھتا تھا اور وہ چپ چاپ اپنی آنکھیں جھپکا خیسے کے روشن کپڑے کو دیکھ رہا تھا۔

ٹاپ میدان میں دریا بہتا تھا اور پنے کی بھلی آواز تھی اور اس کے ساتھ ہوا کی سرسرابہت بلند ہوتی تھی۔ میں بھی کچھ سست محسوس کر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ خیسے کے اندر ایک پرسکون نھراڑا تھا جیسے اپنے گھر میں ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اوپ گئیا۔

میری آنکھ کھلی تو خیسہ بدستور زرد روشنی کی زد میں تھا اور سیر آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ مجھ میں نیند اور کسل مندی اور تھوڑی سروی تھی۔ کچھ دیر میں نے دریا اور ہوا کے پلکے شور کو ٹاپ میدان کی تھائی میں سنا اور پھر انھوں بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ سیر جاؤ رہا ہے اور اس کی آنکھیں مزید سرخ ہیں۔ میں نے اس کے گالوں اور ماتھے کو چھوڑا۔ کیا بات ہے بیٹھے؟

”کچھ نہیں ابو۔“ اس نے بالکل کوری اور خالی آواز میں کہا۔

”بخار تو نہیں۔ تمارا دھو کچھ گرم ہے۔“

”نہیں بس وہی تھوڑا سا زکام ہے جو ہو جایا کرتا ہے۔“

”اوہ دریا تک چلتے ہیں۔ ناٹک پرست بالکل صاف دکھائی دے رہی ہے۔“

”نہیں ابو۔“ وہ کوٹ پدل کر لیٹ گیا۔

خیسے سے باہر۔ اس کے ارد گرد۔ دور دور ٹک۔ درختوں اور جھاڑیوں میں۔ ڈھلوانوں پر اور چاکا ہوں میں کوئی نہ تھا۔ موئی بھی نہ تھے۔ جیسے گذریے ٹاپ میدان کو خالی کر کے چلتے گئے ہوں۔ ان کے جھوپڑے سربرز ڈھلوانوں کے ساتھ لگے دکھائی نہ دیتے تھے۔ میں نے سوچا کہ زرد خیسے اور اس کے پس مظاہر میں

”یعنی اتنی دور آ کر واپس چلتے جانا تو بت دل توڑنے والی بات ہے۔“

”ہماری چھٹی ختم ہونے والی ہے اور ہم دیر سے کام پر نہیں پہنچ سکتے۔“ انہوں نے ہم سے مقابی تم کی کچھ معلومات حاصل کیں اور پھر اپنے خیسے میں گھس کر پردے کی نسب بند کر دی۔ ہمیں بورہ نہ کہجئے اور اپنا راستہ لجئے اور ہم نے اپنا راستہ لیا۔

ٹاپ نی سن یا روپل دریا کے اوپر رکھے ہوئے درختوں کے عوں پر سے اس مرتبہ ہم بے خطر گزرے۔ اور دوسری جانب چلتے گئے۔ اب ٹاپ میدان ہمارے سامنے وسیع ہوا تھا۔ چدھر چدا ہوں کے گھر تھے ذرا بلندی پر اس ڈھلوان میں نبی بتتھی اور گھاس کے نیچے پانی تھا۔ اس لئے ہم درختوں کے ذخیرے کے انتظام پر رک گئے اور وہیں خیر نصب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں زینت گھاس اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ کیس کیس پتھر تھے اور ان کے علاوہ درختوں کے سوکھے ہوئے تھے بے شمار تھے اور کسی تجدیدی پینٹنگ کی طرح ایک شاندار پس منظر میں دکھائی دیتے تھے۔ یا میں جانب یہاں سے بھی روپل پیک نظر آتی تھی۔ سامنے ذرا تیشیب میں دریائے روپل پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً ایک میل کے قابلے پر ایک چھوٹی سی چراغاہ دکھائی دیتی تھی اور اس کے ساتھ روپل گلیشیر کا اونچا کنارہ، دکھائی دیتا تھا کنارہ یا دیوار کہ لجئے ہے مقابی زبان میں ٹاپ نہیں لکھ کرتے تھے اور کچھ لوگ اسی گلیشیر کو ہے پار کر کے پرستگ میں کیپ جاتے ہیں ”کم کو“ کا ہم دیتے ہیں۔ اس دیوار کے ساتھ جو پہاڑی اٹھتی ہے اور ناٹک پرست کے تھوڑے سے چھے کو چھپاتی ہے اس کا ہم میل ہے۔ اور میل سے اوپر کھل کی چراغاہ ہے۔

اور دائیں جانب پہاڑوں کا وہ سلسلہ تھا جس کے اندر سے ہم برآمد ہوئے تھے اور ہمارے سامنے ٹاپ میدان پھیلا ہوا تھا۔ چدا ہوں کی بسکوں کے پیچے بلندی پر برف تھی۔

اور اوھر ہوا واقعی بہت تیز تھی۔ اتنے وسیع میدان میں جب وہ ناٹک پرست سے نیچے آتی تھی تو بلا روک توک توک پلتی تھی اور تیز ہوئی چلی جاتی تھی۔ ہمارے خیسے کا کپڑا اس کے بوجھ سے مسلسل دھتا چلا جاتا تھا۔

”ہم شام کو آئیں گے۔“ ہمارے مقابی دوست خیر نصب کرنے کے بعد صرف چند پچھے رہ گئے جو لا تو بو کے تھے اور جو نزدیکی پتھر پیٹھے آپس میں

یہاں... تاپ میدان میں... اور اگر ہم نہیں بدلتے تو یقیناً ہمارے دلوں پر قفل پڑے چکے ہیں۔

میں رای کے قریب ہوا تو اس نے ناٹا پریت سے ناٹا ہنا کر میری طرف دیکھا... وہ سکراہٹ عجیب اور ناقابل بیان تھی جو اس کے چہرے پر تھی... اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور مجھے محسوس ہوا کہ اس آبی پر دے پر تاپ میدان کی دعست اور ناٹا پریت کی بلندی تھیں ہے... اور شاید اسی لئے وہ آنکھیں نہیں جھپکتا کہ کہیں یہ تصویر بہت چائے... میں پھر پچھے ہٹ گیا... میں غل ہوا تھا...

"تارڑ بھائی... اس نے صرف اعتماد کیا۔"

"کیا ہو رہا ہے رای چاہا...؟" میں نے ذرا خوش دلی سے پوچھا۔

"میں اور ہر تھا... اس نے ناٹا پریت کی طرف اشارہ کیا" اور پھر دریا کے کنارے اس میدان میں کھڑا اور اور اور تیز تھا... تو میں اس کو تینک یو کہہ رہا تھا... شکریہ بولا کہ تم نے مجھے یہ سب کچھ ان آنکھوں سے دکھایا... اور پھر مجھے اتنی ہمت دی، اتنی صحت دی کہ میں یہاں پہنچ گیا... ان دونوں ہنزوں کا شکریہ کہا۔ وہ پھر مجھ سے الگ ہو گیا اور اور دیکھنے لگا۔

میں دریا کی گذرگاہ میں چلتا اپنے خیے تک واپس آگیا۔ خیے کا پردہ گرا ہوا تھا... دھوپ ڈھل رہی تھی... میں نے جنک کر پردہ اخھایا تو سیر اسی طرح لینا ہوا تھا... اس کا چہرہ دک رہا تھا اور آنکھیں سرفی میں تھیں اور وہ چپ تھا...  
"کیا بات ہے بیٹے؟"

"کچھ نہیں ابو..." اس نے منہ پرے کر لیا۔

میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا سر اپنے بازو پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو سنوارنے لگا۔ "کیا بات ہے سیر... ای یاد آ رہی ہیں؟"

"نہیں... اس کی آواز مدم تھی۔

"بھائی جان اور بھی یاد آ رہے ہیں..."

"نہیں ابو۔"

"تو پھر کیا ہے بیٹے؟"

اور پھر میرے اس بازو پر جس پر اس کا چہرہ آرام کرتا تھا... ایک نیم کرم

ناٹا پریت کی ایک تصویر اتاری جائے اور اس مقعد کے لئے میں خیے سے ہٹ کر بہت دور تک گیا، چلتا رہا۔ ممکن نہ تھا کہ خیے کے ساتھ ناٹا پریت پھولی تک ایک تصویر میں سا جاتی... ڈھلوان کے ساتھ زمین گلی تھی اور یہاں دیکھ کر چلا پڑتا تھا... کہیں کہیں چھوٹی ہالیں بھی پہل رہی تھیں... اور پھر آگے جا کر تھوڑی سی رست نظر آئی... یہاں دریا کی ایک چھوٹی سی شاخ بھتی تھی اور اس کے پار جانا آسان تھا کہ اس میں مناسب وقوف سے پتھر ابھرے ہوئے تھے، یوں بھی مجھے پار جانا تھا کیونکہ میں نے وہاں سے خامسے فاطمے پر رای کو سپاٹ کر لیا تھا... دریا کی اس شاخ سے پرے پانی کی وسیع گزرگاہ تھی... پتھر اور سکن اور کہیں کہیں رست... دریا کا مرکزی دھارا کہیں درمیان میں بہتا تھا۔ میں چھوٹی چھوٹی شاخیں پورے میدان میں ہموار چلتی تھیں... اور پھر قریب آ کر ایک بدن ہو کر روپل گلیشیز کے نیچے چلی جاتی تھیں... وہ روپل گلیشیز جس کے اوپر ہم نے یکپ کیا تھا۔

دریا اتنا ہمار تھا کہ یک رنگ سکنروں کے درمیان جہاں وہ بہتا تھا نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے پار ہو چاہا تھی اس میں وجہوں کی صورت میں چند موشی نظر آئے... وہ مجھ سے بہت دور تھے، میں سے تینک میں یکپ کو راستہ جاتا تھا۔

رای دریا کے دھارے کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور وہ سر اٹھا کر ناٹا پریت کو انتباہی محوت سے دیکھ رہا تھا۔ میں قریب ہوا... میں اس نے پٹت کر میری طرف دیکھا۔ نہیں حالانکہ اس نے جان لیا تھا کہ میں وہاں ہوں۔ وہ اسی طرح پورے منظر کو تیز ہوا میں دیکھتا جا رہا تھا...  
وہ دیکھتا رہا۔

اور میں بھی تاپ میدان کے اس وسیع منظر میں گم کھڑا رہا۔ کسی اور دنیا میں... کتنے الگ اور مختلف... کیا ہم وہی ہیں، لاہور اور اسلام آباد کی چالاکی اور منافقت اور ریاکاری کے نمائندے... پہنچے خال... سمجھ اور جھوٹ کے یوپاری... معاشرے کی جعلی اخلاقیات کو تقویت دینے والے... اور جب ہمارے اندر شور ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، یہ جھوٹ ہے تو ہم اس کے سامنے یہ بچ ہے گی بچ ہے کا لاڈو پتکر لگا دیتے ہیں... کیا ہم وہی ہیں... یا ہم آہست آہست بدل پکے ہیں... کچھ بوجھی کے باہر کی وسیع لینڈ یکپ میں... کچھ جیپ کے سامنے پرواز کرتے ہوئے چکوروں سے... کچھ تریکی کی سرد ہوا میں... کچھ روپل کے گل رنگوں میں اور بہت کچھ

بہادر جیل نے رای کی طرف منہ کھول کر دیکھا کہ اسے کیا اعتراض ہے اور پھر اس نے اندازہ لگایا کہ اسے جو بھی اعتراض ہے اس کی سمجھ سے باہر ہے اور وہ بس سیکھا چاہتا ہے کہ اس درخت کو نہ اکھاڑا جائے۔ اس نے اس تھے کو چھوڑ کر دوسرے تھے پر ہاتھ ڈال دیا۔

"نہ ہلے۔ دونوں کپوزیشن ہیں۔ کوئی اور درخت لے آؤ۔"

بہادر جیل نے میں پیغے اڑا اور دریا کے قریب زمین پر گرے ہوئے ایک بہت بڑے تھے کو گھینٹا ہوا لے آیا۔ "یہ تھیک ہے؟"

"ہاں شباباً۔" رای نے سرہلا یا اور پھر مسوب ہو کر اپنے آلو کھانے لگا۔ میں اپنے کافی کے گک پر جھک گیا۔ دریا اور ہوا کے ساتھ اب آگ کی آواز بھی تھی۔ اور اس کی گری جونہی سرد بدن کو چھوٹی سرد ہوا اسے سیٹ کر لے جاتی۔

"مژر ہیٹھ۔" رای محمد الفلاطون کو اسی نام سے پکارتا تھا۔ "آپ نچر ہیں تو کدھر پڑھاتے ہیں؟"

"ہم ادھر پڑھاتے ہیں۔" الفلاطون نے پاٹوں کی طرف اشارہ کر کے کوئی عجیب سا نام لیا۔

"تو ادھر اس علاقے کا کیا پر ابلم ہے؟"

"ادھر جا بے رو زگاری بہت ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے سکول بننا چاہئے۔ ادھر ہائی سکول صرف استور اور گریگوت میں ہے۔ اور پورے شمالی علاقے میں تین کالج ہیں۔ سکردو، گلگت اور چلاس۔ آپ والپس جا کر ادھر بول دینا کہ ادھر ہائی سکول ہا دے۔"

"اچھا بول دے گا۔" رای نے سرہلا دیا اور پھر جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو وہ اٹھ کر میرے پاس آگیا۔ "تارو صاحب آپ کو الری کی دوا چاہئے۔ میں چاہئے؟ اگر ضرورت ہو تو میرے پاس ہے الری کی دوا۔"

"رای صاحب میں نے پسلے بھی عرض کیا ہے کہ مجھے الری کی دوا نہیں چاہئے۔ الری ہو تو دوا مانگوں۔"

"آپ نے تو میرا دل توڑ دیا۔" میں خاص طور پر اپنے ساتھ الری کی دوا لے کر آیا ہوں۔ اور آپ لیتے ہی نہیں۔" وہ مکراتا ہوا اپنی جگہ پر والپس چلا گیا۔

گیلاہٹ بھیل گئی۔ پہلے ایک آنسو۔ اور میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا صرف اپنے ہاتھ پر محسوس کر سکتا تھا اور پھر ٹپ ٹپ تین چار آنسو۔ اور وہ میرے بازو سے بھیل کر کئی تھک پڑے آئے۔ میں بالکل بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اور پھر میں نے اس کا چھوڑا پہنچی جاہب کے بغیر اپنی الگیوں سے اس کی بھیجنی ہوئی آنکھیں حللاش کیں اور ان پر ہاتھ پھیرا۔ "اواس ہو گئے ہوئے ہیں؟"

"نہیں ابو۔" وہ اٹھ کر بینچ گیا۔ "یہ ٹاپ میدان بہت دور ہے۔ میں ترھک پنچوں گا تو تھیک ہو جاؤں گا، کم از کم دہاں جیپ تو آتی ہے۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

یہ گرے دوری کا احساس تھا۔ یہ گرے مکمل طور پر کٹ جانے کا احساس تھا۔

میں نے سوچا ہم اگلی سچ داہی کے لئے خیرہ سیٹ لیں گے۔

ٹاپ میدان کی وسعت ان چند چھوٹوں میں سست آئی جو خیسے کے قریب ایک بہت بڑے الاؤ کے قریب تھے اور ان پر آگ کی پرچائیاں حرکت کرتی تھیں۔ بہادر جیل درختوں کے سوکے ہوئے تھوں کو دونوں ہاتھوں سے گرفت میں لیتا اور انہیں ایک زوردار جھکے کے ساتھ زمین میں سے نکال باہر کرتا۔

یہ تھے سوکے ہوئے تھے اور ان میں سے پچھلے ہٹتے کی بارشوں کی نمی بھی تھک ہو چکی تھی۔ وہ الاؤ پر تھوڑی دیر تھک بے پروائی سے پڑے رہتے اور پھر یکدم جل اٹھتے۔

سلطان بیگ سے ایک تازہ روٹی اور ابلے ہوئے آلو لے کر آیا تھا۔ تازہ روٹی کو میں نے اور سیرنے بھیو اور ساروں میں چھلی کے ساتھ کھایا اور مشروب کے طور پر سیون اپ کے میں کھولے۔ آج ٹاپ میدان میں ہماری آخری شب تھی اس لئے ہم جشن کے موڑ میں تھے۔ ابلے ہوئے آلو رای کے لئے تھے۔

"نہ نہ۔" رای یکدم اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس وقت بہادر جیل خیسے کے ساتھ ایستادہ دو ٹنڈ مٹھے تھوں میں سے ایک پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ "اس تھے کون اکھاڑو۔ دیکھتے نہیں خیسے کے ساتھ ان دونوں سوکے ہوئے درختوں کی کپوزیشن بنتا ہے۔ بہا کپوزیشن خراب نہ کرو۔"

"ناظم کا دادا اس علاقے کا بہت بڑا شکاری تھا۔ اس کے پاس تو شکاری کئے تھے جن کی مدد سے وہ رپچھ کو بھی مار ڈالتا تھا۔ وہ چورت میں رہتا تھا۔ ایک مرجب اور ہاپ میدان کی طرف شکار کرنے آیا اور مارخور مارے لیکن شام سے پہلے مگر نہیں ہجئے کہ اس نے اور ہر یعنی رات گزارنا پڑا۔ اس نے ہماری طرح ایسے لکڑیاں جلا کیں اور بینٹے گیا۔۔۔ ابھی جلا کیں تو روئی آگئی۔۔۔"

"کیا آگئی؟" اب رای بھی دیکھی لینے لگا۔  
"روئی۔۔۔ یعنی چیل۔۔۔"

"اوہ باپ رے۔۔۔" رای نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کی اور سیر کے قریب ہو کر بینٹے گیا۔

"تو یہ روئی اس کی بیوی کی قتل میں اس کے پاس آئی اور کئے گئی، تم اور بینٹے ہو گر کیوں نہیں آتے؟ لیکن ناظم کا دادا پکچان گیا کہ یہ اس کی بیوی نہیں ہے بلکہ روئی ہے کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے پاؤں پیچھے کی طرف ہیں یعنی وہ بجهل بھری ہے۔ چنانچہ اس نے کہا تم گوشت کھاؤ گی؟ روئی نے کہاں کھاؤں گی۔ ناظم کے دادا نے مارخور کی ایک ٹانگ آگ میں ڈال کر بھونی اور پھر جب روئی اسے نکلنے لگی تو اس نے پاؤں سے پکڑ لیا اور مارخور کی ٹانگ کے ساتھ بہت مارا۔۔۔ اتنا مارا کہ روئی کئے گئی، مجھے مت مارو میں تمارے ساتھ شادی کر لوں گی۔ ہاں ناظم کے دادا نے ایک چالاکی یہ کی کہ اس نے روئی کے پاؤں میں ایک گانٹھ دے دی۔۔۔ اس طرح وہ کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ پھر اس نے شکار کا تمام گوشت روئی کے اوپر لادا جس طرح گدھے کے اوپر لادتے ہیں کیونکہ ایک روئی پانچ گدھوں کے برابر بوجھ اٹھا سکتی ہے۔۔۔"

ہم سب آگ کے قریب ہونے لگے۔ ہاپ میدان کی اس بڑی تھائی میں اور اس رات میں یہ کمائی ہمیں اپنے بہت نزدیک لگ رہی تھی۔

"۔۔۔ ناظم کے دادا نے روئی کے ساتھ شادی کر لی اور دو سال بعد اس کے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جب بیٹی ذرا بڑی ہوئی تو ایک روز بیٹی اور روئی میشی لے کر گاؤں سے باہر گئے۔ ہاں روئی نے کما بیٹی ذرا میرے پال تو دیکھ لو۔۔۔ بیٹی نے پال دیکھ کر کہا، اماں ان میں تو گانٹھ ہے۔۔۔ اور اس نے روئی کے پاؤں میں ٹھکی گانٹھ کھول دی۔ اس کے کھلتے ہی روئی کی قتل بدل گئی۔۔۔"

میں اپنی ڈاڑھی کھول کر ہاپ میدان کے بارے میں تفصیلات جمع کر رہا تھا کہ اس پہاڑی علاقے کا کیا نام ہے اور اس گلیشیر کو کیا کہتے ہیں جب میں نے سراغا کر سلطان سے کہا "سلطان کیا تم نے خود لا توبہ کے قریب جلپانیوں کو نانگا پرست سے اتر کر قبرستان والے میدان میں دوڑتے اور پھر واپس جاتے دیکھا ہے؟"

"ہاں ہاں۔۔۔" وہ پورے یقین سے بولا۔۔۔ "اگر پورا چاند ہو تو وہ آتے ہیں ہاں۔۔۔"

"اڑے اڑے سلطان۔۔۔" رای نے بڑی سمجھیگی سے اسے ڈانٹا "میں نہیں آپ اپنی نہیں سناؤ۔۔۔"

"میں سناؤں گا صاحب۔۔۔" وہ چپ ہو گیا۔

"ویسے آج چاند کی کیا تاریخ ہے؟" رای نے مجھ سے پوچھا اور اس وقت ہم سب نے پہلی بار آسمان کی طرف دیکھا اور ہاں چاند تھا۔۔۔ میں نے کہا پہلی راتوں کا بجا بجا چاند تھے تھا ہوا ہو۔۔۔ لیکن اس میں اتنی روشنی تھی کہ اگر ہمارا لاو روشن نہ ہوتا تو ہاپ میدان اور نانگا پرست بکھے بکھے نظر آتے۔۔۔"

"شاید آج چاند کی آنھوں یا توں ہے۔۔۔"

"پھر غیب ہے وہ سالا جلپانی ابھی چودہ تاریخ تک نانگا پرست پر ہی بیٹھا رہے گا پیچے نہیں آئے گا۔۔۔" رای نے تسلی سے ہاتھ ملے۔۔۔ میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ راتی نانگا پرست سے اتنے والے جلپانیوں کی کمائی سے کیوں اتنا خوفزدہ ہوتا تھا۔۔۔"

"ویسے صاحب اور اس قسم کی کمائی تو بت ہے۔۔۔ پری اور چیل وغیرہ کی۔۔۔" بہادر جیل کئے گا۔۔۔

"سناؤ۔۔۔" سیر نے شرات سے رای کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں کوئی نہیں سناؤ۔۔۔" رای نے شور چاپا۔۔۔ "رات کے وقت یا اکل سناؤ۔۔۔"

"ایک کمائی تو یہ جو لڑکا تھا تمارے ساتھ ناظم۔۔۔ اس کے دادا کے بارے میں ہے۔۔۔ محمد افلاطون بتانے لگا "کیوں بہادر جیل ناظم کا دادا تھا۔۔۔"

"ہاں جی۔۔۔ اور کمائی یا اکل پچی ہے۔۔۔"

## "گھر لوٹنے والے مویشی"

چواہوں کے جھونپڑے بوجھان پر تھے ابھی سورج کی آنکھ سے پوشیدہ تھے  
ای لئے سائے میں تھے اور ان میں سے دھواں انھوں رہا تھا۔  
دھوپ ناپ میدان میں ابھی پوری طرح نہیں پھیل تھی۔  
دریا کے پانی پر جہاں کہیں کرنسی پڑتی تھیں وہ زمین سے الگ دکھائی دیتا تھا۔  
میں اس کی درجنوں پچھوٹی پچھوٹی شاخیں پھلاں گ کریا ان میں پڑے پچھوں پر  
چل کر ناپ میدان کے درمیان تک پہنچ گیا تھا اور یہاں دریا کا بڑا وحارا ایک دھیتے  
شور کے ساتھ بہ رہا تھا۔ میں نے جنگ کرائے چہرے کو اس کے تازہ پانیوں کے  
ساتھ دھویا اور ان کی خلکی نے میرے ماس کو سرد کیا اور میں زیادہ دیکھنے لگا۔  
صح کے اس لئے ناپ میدان کے عظیم پھیلاؤ میں صرف میں تھا۔ ناٹا پرست  
صف آہاتوں میں بلند ہوتی تھی۔ اور پھر میرے سامنے پاول کا ایک پچھوٹا سا گمرا  
اس کے کسی گلیشیر میں سے انھوں کا اس کی چوٹی کے گرد پہنا اور وہیں نظر گیا۔  
سیاہ زودہ اور دوسرا مولیٰ جھونپڑوں سے نیچے آنے لگے۔  
میں خیسے کو واپس آیا تو ہمارا سلامان پیک ہو چکا تھا اور ایک پرست سیر خیسے  
کے دروازے پر بیٹھا ہوا اپنے بوگرز کے قلبے باندھ رہا تھا۔ قریب ہی ایک گدھا  
لاتلی سے گھاس چڑھا تھا۔  
"صاحب... ایک گدھا ابھی کم ہے۔۔۔"  
"تو کہہ مر گیا؟"  
"یہ وہ چالاک گدھا ہے جسے ہم باندھ کر رکھتے ہیں۔ اب وہ جنگ میں چھپ  
گیا ہے کیونکہ وہ جاتا تھا کہ آج بوجھ اخانا ہے۔۔۔"  
"یار سلطان گدمے کو کیسے معلوم ہو گیا کہ آج یہ بوجھ اخانا ہے؟"

"اوہ۔۔۔ مل بدل گئی۔۔۔ کیسے بدل گئی۔۔۔ کمانی ختم ہو گئی۔۔۔" راہی نے پوچھا۔

"ابھی جی مل بدل کر چھلوں مجھی ہو گئی اور پھر وہ پرواز کر گئی۔۔۔ لیکن جانے سے پہلے اس نے کماک کے میری طرف سے کلتھگ کو کہ دو کہ وہ زبان میں بت تھی ہوں گے اور جب وہ سو ہو جائیں گے تو پھر ان کے ہاں اولاد نہیں ہو گئی۔۔۔ کلتھگ بیشم ایک جگہ کا نام بھی ہے چورت کے پاس جہاں نائم کا وادا شکار کے لئے جاتا تھا۔۔۔ اور آج بھی ان کی نسل کی زبان بت تھی ہے۔۔۔ کوئی کہ روئی نے یہ کہا تھا۔۔۔"  
بجا ہوا چاند آہست آہست ناٹا پرست کے پیچے ہو رہا تھا۔۔۔ ستارے بھی دکھائی دے رہے تھے۔۔۔ پھر چاند کمل طور پر نظروں سے او جمل ہو گیا لیکن اس کی ہلکی روشنائی سے ناٹا پرست کا ایک حصہ زیادہ واضح دکھائی دیتے لگا۔۔۔ دریا کے پڑھتے ہوئے شور سے لگتا تھا کہ اس کے پانی قریب آ رہے ہیں۔۔۔ لیکن یہ خاموشی تھی جو آوازوں کو بلند کرتی تھی اور قریب لاتی تھی۔۔۔

ایک اللاؤ ہم نے فیری میڈو کی رات میں روشن کیا تھا۔۔۔ اسی پہاڑ کے دو سری جانب۔۔۔ لیکن تب ہم اس کے اتنے قریب نہ تھے کہ اللاؤ کی پچھائیاں برف پر لرزتی دکھائی دیتیں۔۔۔ ہم یہ اللاؤ کیوں روشن کرتے ہیں؟

شاید ہمیں اس اندر سے سے الجھن ہوتی ہے جو ہماری جانب پڑھتا ہے۔۔۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ! تھی ہوا شراروں کو اڑاتی تھی اور وہ عارضی جگنوں کی طرح فضا میں بلند ہو کر بجھ جاتے تھے۔۔۔

دینا کے پس مکر میں بہت ی مخفی اور معلوم سائگ رہا تھا لیکن اس کی آواز اس کے وجود سے کئی گناہ بڑھ کر میدان پر پھیلی تھی۔

"یہ اس جپانی لیڈی کو لینے آیا تھا جس کی ناگ نٹ گئی ہے۔۔۔" یہی کاپڑ گلیشیر کی دیوار کے اوپر اڑتا ہوا روپل کی جانب چلا گیا۔

"گدھا آگیا صاحب۔۔۔" سلطان نے ڈھلوان کی جانب اشارہ کیا۔

یہ گدھا اتنی دور سے سلطان کو جانے کیسے دکھائی دے گیا کیونکہ ہم نے اسے صرف اس وقت دیکھا جب وہ دریا کے کنارے تک آگیا۔ گدھے کے ہمراہ محمود کا والد تھا۔ ایک مضبوط جسم کا پست قد مشقی بوڑھا جو ہربات منہ کھول کر سناتا تھا۔ ہماری زبان سے بالکل ثابت اتفاق اور وہ یہی شہزادی کے ساتھ کو غور سے دیکھتا رہتا چیزیں کسی نے نہ دیتی اس کی ذیبوٹی لگا دی ہے کہ ان چیزوں کو دیکھتے رہو اور وہ اس ذیبوٹی سے عجک آچکا تھا۔ اس کی واحد خوشی نسوار کی ایک ذیبوٹی تھی جسی وہ نکال کر حسب عادت بہت دیر تک دیکھتا اور پھر ایک چلکی بھر کر لے گئے دیکھتا اور ایک سرخوشی کے عالم میں چلا جاتا۔ میں نے اس کے ساتھ سفر کے دوران محسوس کیا کہ وہ اپنے گدھے کی رفاقت میں یہ خوش رہتا ہے۔۔۔

"صاحب آپ روانہ ہو چاہے۔۔۔" سلطان کرنے لگا "ہم سلان لے کر آتے ہیں۔۔۔"

ہم تینوں چلنے لگے کیونکہ اب ہم راستہ جانتے تھے۔۔۔ میرا ایک ایسے اڑیال کی طرح پلاں میکنی بھرتا ہوا چلنے لگا جس کا مالک اسے تھوڑی دیر کے لئے پیغام سے باہر نکلا ہے۔۔۔ اس کا پورا وجود عمل خوش تھا۔

راہی نے میری جانب دیکھا "گھور کھو گائے۔۔۔"

"راہی چاچا کیا کہتے ہو۔۔۔ بنگال میں کچھ کہتے ہو؟"

"ہا۔۔۔ بنگال میں کہتے ہیں کہ گھور کھو گائے۔۔۔ گھر کو لوٹنے والا موٹی یہی خوش ہوتا ہے۔۔۔ میرا کو دیکھو"

ہا۔۔۔ میر گھر کو لوٹنے والا موٹی تھا۔

آج شام ہم نے روپل میں یکپ کرنا تھا۔ پسلے ہنسنگ میں یکپ جانے کا پروگرام ہا۔ لیکن اس صورت میں روپل مس ہوتا تھا اور ہم روپل کو مس نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔۔ نانگا پریت کی چوٹی کے پاس کوئی چھوٹی سی کمی نما جیز حرکت کرتی تھی۔۔۔ ہم تینوں کھڑے ہو گئے۔۔۔ یہ کیا ہو سکا ہے؟ پھر احساس ہوا کہ یہ گلکت سے اسلام

"علوم ہے ہاں صادب۔ گدھا یو تو قوف نہیں ہوتا۔ بہت سمجھ و الا ہوتا ہے۔۔۔" محمود کا والد اس کے پیچے گیا ہے، وہ اسے لے کر آئے گا۔۔۔" پھیل شہ محمود نے ہمیں جایا تھا کہ اس کا والد والپی پر ہمارے ساتھ جائے گا کیونکہ اسے زندگ سے پیغام آیا تھا کہ اور اس کے لئے ایک ٹیم کا بندوبست ہو گیا ہے۔۔۔

"پہنچ کمل ہو گئی" ناشت کر لیا گیا اور پھر ہم جگل میں چھپے ہوئے گدھے کا انتظار کرنے لگے۔ اور چونکہ یونہی منہ بند کر کے انتظار کرتا بہت وشوار ہوتا ہے اس نے ہم نے سلطان سے کما کر وہ بے کار نہ بیٹھے اور پیکٹ سے چکن کارن سوپ تیار کرے۔۔۔ چنانچہ ہم گرم چکن کارن سوپ کی پیکٹوں کے ساتھ جگل میں چھپے ہوئے گدھے کا انتظار کرنے لگے۔

چکن کارن سوپ ختم ہوا تو مجھے انہوں کی پوٹی کا خیال آگیا۔۔۔ "سلطان۔۔۔ ہمارے انہے"

سلطان نے اپنی جیکٹ کی جیب کو تھپکا "ادھر ہے۔۔۔ لیکن صرف دو رہ گیا ہے۔۔۔"

"یاد رکھنا آج شام ہم ان کا آمیٹ ہنا کر کھائیں گے۔۔۔ نجیک ہے؟"

"نجیک ہے صاحب۔۔۔"

ہم ان انہوں کو ہر جگہ اٹھائے پھر تے تھے لیکن جہاں کہیں یکپ کرتے اسیں نوش کرنا بھول جاتے اور یہ کم ہوتے جا رہے تھے۔۔۔ میں نے سلطان کو ایک بار پھر ناکید کی کہ سلطان آج شام۔۔۔

"تارو صاحب آپ کو الرجی کی دوائی چاہئے۔۔۔" راہی نے بڑے درد بھرے لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں۔۔۔"

"میں تو خاص طور پر اسلام آباد سے لایا تھا۔۔۔ اگر آپ کو ضرورت پڑے تو بلاکلف مانگ لجھے گا"

دریا سے پرے، سیل پہاڑی کے پیچے سے جہاں نانگ بھیں یکپ تھا ایک سخت سخت کی آواز آئی اور میدان میں پھیل اور پھر ایک بڑا سارا پھر نمودار ہوا۔۔۔ سلطان نے آنکھوں کے سامنے چھا بنا کر اور ہر دیکھا۔۔۔ ہم سے کئی کلو میز کے قابلے پر گلیشیر کی دیوار کے پیچے سے ایک یہی کاپڑ ابھر رہا تھا۔ وہ نانگا پریت کی وسیع

"ان پھولوں کا نام کیا ہے سلطان؟"  
 "بیتاً ہوں۔۔۔ میں لاتاً ہوں آپ کے لئے" اس نے پانی کا کینن پگڈھڑی پر رکھا اور یکدم نئے اترنے لگا۔ اسے ہم نئے اتنا تو نہیں کہ سکتے کیونکہ ڈھلوان اتنی تجز اور بھر بھری تھی کہ اس نے پگڈھڑی سے پاؤں نئے رکھا تو نئے سے منی تکل گئی اور وہ ایک ایسی کارکی طرح آگے ہونے لگا جس کی مکمل بریک لگ بھلی ہو اور وہ اپنی پہلی رفتار کے زور سے خواہ خواہ آگے جا رہی ہو۔ میرا تو دم رک گیا، سلطان کیا کر رہا ہے۔۔۔ وہ سیدھا نئے گلیشیر میں جا سکا تھا۔۔۔ لیکن وہ ان پھولوں کے قریب جا کر روکا اور اپنی سیست کر پھر اپر آنے لگا۔ اور اپر بھی وہ اس طرح آیا کہ ایک قدم اپر اور دو قدم نئے خواہ خواہ۔۔۔ "صاحب یہ پھول چڑ کی کھلا تا ہے۔۔۔ اسے سر درد کے لئے سو گئتے ہیں۔۔۔ آپ سو گھو۔۔۔"

پھر ہم چڑ کے جگل میں آگئے برج کے نیزے میزے سفید درخت اور ڈھلوانوں پر تھے سنوارائی کی قربت میں۔۔۔ یہاں سے ہم نئے اترے۔ دریائے روپل کا مخدوش پل عبور کیا اور اس جگہ پر جا کر رکے جہاں ہم دوپہر کے کھانے کے لئے ٹھہرے تھے۔۔۔ چڑ کے بلند درختوں کے سامنے میں ایک بہت بڑی کھوف۔۔۔ وہ پھولوں پر چھٹ کی طرح رکھی ایک چنان۔۔۔ ہم نے وہاں آرام کیا، دوپہر کا کھانا کھایا۔۔۔ اور پھر دیر اس خیال میں رہے کہ یہ جگہ شب بھری کے لئے کتنی پر سکون اور مناب ہے لیکن پھر ہمیں واوی ڈروپل کے سورنگ یاد آئے اور ہم نے ان کی طرف کوچ کیا۔ اس جگہ کو مقامی باشدہ پچاٹ کرتے ہیں۔۔۔ یہاں سے ایک بلندی سامنے آتی ہے جس پر ایک کچھ راستہ ہے اور وہ راست جب اپر جا کر فتح ہوتا ہے تو اپر روپل سامنے آ جاتا ہے۔

اپر روپل کے گھر اسی طرح دیران تھے۔۔۔ اسی طرح اجڑے ہوئے تھے۔۔۔ ہم ان سے پرے ہو کر کھجتوں میں چلتے گئے۔۔۔ دور ہر ہاول میں ایک گلابی رنگ کا گھرا ہوا میں پھر پھر ایسا تھا اور پھر کھجتوں پر ڈھیر ہو جاتا تھا۔۔۔ یہ ہم بہت دیر سے اور بہت دور سے دیکھ رہے تھے اور جب ہم نزدیک ہوتے گئے اور جب اس کے پاس آگئے تو دیکھا کہ یہ تم پورا ہیں، تمن غیر ملکی سیاح ہیں اور یہ چند حضرات ایک نیچے کے پکڑے کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اسے کھت کے درمیان میں لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔ اور یہ کوشش مچھٹے نصف کھٹے سے جاری تھی کم از کم۔۔۔ کیونکہ ہم نصف کھٹے سے ان کی طرف بڑھ رہے تھے اور دیکھتے دیکھتے گلابی کپڑا ہوا میں پرندے کی طرح اٹھتا ہے اور

آباد جانے والا تو کر جماز ہے۔۔۔ لیکن یہ اوھر ہے دریائے مددہ کے اوپر نیزی میدوں کی جانب۔۔۔ ہم ڈھلوان عبور کر کے وہاں تک آئے جہاں سے پتھر شروع ہو جاتے تھے۔۔۔ سیر آگے آگے جا رہا تھا اور میں اسے پار بار روکتا۔۔۔ لیکن وہ اس وقت گھور کھو گئے تھا۔ جس مقام پر دریائے روپل ٹاپ میدان کی وسعت ملے کرنے کے بعد روپل گلیشیر کے نئے جاتا تھا وہاں ہم تھوڑی دیر کے لئے رکے یہاں پہاڑ کی ڈھلوان اتنی شدید تھی کہ میں نے اپنی چھڑی زمین پر رکھی تو وہ دو میز تک لاٹھنی گئی۔۔۔ نئے روپل گلیشیر کے سفید اور سیاہ ہاتھی، درجنوں ہاتھی ماتھے جوڑے زور لگا رہے تھے اور ان کے نوٹھے گرنے اور دریا میں لاٹھنے کی خوفناک آوازیں ہیں ایک مرتبہ پھر دہشت زدہ کرتی تھیں۔۔۔ جب ہمارے گدھے اور پورا ہم تک پہنچ گئے تو پھر نیم کی صورت میں سفر شروع ہو گیا۔

وہ مقام آیا جہاں ہم نے قیام کیا تھا۔۔۔ میری ڈاڑی کا پھٹا ہوا ورق پھولوں میں اٹکا ہوا تھا۔۔۔ ہمارے الاو کے نشان وہاں ایسے تھے جیسے ہم ابھی انٹھ کر گئے ہوں۔۔۔ اور ہم ابھی انٹھ کر گئے تھے کیونکہ ٹاپ میدان اور لاٹوبو ابھی سے گم ہو رہے تھے۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر پسلے ہم وہاں تھے۔۔۔ ناٹا پرست کے گرد آج ہاول تھے اور اس کا تھوڑا سا حصہ نظر آتا تھا۔۔۔ نئے میں یکپ میں چونی کے میں نئے دھنڈھنی ہوئی تھی۔

ہم وہاں رکے اور سلطان اپر سے پانی لے کر آیا۔ اور کسی چنان کے اندر میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا۔۔۔ ایک ہاتھ میں پانی کا کینن اور دوسرے میں گلابی رنگ کے پھولوں کا ایک چھا۔۔۔

"یہ نوپلی پر لگاؤ سیر صاحب۔۔۔" سیر اکٹھ گرم پچھانی نوپلی پہنچتا تھا اور گورے چنے رنگ روپ کی ہنا پر یہ نوپلی اس پر بھت بھی بہت تھی۔۔۔ بلکہ دور سے بعض اوقات وہ ترٹھ کا کوئی کسان پچھ لگاتا۔۔۔

"تم لگا دو" اس نے نوپلی سلطان کو دے دی۔۔۔ اور سلطان نے بڑے اہتمام سے وہ پھول نوپلی کے ایک جانب اڑس دیے۔۔۔ اُس نہیں دنوں میں کہتے ہیں ان پھولوں کو۔۔۔ اور جو لڑکا یہ پھول لگائے اس کی شادی جلد ہو جاتا ہے۔

شوکور سے ذرا آگے ایک تک پگڈھڑی پڑتے ہوئے میں نے نئے دیکھا۔۔۔ وہ روپل گلیشیر اور دریا کا شور اور چنان میں سے لکتے ہوئے چند پھول۔۔۔

دانشور سیاح نے ہمارے گدھوں کے قریب جا کر ہمارے سامان کا معائنہ کیا اور پھر میرے پاس آ کر کنے لگا "تمارے پاس بھی تو خیز ہے؟"  
"ہاں ہے۔"

"اور ظاہر ہے کہ یہ کھڑا ہو جاتا ہے۔"

"سو فیصد۔"

"اور اب تم نالگا پرست سے واپس جا رہے ہو! نمیک ہے؟ تو خیز اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کو خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ قیمت تم بتا دو۔"

"ہم آج رات وادی ۶ روپیں میں اور ..... اس خیزے میں گزارنا چاہئے ہیں۔"

"وہ رات یہیں گزار لو۔ دیکھو اگر ہمارے پاس خیر نہیں تو ہم آگے مانندہ تک نہیں جا سکتے اور ہمیں یہیں سے واپس گلگت جانا پڑے گا کیونکہ گلگت سے اوہ روت کسی خیزے کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قیمت تم بتا دو۔"  
محمود بھی کہنے لگا کہ صاحب ذرا تیز چل کر شام تک تریکھ بخج جاؤ۔ اور خیزے کو فروخت کر دو۔ جو قیمت مانگو گے یہ ہنس کر دوں گے۔

لیکن میرے لئے روپیں میں شب بسری کاروبار سے زیادہ انہم تھیں۔ ہم نے مناسب الفاظ میں مددوت کی اور اپنے گھٹے ہائکے ہوئے پھر چلنے لگے۔ میں جب بھی مذکور دیکھتا گالبی خیز سر برز کھیتوں میں پھر پھر لٹا ہوا اور گرتا ہوا نظر آتا۔ ہوا چلنے لگی اور کبھی کبھی ایک آدھ بوند بھی کرنے لگی۔

پھر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک پورٹر اپنا محمود تھا۔ وہ خیز چھوڑ کر ہماری طرف آگیا۔

"صاحب آپ ذرا اس ٹینٹ کو دیکھو۔ یہ ہم سے لگ نہیں رہا۔"  
وادی روپیں سائے میں آ رہی تھی اور سائے کی وجہ سے اس کے کھیتوں کی ہر اولاد گمراہ ہو رہی تھی۔ اپر روپیں دیران پڑا تھا اور لوڑ روپیں یہاں سے ابھی دور تھا اور ہمیں دہاں جانا تھا۔ اور کھیتوں کی گمراہ ہر اولاد پر گلابی خیزہ سمنا ہوا پڑا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" میں نے ایک سعنک اور دانشور ٹم کے سیاح سے دریافت کیا۔

"دنیا ماسک سے بھری چڑی ہے۔ کم از کم ہم تینوں کی دنیا۔ ہم سونٹزو لینڈ سے آئے ہیں اور گلگت بخج کر ہم نے یہ خیزہ تی ایم بیک سے کرائے پر حاصل کر لیا۔ آج دوپر تریکھ پئچے اور دہاں رکے بغیر سفر شروع کر دیا۔ ہم مانندہ پاس جا رہے ہیں۔ آہ" اس نے مایوسی سے سر جھکا "پہلے تو ہم مانندہ پاس جا رہے تھے اب پہ نہیں کہاں جا رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں بخج کر یہ خیزہ کھولا ہے اور لگانے کی کوش کی ہے تو گلا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے یہ مکمل نہیں ہے۔"

دوسرے سیاح جو نوجوان تھا کھیتوں میں گھوم کر پھول جمع کر رہا تھا، وہ ہمارے پاس آئی "اگر یہ خیزہ نہیں لگ سکتا تو ہم مانندہ پاس نہیں جا سکتے۔ آج کی رات تو ہم کسی جھوپرے میں گزار لیں گے لیکن یہاں سے آگے کیا ہو گا۔" میرا خیال ہے کہ ہماری سالانہ چھٹیوں کا یہہ غرق ہو چکا ہے اور ہم مانندہ کو بھول کر واپس سونٹزو لینڈ چلے جائیں۔"

باقیہ دو پورٹر اور ایک سیاح اس دوران خیزے کے کپڑے اور رسیوں اور راڑو کے ساتھ اچھتے رہے کہ کسی طرح سمجھے اور کھڑا ہو جائے۔ لیکن وہ کھڑا نہ ہوتا تھا بلکہ فوراً ڈھیسے جاتا تھا۔ ویسے یہ والا خیزہ تھوڑا چیزیدہ بھی تھا۔

میں نے گلگت واپسی پر جب بیک صاحب سے ان کے خیزے کی ناموی کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے "میں نے اسیں زور دے کر کما تھا کہ پہلے اس خیزے کو کھول کر زمین پر لگا لو پھر ساتھ ملے جائا لیکن وہ کہتے تھے کہ ہم جلدی میں ہیں اور یوں بھی سوں لوگ خیزوں کے بارے میں پاکستانیوں سے زیادہ جانتے ہیں۔"

تو جو ان ذرا چہا "بند کر کے کیا کرنا ہے۔ وہ کھلا ہے۔"  
 "سلطان خان۔۔۔ سلامان واپس گدھوں پر۔۔۔ ہم سکول کے قریب خیر لگائیں  
 گے۔"

سلطان نے میرا فیصلہ پہنند کیا "ادھران کو شام کی روٹی کا کما ہے تو اب چلے  
 جائیں تو اچھائیں ہے۔۔۔"

"تم روٹی یہاں لے کر آ جاتا۔۔۔ سلامان گدھوں پر۔"  
 سکول کی غارت راستے سے ذرا بہت کر تھی۔ میں نے برآمدے میں جا کر ایک  
 دروازے کو دھکیلا تو وہ فوراً کھل گیا۔ ایک پڑا کمرہ، دو کھڑکیاں، کھڑکیوں میں شیشے  
 لگے ہوئے۔ فرش لکڑی کا جس پر بکریوں کی سیکنیں اور چارہ نکھرا ہوا اور جتاب ایک  
 شاندار چھٹ۔۔۔ شام قریب ہو، ہوا تیز ہو اور سرو ہوا ہو اور بارش کا امکان ہو تو ناگا  
 پرست کی وادی روپل میں رات گزارنے کے لئے ایک آوارہ گرد کو اور کیا چاہئے۔۔۔  
 ایک نہیں تین آوارہ گردوں کے۔۔۔

"یہ اچھا ہے صاحب۔۔۔" سلطان کا موڈ بھی تھیک ہو گیا "میں اس کو اور اچھا  
 کرتا ہوں" اس نے چند شنبیاں ہوڑ کر ایک جھاڑو بنایا اور اس کمرے کو صاف کرنے  
 لگا۔

بابا محمود نے گدھے ان پیک کے اور پھر نسوار کی چکلی مند میں رکھ کر ایک  
 پر امن مسکراہٹ کے ساتھ ہم سے الگ ہو گیا۔  
 لکڑی کا فرش صاف ہوا تو اس پر خیسے کا کپڑا بچا کر سیلپیگ کیک کھول دیئے  
 گئے۔ کچھ سامان کھڑکیوں میں رکھ دیا گیا اور یوں ہم روپل میں بے گفر اور آرام سے  
 ہوئے اور بڑے اطمینان سے ہوئے۔۔۔

کمرے کی ایک کھڑکی بچھلی جانب کھلتی تھی۔۔۔ اس کے دو فریم شیشے سے خالی تھے  
 اور باہر کا منظر صاف دکھائی رہتا تھا۔۔۔ ان دو فریمیوں میں الگ الگ شاید اس وقت  
 کی۔۔۔ خوبصورت تین تصویریں فریم میں جڑی ہوئی تھیں۔۔۔ ایک فریم میں گلابی  
 پھولوں کا ایک پورا کھیت تھا اور دوسرا فریم میں ایک راست تھا جس کے دونوں  
 طرف پھول تھے۔۔۔ یہ دو تصویریں۔۔۔ زندہ تصویریں ہمارے کمرے کی زیبائش تھیں۔۔۔  
 دیواروں پر بچھوں نے۔۔۔ دنیا کے تمام بچھوں کی طرح چیزوں اور طوطے بیانے تھے لیکن  
 ان کے علاوہ انہوں نے اپنے خیالات کی تربجاتی بھی کی تھی۔۔۔ دیواروں پر جو فقرے  
 کوئی سے لکھے گئے تھے وہ کچھ یوں تھے۔

"وادی روپل دیکھنے والے آوارہ گرو  
 کی مسکراہٹ میں فرق ہوتا ہے"

لوڑ روپل تک پہنچتے پہنچتے ہوا بھی تیز ہوئی اور سرد بوندیں بھی۔۔۔  
 میں اپنے آس پاس کو اس نظر سے دیکھتا جا رہا تھا کہ یہاں کس جگہ پر آسانی  
 سے خیر لگ سکتا ہے۔۔۔ ایک چھوٹے سے خوبصورت جاپانی طرز کے قدرتی بلخ کو  
 دیکھ کر میں روک گیا "سلطان یہاں؟"  
 "نہیں صاحب ادھر قریب پانی نہیں ہے"

ہم پھر چلتے گئے۔۔۔  
 داگیں ہاتھ پر ایک لکڑی کے گھر کے ساتھ سر بیز ڈھلوان تھی اور تین درخت  
 تھے جو ہوا کے زور سے جھولتے تھے۔ درختوں کے نیچے جگہ ہموار تھی۔۔۔ "یہاں نہیں  
 ہے صاحب۔۔۔ بارش سے بچاؤ بھی ہو گا" سلطان گھر کے اندر جا کر اس کسان خاندان  
 سے اجازت لے آیا تھا اور ان سے رات کے کھانے کے لئے روٹی کا سوال بھی دراز  
 کیا تھا۔۔۔

بیا اپنے گدھے سے سلامان اتارنے لگا۔۔۔  
 روپل کے چند لوگ ہمارے گرد جمع ہو گئے "یہاں سردی ہو گی باہر۔۔۔"  
 اور مجھے رہ رہ کر اپنے باریک خیسے کا خیال آنے لگا۔۔۔ وہ بارش کو نہیں روک  
 سکتا تھا۔۔۔ اگر رات کو بارش تیز ہو گئی تو۔۔۔ ہوا میں بھی خاصی خنکی تھی۔۔۔  
 "یہاں کہیں سکول نہیں ہے۔۔۔" میں نے ایک تو جوان لڑکے سے پوچھا۔۔۔  
 "ادھر آگے ہے۔۔۔ پر ان دونوں چھٹیاں ہیں اور وہ بند ہے۔۔۔"  
 "اگر وہ بند ہے تو اس کے تالے کی چالی کس کے پاس ہوتی ہے؟"

"بیلو... ذرا ادھر آؤ"  
وہ جبکتا ہوا آگیا۔ اس کے کام سے پر خفتر سامان تھا۔ بال لے تھے جن کی  
اس نے پھیا ہا کر فکار کی تھی۔ وہ ایک خوش مغل جانپی تھا۔  
"بیلو۔" اس نے قریب آ کر کما اور سر ہلا کر مکرانے کا "تم رہتے ہو  
؟"

"میں... روپل میں یہ میری پہلی شام ہے۔ تم کمال گھوم رہے ہو؟"  
"میں تریک سے آ رہا ہوں اور شام ہونے کو ہے۔ رات گزارنے کے  
لئے کوئی محفوظ جگہ خلاش کر رہا ہوں۔"  
"ادھر آؤ۔" میں نے اشارہ کیا "ادھر۔"

وہ جبکتا ہوا برآمدے میں آگیا۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اندر  
آئنے کو کہا۔ "کیا خیال ہے کیا یہ رات گزارنے کے لئے محفوظ جگہ ہے کہ نہیں؟"  
وہ مکرانے کا لیکن اسے یقین نہیں آیا۔ ایک بے آسرا آوارہ گرو کو جب  
کسی اپنی وادی میں شام ہو جائے اور اسے ایک جائے پناہ مل جائے تو اسے فوراً  
یقین بھی نہیں آتا۔

"کیا میں یہاں رات گزار سکتا ہوں"  
"آپ ہمارے مسامن ہیں۔"

وہ کوزی تھا۔ ایک جانپی ناٹ بود کہ جو ہر برس اپنا تحری ٹیس سوت اتار ایک  
ڈھنل پتوں اور جیکٹ پہنتا تھا۔ اپنی ڈی کلس کار اور خاندان اور جانپن کو چھوڑتا تھا  
اور قراقرم یا ہالیہ کی واریوں میں آوارہ ہو جاتا تھا۔ وہ اگریزی آسانی سے اور بے باکی  
سے پوٹا تھا۔

اس نے ہمارے کمرے میں محلے ایک اور دروازے کے اندر جھانکا۔ یہ  
سکول کا دوسرا کمرہ تھا۔ "اگر میں اس کی مقابلی کر لوں تو کیا میں اس میں رات گزار  
سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں۔"

تحوڑی دیر میں کوزی اس کمرے کو ربانش کے قاتل ہا کر اس میں کوزی ہو چکا  
تھا۔

کھانا تیار ہو چکا تھا۔  
"کوزی کیا تم کچھ کھانا پسند کو گے؟"

یہ ایک گدا سکول ہے  
یہ ایک چوٹا سکول ہے  
مجھے یہ سکول پسند نہیں۔ سکول فضول ہے  
اس سے بہتر میرا گھر ہے۔  
بچوں نے بطور خاص ایک جپ اور ایک بس کی تصویر بنائی تھی۔ شاید یہ ان کی  
خواہش تھی کہ ان کی وادی تک یہ دونوں چیزوں آجائیں۔

سکول کے برآمدے میں روپل کے چند بچوں کے درمیان رائی بیٹھا تھا اور ان  
کے سچھ بنا رہا تھا۔ سیر پھولوں بھرے کھیتوں میں ایک خصوصی مشن کے لئے کیا ہوا  
تھا۔

سکول کے سامنے وہ راست تھا جو اپر روپل سے آ رہا تھا اور تریک کو جا رہا  
تھا۔ تریک گلیشیر کی دیوار یہاں سے قریب تھی۔  
سلطان نے حسب معمول چولما گرم کیا اور دال چاول تیار کرنے لگا۔ اس  
دوران میں نے ایک مقامی باشندے سے پانچ انڈے اور تھوڑا سا مکمن خریدا تاکہ  
dal سے پچھا چڑا کر آلیٹ چاول کا ڈنر کیا جائے۔  
ہم محفوظ تھے... اور شائد اسی لئے بارش کا خدش بھی ختم ہو گیا اور جو یوندا  
باندی جاری تھی وہ بھی رک گئی۔

اس شام روپل سکول کے برآمدے میں بڑی رونق تھی۔ دو گدھے جو پھول چر  
رہے تھے۔ سلطان کا دھوان دیکھا ہوا چولما۔ رائی کی مصوری۔ روپل کے پیچے... اور  
ان سب کے آس پاس ایک ایسی وادی جس میں سورج تھے اور سب کے سب شاخ  
تھے اور کھیتوں میں ابھی ابھی ان کی بارش ہو کر رکی تھی۔

تریک جانے والے راستے کے ساتھ پانی بھی پہنچا۔ اور میں نے دیکھا  
کہ اس راستے پر ابھی شام گردی نہیں ہوئی اور ایک غیر ملکی سیاح چلنا آ رہا ہے اور  
اس کی چال میں روانی نہیں ہے جیسے وہ رکنا چاہتا ہے، "ٹھرنا چاہتا ہے۔" اس کے  
ساتھ ایک مقامی پچھے تھا جو منہ الخانے اس کے ساتھ ساتھ چلتا آ رہا تھا۔ اور میں  
جان گیا کہ وہ ایک آوارہ گرو ہے اور رات سر پر ہے اور وہ ایک چھت خلاش کر رہا  
ہے۔

"بیلو۔" میں نے اسے پاتھک ہالیا "کمال سے آئے ہو؟"  
وہ دیکھ رک گیا "جانپان" اس نے جواب دیا اور پھر جلنے لگا۔

ساتھ گئے ہوئے ہیں۔ تو اس راستے پر تھوڑی دیر چلتا چاہئے اور روپل کی اس ستری اور سترنڈک والی صبح کو چلتا چاہئے اور دیکھتا چاہئے کہ وہ کمال جاتا ہے۔ اور یہی ہماری نظری تھی۔ وہ راستہ تقریباً پاگل پن کو جاتا تھا۔ یہ مخطوط المواں ہونے کا آسان ترین راستہ تھا۔ اور ہم اس راستے پر چلتے تو بالکل صبح الدنیع تھے لیکن تھوڑی دور چلتے تو قدرے خبلی ہو گئے۔ یہاں ایک اور مقام آتا ہے جہاں میں بے بن ہو جاتا ہوں۔

اس راستے پر ہم آہست آہست چلتے اور سامنے برف پوش چھٹوں پر وحدنہ ارتقی تھی اور سرد ہوا کھلے گلے کی تیض میں جا کر بدن پر برف ہوتنوں کی طرح چلتی تھی۔ گھونڈے کچھ تھے اور کھنکیوں میں سرخ رنگ کی چادریں دھکائی دے کر او جمل ہو جاتی تھیں۔ کھیتوں میں صرف یہ کہ دننا کہ پھولتے ہست زیادتی ہے۔ ان میں جو رنگ تھے رنگوں کے ہو چھینتے تھے اور ان میں روپل کی واوی کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو راستے کے ساتھ ساتھ ہمیں دیکھتے ہوئے چلتے تھے۔ ان بچوں کے لباس بے حد دیدہ زیب تھے بلکہ وہی رنگ تھے جو کھیتوں میں تھے۔ ان کے باخنوں میں گلدستے تھے جو ہمیں دننا چاہتے تھے لیکن بچکتے تھے۔ ایک پیاری ہی روپلی بچی نے جس رنگ کے پھولوں کا انبار تھا بس اس کی گول نوپی میں وہی سب رنگ تھے۔ اور جس کھیت میں وہ کھنی تھی وہاں بھی وہی رنگ تھے۔ تو دیکھنے میں دشواری ہوتی تھی کہ ان سب کو الگ الگ کیسے دیکھیں۔ سیر ان بچوں کو جاتا تھا لیکن ان میں جبکہ بہت تھی۔ میں تصویر اتارنے لگتا تو وہ بھاگ جاتے۔ پھر اس راستے کے انتہام پر ایک ایسا مقام آیا جہاں ایک شفاف ہالی کے گرد گھاس تھی اور گلابی پھولوں کے ڈھیر تھے۔ اور دور تک تھے۔

بچھے معلوم ہے کہ اس وقت میں مکراۓ چلا جا رہا تھا اور یہ مکراہٹ ایک خبلی انسان کی تھی۔ بس یہی جھیتیں تھیں۔ یہی جنت کی حقیقت تھی۔ ایسی جھوٹوں پر ہی لا کر تو انسان کو کہا جاتا تھا کہ اگر یہاں واپس آتا چاہے ہو تو تھیں مرنा ہو گا۔ اور وہ واپس آئے کے لئے مرتا تھا۔ لیکن یہاں واپس آئے کے لئے تو زندگی درکار تھی۔ اور ہم خود آئے تھے لائے نہیں گئے تھے۔ بس یہ ہے کہ جب انسان اپنی نارمل زندگی میں لوٹتا ہے تو اس کی مکراہٹ میں فرق آچکا ہوتا ہے۔ یہ مکراہٹ کچھ ہمکی ہی حفاظت اور پاگل پن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور اس مکراہٹ میں

”تمیں شکریہ۔ میں نے شام کے کھانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔“ اس نے میں کے ایک ڈبے میں سے دو ناکمل بیکٹ ٹھالے ”میرے پاس ہوس کا ایک بیکٹ بھی ہے۔“

”تم ان بیکٹوں اور ہوس کو کسی مشکل وقت کے لئے بچا رکھو اور آج کی شام ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔“

کوزی کے سامنے جب نوڈل سوپ آیا تو اس کے چہرے پر ایک بے چارگی سی پھیلی ”یہ آپ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ نوڈل سوپ میرا پسندیدہ ہے۔ یہاں ہالیہ کی ایک وادی میں نوڈل سوپ۔“ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

کھانے کے بعد کافی کے لئے ہم برآمدے میں آپنے۔ اندر لکڑی کے فرش پر دو مووم بیچاں روشن تھیں۔ دروازہ کھلا تھا۔ ہمکی ہی روشنی برآمدے تک آتی تھی۔ لیکن اس سے پرے سب کچھ اندر جرے میں گم تھا۔ ایک سرد سکوت تھا۔ ہاں ایک گھری اور گھنی ملک تھی جو کھیتوں کے بیڑے اور جنگلی پھولوں کی نیم خوابیدگی سے اٹھ رہی تھی۔ انسانوں کی طرح اکثر پوئے رات کے وقت آرام کرتے ہیں۔ ان کے پہنچے اور پھول نرم پڑ جاتے ہیں اور اس نیم خوابیدگی میں ایک ملک ہوتی ہے۔

چھیے کسی کاروائی سرائے میں رات بر کرنے والے مسافر کھانے کے بعد الاؤ کے گرد بیٹھ کر اپنے سفر کی راحتیں اور صعبوتوں کے قصے چھیڑ دیتے ہیں۔ ایسے ہی ہم روپل سکول کے برآمدے میں بیٹھے اور سرد سکوت میں بیٹھے اور پو دوں، پچوں اور پھولوں کی نیم خوابیدگی سے اٹھنے والی ملک میں سانس لیتے ایک دوسرے کے سفری تجربے سنتے رہے۔

”کھیتوں میں بھی کچھار ایک سرراہٹ سی چلتی تھی۔ ہوا کا کوئی گشہ جھونکا جو ہمارے پدنوں کو چھوٹا تھا تو ہم اپنے آپ میں سنتے تھے۔“

اندر جریدہ گمراہ ہو گیا کیونکہ ایک مومن حق مکمل ہو کر فرش پر پھیل کر بچھے گئی۔

دوسری مومن حق کے بچھے کے بعد ہم ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر باقی نہیں کرتے تھے کیونکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھنے میں سکتے تھے اس لئے اپنے آپ سے باقی کرتے تھے۔

ہم نے سوچا کہ سکول کے پیچے جو راستہ ان گھروں کو جا رہا ہے جو پہاڑی کے

ب سے ہاتھ لایا۔

”اگر تم بینگ میں بکپ جا رہے ہو تو وہاں ان دونوں ایک جلپانی ٹیم بکپ کر ری ہے۔ وہاں تھیں بت سارے جلپانی مل جائیں گے“  
”نسیں نہیں۔“ اس نے بے قتنی سے سر جھکالا۔  
”ہاں۔ وہاں جلپانی ہیں تم ان سے ملوگے۔“

”پھر تو میں بالکل بندگ نہیں جاؤں گا۔ مجھے یہ خبر دینے کا شکریہ ۔۔۔ کیونکہ جلپانوں کو تو میں جلپان میں ملتا ہی رہتا ہوں ۔۔۔ یہاں آتی دور آ کر بھی ان کی ٹکنیکیں دیکھوں تو کیا فائدہ ۔۔۔ میں ٹاپ میدان جاؤں گا۔۔۔ سایو نارا“  
اور چند لمحوں کے بعد وادی روپل کے درمیان میں جو اکتوپر راست ناگا پریت کی جانب جاتا ہے اور جس کے ساتھ پانی بہتا ہے اور گل رنگ کھیت ہیں وہاں کو زی چھٹہ ہوا دکھائی دیا اور پھر وہ ہماری زندگیوں سے بیویش کے لئے سایو نارا ہو گیا۔

آج پھر روپل سکول کے برآمدے میں بت رونق تھی ۔۔۔ رای روپل پھوپھوں کے گفتہ پھرے سمجھ کر رہا تھا۔۔۔ سلطان کارن ٹلکس کے لئے دودھ گرم کر رہا تھا۔۔۔ بیبا محمود گھنٹوں پر با تھر رکھے اپنے سامنے کے غلامیں گم ایک نھری ہوئی مسکراہٹ چھرے پر چڑے بیٹھا تھا۔۔۔ وہ بہت کم ادھر ادھر دیکھتا اور جب بھی دیکھتا تو صرف اپنے گدھے کی طرف دیکھتا اور بڑے پیار سے رکھتا۔

اور ہمیں آج کہیں دور تو جانا نہیں تھا۔۔۔ صرف گلیشیر کے پار تریکھ پہنچا تھا۔۔۔ دوڑھائی کھنے کا نبڑا آسان سفر، اس لئے ہم جلدی میں نہ تھے۔۔۔ ہمارے پاس دنیا جہاں کا وقت تھا۔۔۔ برآمدے میں بیٹھے ہوئے آپ کے سامنے جتنے کھیت تھے وہ ب کے سب کھانے کو کم دیتے تھے اور دیکھنے کو زیادہ اور ہم تو ادھر دیکھنے آئے تھے۔۔۔ سکول کے سامنے جو فصلیں تھیں ان میں تو مختلف رنگوں کے پھوپھوں با آسمانی الگ الگ دیکھے جاسکتے تھے۔۔۔

اور پھر تریکھ شروع ہو گئی۔

یہ تریکھ ان غیر ملکی ٹریکرز کی تھی جو آج صحیح تریکھ سے چلتے تھے اور ماں نہ پاس کی جانب جا رہے تھے۔۔۔ سکول چونکہ راستے کے ساتھ واقع تھا اس لئے ہر کوئی سانس درست کرنے کی غرض سے ہمارے پاس نصر جاتا اور جونہ نصر تھا اسے سیر ”بیلو گذ مارنگ“ کہہ کر روک لیتا۔۔۔ یہ ایک مشظہ بھی تھا کہ آپ تریکھ گلیشیر کی

در اصل اس مقام پر واپس جانے کی خواہش کو نہیں لگتی ہے۔۔۔ اور اسی لئے ایک دنیا وار اور کامیاب شخص کی مسکراہٹ اور ایک آوارہ گرد کی مسکراہٹ میں فرق ہوتا ہے۔۔۔ آوارہ گرد وادی روپل کی سرد صحیح میں پانی کے کنارے سرد ہوا میں حرکت کرتے پھولوں کے کھیتوں میں ہی رہ جاتا ہے واپس نہیں آتا۔۔۔  
ہم بھی اپنے آپ کو دیہی چھوڑ کر واپس آئے اور بمشکل آئے۔۔۔

”صاحب کافی۔۔۔“ سلطان نے دور سے پکارا۔۔۔ اور پھر کافی کا کم تھا میں ہمارے پاس آیا۔

”یہ پھول۔۔۔ پانی کے کنارے ہوتا ہے اور ہم اسے پانی کا پتہ کتے ہیں۔۔۔ شنا زبان میں“ اس نے سیر کی جانب دیکھ کر کہا ”بہت مصیبت ہے صاحب۔۔۔ ادھر فصل لگاڑ توک میں فصل بت کم ہوتا ہے اور پھول بت ہوتا ہے۔۔۔“  
”یہ تو اچھا ہے سلطان۔۔۔“ سیر مکراتے ہوئے بولا۔

”اچھا نہیں ہے تاں۔۔۔ کھانے کو کم ملتا ہے دیکھنے کو زیادہ ملتا ہے تو اچھا نہیں ہے تاں۔۔۔“

میں نے بکدم سر اخا کر سلطان کو دیکھا۔۔۔ اس نے کیا پتے کی بات کی تھی کہ اگر کھیت میں فصل کی نسبت پھول زیادہ ہوں گے تو کھانے کو کم ملتے گا اور دیکھنے کو زیادہ ملتے گا اور یہ اچھا نہیں ہے۔۔۔“

”ویسے ادھر جو لوگ روپل میں رہتے ہیں وہ تریکھ اور چورت والوں کی نسبت زیادہ کھاتے پیچے نہیں ہیں؟“ ادھر زمین بت اچھی ہے اور ادھر زیادہ پہاڑ اور پھر ہے۔۔۔“

”نہیں تاں۔۔۔“ سلطان نے پھر سر ہلايا ”ادھر روپل میں بھی تو ہم لوگ ہیں۔۔۔ اپر روپل میں چورت کے لوگ زیادہ ہیں اور لوگ روپل میں تریکھ والے بت جیں۔۔۔ تھیں تھیا تھا تھا کہ سروی میں سب ادھر واپس چلے جاتے ہیں۔۔۔“

جلپانی سیاح کو زی ہوتے اہتمام سے بال کھول کر ان میں سکھی کر رہا تھا اور دور سے دیکھنے والا غلط فنی میں جتنا ہو سکا تھا کہ کوئی سانوں حسینہ ہے جو پانی کے کنارے پیٹھی بالوں کے خم نکلتی ہے۔۔۔ سکھی کرنے کے بعد اس نے چھوٹی سے چھیا ہنائی اس کے آخر میں ایک سرخ رین پاندھا اور پھر اپنا تھیلا شانے پر ڈال لیا ”تھیں روپل میں مل کر مجھے بت خوشی ہوئی۔۔۔ میں تم سب کو یاد رکھوں گا“ اس نے باری باری

ان میں سے ایک صاحب باقاعدہ نویڈ کوٹ اور گرے فلیٹ کی پتوں میں ملبوس  
..... چلتے ہوئے آئے اور راستے پر کھڑے ہو کر ہماری جانب دیکھا۔ ان کے ہمراہ ایک  
بڑے بدن کی لڑکی بھی تھی۔ وہ آپس میں کھرپھر کرنے لگے۔ لڑکی کی آواز  
قدرتے بلند تھی اور وہ کہ رہی تھی کہ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔ نویڈ کوٹ صاحب  
ہمارے قریب آئے اور کئے لگے "یہ ہوٹل آپ کا ہے؟"  
"یہ سکول ہے۔۔۔؟" میں نے انسیں بتایا "ہم خود ہاگرزاں ہیں اور اس میں  
عارضی طور پر قیام پور ہیں۔"

نویڈ کوٹ نے پہنچ شروع کر دیا۔ جی بھر کے پہنچ کے بعد اس نے انہا رک  
سیک اتار کر زمین پر رکھا اور لڑکی اور بقیہ اگرزاں کو پاس بلا لیا۔ کیتھرین کا خیال تھا  
کہ یہ وہ سائیڈ رستوران ہے اور آپ لوگ باہر کھڑے ہو کر گا کہوں کا انتخار کر  
رہے ہیں۔۔۔ سوری۔"

کیتھرین تھی بڑے بدن کی لڑکی تھی۔ بہت بڑے بدن کی۔۔۔ اس نے بینن کے  
ساتھ ایک بہت ڈھیل اور چونچ نما قیض پن رکھی تھی اور بس۔۔۔ اور لگتا یوں تھا کہ  
اس میں دو لدر ہر بیچے گول منول سے تھس گئے ہیں اور کشیاں کرتے ہیں۔

یہ چاروں حضرات چیلو جو بھت تھے اور ہالیے کے گلیشنرز کے بارے میں  
معلومات اکٹھی کر رہے تھے۔ نویڈ کوٹ کا کہنا تھا کہ وہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں اتنی  
باقاعدگی سے آتے ہیں کہ ان کے برطانوی ساتھی جب کبھی اپسیں یونیورسٹی میں دیکھتے  
ہیں تو جوت سے کہتے ہیں کہ ہیں جیسیں الگینڈ میں دیکھنا تو خوش قسمتی ہے۔۔۔ اور یہ  
کہ کیا کل پاکستان سے آئے ہو یا کل پاکستان جا رہے ہو؟۔۔۔ چونکہ یہ حضرات اور  
لدر بچوں کی ماں کھاتوں ہمیں ہوٹل کے دیڑھ و فیرہ جان کر ادھر آئے تھے اس نے ہم  
نے ان کو چاہئے پلا دی۔

ایک اور گروہ وارہ ہوا اور اس کا تعلق مختلف یورپی اقوام سے تھا۔۔۔ سب کے  
سب دانتوں کے ڈاکٹر تھے اور دانتوں کے ڈاکٹروں کی کسی کوہ پیلا کلب کے رکن  
تھے۔۔۔

ان کے بعد ایک جیلانی لڑکی چلی آئی۔۔۔ بالکل تھا اور بالکل خوش۔۔۔ سید حمی  
ہماری پاس آئی سب لوگوں کے ساتھ پاٹھک طایا اور وہی پاٹھک ہالی چلی گئی۔۔۔  
جلپانی لڑکی کے بعد ڈیکٹ کم ہو گئی اور سائزے دس بجے کے قریب بالکل ختم

دیوار یا کنارے سے اترتے ہوئے راستہ کو دیکھتے اور غور سے دیکھتے رہنے اور پھر  
تھائیے کہ یہ جو رنگ ہیں یہ کھیتوں کے ہیں یا قیضوں، بیکٹوں اور ہاگرزاں کے ہیں۔۔۔  
اور ان میں قیمسی سختی ہیں اور ہاگرزاں کتے ہیں۔۔۔

پہلے جرمتوں کا ایک گروپ نہوار ہوا۔۔۔ ان میں سے ایک نوہوان بوریا کے  
کسانوں کا بس پہنچ ہوئے تھا۔ ایک اور جرمن رنگین پوں والا بیٹ پہنچ آ رہا تھا۔  
جرمن خواتین جتنی بھی تھیں ناقابل ذکر تھیں۔۔۔ پھر دو آسٹریلوی خواتین آئیں۔۔۔  
انہوں نے راستے پر کھڑے ہو کر ہماری طرف غور سے دیکھا اور پھر ان میں سے ایک  
بھکتی ہوئی آگے آئی "ڈوب یو پسک انگش؟"

"انگش۔۔۔" سلطان نے ہم تینوں کی طرف اشارہ کیا۔  
"ہمیں انگش۔۔۔" ہم نے سینے پر پاٹھک رکھ کر کہا  
"اوہ گذ۔۔۔" اس کی جگہ دور ہو گئی "کیا ہانگا پرہت کے میں یکپ کو میں  
راستہ جاتا ہے؟"

"ہمیں میڈم۔۔۔" راہی کر سنک جسک گیا "سید میں پڑھنے میں دوپل  
کے پار چلے جائیں پھر گلیشنر کے دائیں جانب ایک سفید پاٹھ آئے گا۔۔۔ بڑا پاٹھ  
۔۔۔ بس یہی ہانگا پرہت ہو گا"

"تھیک یہ۔۔۔" اس نے نہایت خوش و خرم ہو کر کہا اور پھر اپنی ساتھی سے  
کہنے لگی "یعنی یہ راستہ کہیں توٹ کر لو۔۔۔ کہیں ہم گم نہ ہو جائیں"  
خوبصورتی دیے ستانے کے بعد وہ پھر اپنے راستے پر تھیں۔

"ابو اکٹھ رنگ جو بوڑھے ہوتے ہیں ان کے دونوں ہاتھوں میں ہانگ سسک  
ہوتی ہیں۔۔۔ کیوں؟"

"پہنچ نہیں۔۔۔"

"میرا خیال ہے ایک سنک تو ہانگ کے لئے ہوتی ہے اور دوسری بڑھاپے  
کے لئے۔۔۔"

"میرا خیال ہے تم تھیک کتے ہو۔۔۔" میں نے فوراً اتفاق کرتے ہوئے کہا کیوں نک  
میں ابھی ایک سنک کے ساتھ چلتا تھا۔۔۔ لیکن ان بزرگ حرم کے ہاگرزاں کو دیکھ کر کم  
از کم یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ صرف ہمت درکار ہے اور اگر آپ چل سکتے ہیں اور  
سائز لے سکتے ہیں تو آپ کہیں بھی جا سکتے ہیں۔۔۔ اس دوران تین اگرزاں سیاچ۔۔۔

"ہاں تاں—" سلطان نے سرہلایا  
 "تاریخ بھائی—" رایی نے جو پنگ میں مصروف تھا میری طرف دیکھا "آپ  
 ایک خواب کے پیچے بہت دور تھک جاتے ہیں۔"  
 "ہاں تاں—" میں نے بھی سلطان ناکل میں سرہلایا۔

ہو گئی۔ تھک سے صبح سوریے پڑنے والے اور ذرا دری سے جلنے والے سب کے  
 سب اس وقت تک گزر پکے تھے۔ ہمیں بھی روانہ ہونا تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ  
 تھک پہنچ کر ہمیں کیا کرنا ہے۔ اس موضوع پر مکالہ ایک مرتبہ پھر سلطان کے  
 ساتھ ہوا۔

"تھک سے گلت جانے کا کیا طریقہ ہے؟"  
 "صاحب پسلے تو استور پسچھے گلت تو بت دو رہے۔"  
 "تو استور پسچھے کا کیا طریقہ ہے؟"  
 "تھک میں اگر کوئی ایسی جیپ آجائے ہو مسافروں کو چھوڑ کر واپس جا ری  
 ہو تو اس سے بات کرو۔"

"کیا ایسی جیپ آتی رہتی ہے؟"  
 "کیا معلوم! بھی آتی ہے کبھی ہفتہ ہفتہ نہیں آتی۔"  
 یہ "ہفتہ ہفتہ نہیں آتی" سن کر ہم خاصے ٹھنڈے ہو گئے کہ اگر تھک میں  
 ایک ہفتہ انتحار کرنا پڑا تو واقعی ٹھنڈے تھار ہو جائیں گے۔  
 "تھک سے استور جانے کا کوئی اور طریقہ بیان کرو۔"  
 "صاحب اور تھک سے صبح سوریے نیکٹر ٹرالی پر بینچ کر رحمان پور کے پل  
 تک پڑے جاؤ۔"

"اور ادھر سے آگے استور کیسے جاؤ؟"  
 "ادھر تو صاحب دنیا کی ٹریک گزرتی ہے۔"  
 ہمارے ذہن میں کچھ اس تم کا نقش آیا کہ اگر ہم نیکٹر ٹرالی پر اچھتے ہوئے  
 رحمان پور پہنچ جاتے ہیں تو وہاں استور جانے والے ٹریک کا جیم ہو گا اور ہم با آسانی  
 جو جیپ سامنے ہو گی اس میں بینچ جائیں گے "تو رحمان پور پل سے ہمیں ہر صورت  
 میں استور جانے والی جیپ مل جائے گی؟"  
 "خدا معلوم—" سلطان نے کندھے سکید کر کہا۔ "کبھی آتی ہے کبھی نہیں  
 آتی۔"

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں تھک سے دیوالی پار کرنے کے لئے  
 گھوڑے مل جائیں اور ... اور کوئی اچھا سائیکل مل جائے اور ہم سکردو پہنچ جائیں  
 —

کے ساتھ ساتھ!

”سلطان ایک اور شاعر۔“

”ہاں تاں۔“ اس نے دوسرا شاعر بھی اسی ناست سے چھیلا۔ ایک بار چاقو اس پر رکھا اور تب انھیا جب پورا چھلکا ایک خوش نما ستارے کی صورت میں اتر گیلے میں بھی شاعر نوش کرنے لگا۔

روپل کی جانب سے تین گدھے چلے آ رہے تھے اور ان کو ایک نوجوان لڑکا ہائکا چلا آ رہا تھا۔ اور لڑکے کے کاندھے پر چڑے کا ایک ایسا مکینہ تھا جو میں نے اس سے پھٹھرنا لگا۔ پرست کے دوسرا جانب فتوڑی میں بھی دیکھا تھا اور میں جانتا تھا کہ ایسے مکینوں میں وہی ہوتا ہے۔

”سلطان۔ اس میں لی ہے تو ذرا مانگ لو۔“

”ہاں تاں۔“ اس نے لڑکے کو روک لیا۔ لڑکے نے بخوبی اپنا مکینہ کھول کر ہماری ایک دیکھی میں ڈال دیا۔ یہ وہی پانی کے بغیر تھا اور بخوبی ٹھل کا تھا۔ لڑکے نے چالا کر گھر پہنچنے پر اس کی ماں اس میں پانی ڈال کر لی ہالے گی۔

دہاں واوی روپل کے چھٹے کے کنارے۔ اس ٹھلک وہی میں ہم نے چھٹے کا ٹھلک پانی ڈالا اور اس میں چھٹی طائی اور اپسیں ایک ڈوئی کے ساتھ خوب رڑھک کر شاندار لی ٹیار کر لی۔

”راہی چاچا۔ پی لو نہایت زبردست مشروب ہے۔“

راہی چاچا نے حسب عادت انکار میں سرہلایا، سُکرتے ہوئے۔ اور جب ہم لی پی رہے تھے اور شاعر کھا رہے تھے تو ہم نے دیکھا کہ روپل کی جانب سے ایک دلا پکا جبلانی لبے لبے قدم المختار چلا آ رہا ہے۔

”ابو۔ جبلانی آگیا۔“ سیر نے ہونٹوں سے لی کی سفیدی پوچھتے ہوئے کہا۔ ”شی ی نہ۔“ جبلانی نے اپنا نام ساتھ دیں مجدد ہو گیا۔ جہاں تھا اور جس حالت میں تھا اور چوکنا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جیسے اس پر جملہ ہونے والا ہو۔۔۔ پھر اس کی نظر راستے کے ساتھ پھرلوں کے درمیان انتہی صاف ٹھٹک وائے پانی کے کنارے بیٹھنے ان حضرات پر پڑی ہو۔ لی پی رہے تھے اور شاعر کھا رہے تھے۔ اور وہ بختا خوش ہو سکتا تھا اتنا خوش ہوتا ہمارے پاس آگیا۔

”آو۔“ اس نے سر بھٹک کر اپنی خوشی کا انکسار کیا اور سب سے ہاتھ ملایا۔

## ”ترشنگ ایک تصویر“

ہم نے روپل پل چھوڑ دیا تھا اور ترشنگ جا رہے تھے، بلکہ یہ کہتا زیادہ درست ہو گا کہ ہم نے روپل سکول چھوڑ دیا تھا کیونکہ ہم ابھی اپنے دو پورٹرز اور دو گدھوں سمیت واوی روپل کے مکینوں کے درمیان چلے جا رہے تھے۔

ساتھے ترشنگ گلیشیر کا بلند کنارا نظر آ رہا تھا۔ اور وہ اتنا نزدیک نہ تھا جتنا نظر آتا تھا۔

راستے کے ساتھ لکڑی اور چھپوں کا ایک دو منزلہ گھر تھا جس کے ساتھ وسیع کھیت تھے۔ چھت پر ایک سفید مینڈھوں والی بڑی اماں شوخ ٹوپی پہنے بیٹھی تھیں۔ ہمیں بہت دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں لیکن جب ہم نے دیکھا تو انہوں نے نہایت فضے سے منہ پھیر لیا۔ ان کے ساتھے ایک دس گیارہ سالہ بچی اور ایک ستری بالوں والا گول منول سا پچھے کھیل رہے تھے۔ اس گمراہ سے ایک نہایت انس کھکھ بڑھا باہر آیا۔ اور اس نے ہمیں تھنکے کے طور پر پانچ شاعر عناوں کے۔

آگے روپل کا چھٹہ تھا۔ ہم دہاں بیٹھ گئے۔ ”آپ یہ کھاتے ہو؟“ سلطان نے چھلے میں سے شاعر کاں کر پوچھا۔

”کیوں نہیں کھاتے ہو۔۔۔ بالکل کھاتے ہو۔“

اس نے چاقو کے ساتھ شاعر کو اس طرح چھلکا کر اس کا چھلکا ایک ستارے کی ٹھل میں اترा، اس نے چھلکا پہنچنک دیا۔ اور میری نظر اس پر تھی۔۔۔ میں نے ان علاقوں میں اکثر جگنوں پر راستوں چھشوں اور ندیوں کے کنارے اس حتم کے ستارہ ٹھل کے چلکے پڑے ہوئے دیکھے تھے۔ اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کس جگہ کے چلکے ہیں اور اپسیں اتنی مہارت سے کس طرح آتارا جاتا ہے۔۔۔ سیر نہایت ذوق و شوق سے شاعر کھا رہا تھا کیونکہ شاعر تازہ تھا اور روپل کے کھیت میں ابھی تھا پھولوں

"ادھر ہیں صاحب۔ جیب میں" اس نے اپنی جیکٹ کی جیب کو نور سے  
تھپکا۔ "دو ہیں۔"

اور یہ بیگب بات تھی کہ اس سڑکے دران ہمیں وہ اندرے صرف اس وقت  
یاد آتے جب ہم پلٹک کر رہے ہوتے یا راستے پر ہوتے۔ جب کبھی کھانا و فیرہ پکتا ہم  
انہیں فراموش کر دیتے۔ بلکہ روپیں میں جب ہم نے مقامی طور پر کچھ اندرے خریدے  
تو اس وقت بھی ان کا خیال نہ آیا۔ "سلطان" ترٹھک پہنچ کر۔ کل صحیح ہم ان انہوں  
کا آئیٹھ کھائیں گے"

"ہاں ہاں۔" اس نے سرہلایا اور گدھوں کو بلندی کی جانب ہانتے گا۔  
ترٹھک گیشیر کے کنارے پر پہنچ کر ہم رکے۔ نیچے ہاتھا پرہت سے آئے والا  
یہ گیشیر پتوں اور بلے کے نیچے سانس لے رہا تھا۔ جہاں کہیں ہرف پر لمبہ کم تھا  
وہاں مٹی کیلی ہو رہی تھی۔ اور پانی کے چلنے کی آواز گرنے کی آواز ہم تک آتی  
تھی۔

دیوار سے نیچے اترنے کے لئے وہی راست تھا جس پر آتے ہوئے سیر رک کیا  
تھا۔ سلطان میر اور گدھے آگے تھے۔ وہ اترنے کے تو میں نے قدم رکھا۔ بت  
ڈرتے ڈرتے کہ یہاں پاؤں ٹھہرنا نہیں تھا۔ میں جب اس مقام پر پہنچا جہاں سیر رک کا  
تحا تو یکدم میری ہاتھوں میں جان نہ رہی، میرے پاؤں چیزیں الگ ہو گئیں۔ اور ان کے  
نیچے سے بھر جھری زینٹن ہٹکنے لگی۔ میرا سرچکرا یا اور میں جہاں تھا وہیں پہنچے تو ہم  
کر کے کھڑا رہا۔ یعنی گیشیر میں نہیں گیا اور بھر جھری کا سارا لے کر پہنچ گیا۔ اور  
بیٹھا ہمیں اس طرح کہ میں وہاں زیادہ دیر تک اس پوزیشن میں بیٹھے نہیں سکتا تھا۔ سیر  
نے نیچے پہنچ کر اوپر دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں جان بوجھ کر بیٹھا ہوں۔ یونہی  
ستانے کے لئے یا ذرا منظر دیکھنے کے لئے۔ اس نے "بیلو ابو" کہ کہ پہنچا ہلایا۔ میں  
جو ہاں ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا کیونکہ اس طرح میرا بیٹھنے خراب ہوتے کا خطہ تھا۔ میں  
جہاں تھا وہاں بالکل سانس روکے بیٹھا تھا۔ اس لئے سلطان نے جو گدھے ہاتھا گیشیر  
کے درمیان میں چل رہا تھا پہنچے مڑ کر دیکھا اور پھر مجھے وہاں نہ پا کر اوپر دیکھا۔ اور  
اس کی پہاڑی حس نے اسے جادوا کہ میں وہاں یونہی ستانے کے لئے یا منظر دیکھنے  
کے لئے نہیں بیٹھا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اوپر آچکا تھا اور اپنا ہاتھ آگے کر کے  
کہہ رہا تھا "اے پکڑو اور اٹھو۔"

ظاہر ہے سیر اسے دیکھ کر بے حد خوش ہو رہا تھا "شی می نہ۔ تم مانشو پاس ہو  
آئے؟"

"اوے نو پر ابلم" اس نے جواب دیا۔  
"شی می نہ۔ لی یو"

شی می نہ کو لی پلاتی گئی ہے اس نے "آہ۔ آہ" کر کے پا جیسے کوئی چوزہ  
پکڑنے کو ہو۔

ہماری گلگت نیم ایک مرتبہ پھر مکمل ہو گئی تھی۔

شی می نہ کی آمد پر ہم جس والمانہ خوشی اور بے اوث محبت کا انتہا کر رہے تھے  
اس میں کھوٹ تو نہ تھا۔ بس تھوڑی سی غرض مندی شامل تھی۔۔۔ اس کے یوں  
سرراہ مل جانے سے ہماری ایک پہاڑی مشکل حل ہونے کو تھی۔۔۔ شی می نہ نے  
چوکھے جیب بلکہ گلگت ترٹھک اور پھر ترٹھک سے گلگت واپسی کے لئے بھی کوئی تھی  
اس لئے۔۔۔ کم از کم شی می نہ کو لینے کے لئے ایک عدد جیب تو اس وقت ترٹھک میں  
 موجود تھی یا اس نے بہت جلد آتا تھا۔ اور ظاہر ہے ہم نے شی می نہ کے ساتھ پیار  
محبت کر کے اس کے ساتھ یہ نہ جانا تھا۔۔۔ اپنے حصے کا کرایہ ادا کر کے۔۔۔ پہنچنے ہم نے  
شی می نہ کے ساتھ اپنی بار جو گرجو شی سے ہاتھ ملایا تو وہ اس کو یوں سرراہ مل جانے  
کی خوشی میں تھا اور اس کے بعد بچتی بار ہاتھ ملایا۔۔۔ گلگت واپسی کے لئے جیپ مل  
جانے کی خوشی میں تھا۔۔۔ ہم نے جب ایک منابع دلتے کے بعد یونہی برنسیل تذکرہ  
اس سے اس جیپ کے پارے میں دریافت کیا ہوا۔۔۔ ترٹھک سے لینے آرہی تھی تو  
اس نے کافہ پر ایک تاریخ لکھ کر ہاتھا کر جیپ پر سوں آجائے گی۔۔۔ اور کیا ہم کرایہ ادا  
کر کے اس میں گلگت سک سفر کر سکتے ہیں؟

"نو پر ابلم۔" اس نے فوری طور پر رضا مندی ظاہر کر دی۔ اب یہ ہمارا  
فرض تھا کہ ہم اگلے دو تین روز شی می نہ کو اپنی نظریوں سے او جمل نہ ہونے دیں۔

شی می نہ کے ساتھ جو پورٹر تھا اس نے ہمیں ناپسندیدہ نظریوں سے دیکھا۔۔۔ یہ  
وہی پورٹر تھا جسے احسان نے جلاپانی کے ساتھ بھیجا تھا۔۔۔

ترٹھک گیشیر کی دیوار سامنے آگئی۔۔۔ ہم سانس جمع کر کے اوپر جانے لگے۔۔۔  
اور اس موقع پر یکدم نئے اپنے انڈے یاد آگئے۔۔۔ "سلطان" وہ گلگت والے انڈے  
کہاں ہیں؟"

دیکھا۔ کچھ زیادہ رقم شامل کی۔ ٹیم کو اب جس "مکو ہفت" کی ضرورت نہ تھی مثلاً آلو۔ وال۔ چاول۔ خلک رووہ۔ ایک دیگھی۔ پیش۔ چائے والی وغیرہ وہ سب سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ ہم جب بھی کوئی چیز سلطان کی طرف پر عاتی کہ یہ تمدارے لئے ہے تو وہ نظریں جھکا کر اسے قبول کرتا۔

بیبا محمود بھی بے حد خوش تھا۔ اسے بالکل خبر نہ تھی کہ اسے ہر رقم دی گئی ہے وہ کتنی ہے اور کس حساب سے ادا کی گئی ہے۔۔۔ لیکن وہ اسے ایک خواہشون سے بھری سکراہٹ کے ساتھ دیکھتا چلا جاتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بیبا یہ رقم جوں کی توں اپنے بیٹے کو دے دے گا۔۔۔ کیونکہ اس کے پاس اس کا کوئی معرفت نہ تھا۔۔۔ وہ بونوں کے اس جوڑے سے بھی مطمئن تھا جس پر چڑھے کے پڑے پڑے پومن کی مقامی موچی نے تھوپ رکھے تھے اور دونوں بوث یوں بھی الگ الگ تھے۔۔۔ ان میں تھے نہ تھے بلکہ انہیں رسیوں اور جیچڑوں سے کسا گیا تھا۔ شاکر وہ اس رقم سے تسوں کا ایک ہوڑا خریدے۔۔۔ لیکن کہاں سے۔۔۔ ہم نے دیکھا کہ بیبا محمود اس رقم کو مٹھی میں بچپنے سکراتا ہوا باہر لکھا ہے۔۔۔ پھر وہ ترٹھک کے اس بازار کے قریب رک گیا ہے جس میں فی الحال دو دکانیں ہیں جن میں سے ایک بند ہے۔ اور اس کھلی دکان سے پورے پانچ روپے کی نسوار خریدی ہے اور اس کی چکلی منہ میں دیا کر شانت ہوتا ہے اور سکراتا ہوا اس راستے پر اتر رہا ہے جو چورت کو جاتا ہے۔۔۔

سلطان بھی خوش تھا لیکن وہ ہم سے الگ ہو جانے پر دیکھی تھا۔۔۔ اور بولا کم تھا۔ اور ادھر دیکھتا تھا۔۔۔ پھر اس نے حسب عادت زین پر انگلیوں سے لکھریں کھینچنے ہوئے کہا "صاحب۔۔۔ ایک بات ہے۔۔۔"

"ایک بات ہے؟" شاکر وہ اداگی سے مطمئن نہ تھا میں نے سوچا۔

"آپ کا جیپ تو پرسوں آئے گا۔۔۔ تو آپ کل ادھر میرے گھر آجائے۔۔۔"

"بہت بہت شکریہ سلطان۔۔۔ لیکن مشکل ہے۔۔۔ ہم ذرا ترٹھک میں گھومیں گے اور۔۔۔"

"میرا گھر ہو ہے وہ صاحب لوگ کے لئے نہیں ہے۔۔۔ لیکن آپ کھانا کھاؤ جی۔۔۔ گوشت تو نہیں ہے لیکن۔۔۔"

"بولا مشکل ہو گا تمہارا گھر خلاش کرنا۔۔۔ ان پہاڑوں میں۔۔۔" میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ میں اس شخص پر چار آدمیوں کے کھانے کا بوجھ ڈالوں یا نہ ڈالوں۔۔۔

"مجھے اچھا پکو۔۔۔" میں نے ہاتھ آگے کیا "میں ائمہ وقت شاکر گر جاؤں۔۔۔"

"تم بسم اللہ کرو۔۔۔"

سلطان نے میرا ہاتھ چھیے کچھ میں کس لیا۔۔۔ میں جب اخھا تو خاصا لزکھ رہا۔۔۔ اور بمشکل سیدھا ہوا۔۔۔ اور دہاں میٹھے رہنے کا قیبلہ درست تھا۔۔۔ اگر میں اپنے طور پر ائمہ کی کوشش کرتا اور اتنا لازکھ رہتا تو۔۔۔ خاہر ہے یعنی جاتا۔۔۔

میں یعنی گیشیر سک پہنچا تو میر گھر مندی کے چرے کے ساتھ میرا انتشار کر رہا تھا۔۔۔ آپ تھیں ہیں اب؟"

ہم نے گیشیر عبور کیا۔۔۔ دوسرے کنارے پر چڑھے اور جب اوپر پہنچنے تو ہمیں ہمارا پسندیدہ قصبہ ترٹھک نظر آئے لگ۔۔۔ ایک ہموار اور سر بر علاقہ، پہاڑوں میں پوشیدہ، درمیان میں ایک دریاں ٹیکے جس پر سیاہ پڑتی لکوئی سے بنا ہوا ایک چوکور ڈھانچہ۔۔۔ اور اس بلندی سے بھی پنچھی کی آبشار نظر آ رہی تھی۔۔۔

"تالاگا پرست نورت کانگ روپل ترٹھک" کے تین ہاتھ کروں کی پتھری دیواروں کے ساتھ فرانسیسی سیاحوں کی پاجیوں ایسیں تک کھڑی تھی۔۔۔ وہ مانشو پاس سے واپس نہیں آئے تھے۔۔۔ اس بارہم اپنی پسند کا کردہ حاصل کر سکتے تھے۔۔۔ یہاں کیفیت ایسی تک دیکھی۔۔۔ صرف پتھر کی دیواریں، فرش پر روزی اور کھڑکیاں شیشوں کے بغیر۔۔۔ لیکن واحد سماں ہونے کی باہر احسان اپنے گھر سے اون کا ایک بڑا کمیس ہمارے کرے کے فرش پر بچانے کے لئے آیا۔۔۔ کھڑکیوں پر رایہ نے پلاسک تان دیا اور فرش پر زرد خیڑہ اور اس پر سینپنگ بیگ۔۔۔ کھڑکی کی سل پر خوراک اور شیو کا سامان وغیرہ سجا دیا گیا۔۔۔

اور یہاں کرم جوتے باہر اتار کر اندر آئیں۔۔۔ اور تھوڑی ہی دیر میں یہ کردہ اعاظ کو زی اور آرام دہ اور منزو ہو گیا کہ باہر اگرچہ ترٹھک تھا لیکن باہر جانے کو ہمارا جی نہ چاہتا تھا۔۔۔

سلطان ہمارے لیئے آخری کھانا تیار کر رہا تھا۔۔۔ کیونکہ اب ہمیں کسی پورٹر کی ضرورت نہ تھی۔۔۔

کھانے کے بعد ہم سب ایک دائرے میں بیٹھ گئے۔۔۔ اور سلطان اور بیبا محمود کے دونوں کا حساب ہوا۔۔۔ جو حساب بتتا تھا ہم نے اس میں اپنی خوشی سے اور سلطان کی ان آنکھوں کی وجہ سے جن میں اس سفر کے دوران ہم نے کبھی لائج کا کوئی شائبہ نہ

مازدو پاس تک چار یکپ کا سفر ہے اور آپ نے وہ سفر دو دن میں کر لیا ہے تو بھی اوائلی چار دنوں کی ہو گئی کیونکہ پورٹ زیادہ قابل کم مت میں چلا ہے۔ لیکن اس کا فعلہ پلے کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس بھروسے کافی فعلہ احسان کے بڑے بھائی محمد اشرف نے کیا جو اتنا دھیما اور شریف اشرف تھا کہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ احسان کا بھائی ہے۔

"اب کیا پروگرام سے؟" رای کرنے لگا۔

"ترٹھک کی سفید گلشیر ٹھٹک میں اور اس کے کھجتوں میں بے مقصد گھومتا۔"

"اچھا پروگرام ہے۔ لیکن تاریخ بھائی ہم اتنے دنوں سے صرف ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ پلے تو بجوری تھی لیکن اب... کیا آپ میرا ٹھل سے آتا ہیں گے؟"

میں نے رای کو غور سے دیکھا "میرا خیال ہے تم نیک کئے ہو... کیا ٹھل ہے؟"

"باکل۔ اور آپ کی بھی کیا ٹھل ہے جو اتنے روز سے دیکھ رہا ہوں تو آج... ہم الگ الگ گھومن گے۔ انسان کو بھی اکیلا ہو کر بھی گھومنا چاہتے۔"

رای پنچھلی کی جانب چلا گیا۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے سیر سے پوچھا۔

"میں تو ابھی آپ کی ٹھل دیکھ کر نہیں آتا یا اب تو۔"

"گذراوے۔" میں نے خوش ہو کر اسے پیار کرنے کے لئے منہ آگے کیا تو وہ جنکا نہیں بلکہ جان بوجھ کر سیدھا ہو گیا تاکہ میری نہ سے باہر ہو جائے۔ میں نے ایڑیاں اٹھا کر اس کے چہرے تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن دراز قامت بیٹھوں کا اس سے بڑا نقصان یہی ہوتا ہے کہ آپ ان کی مرضی کے بغیر ان کا یوسہ نہیں لے سکتے۔ اور سیر شرارت کے موڑ میں تھا۔ میں نے ذرا روشنے کی اداکاری کی تو اس نے جھک کر کہا۔ "گذراوے۔"

ہم دونوں پہنچے گے تو جیلانی ہمارے قریب اگر کئے گا "نور ابلم۔" جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو بھی ساتھ لے چلیں۔

اور ہم نے اس پہنچلے پر ترٹھک کی سفید گلشیر ٹھٹک میں اور اس کے

"میں آؤں گا تاں۔" وہ یکدم چکنے لگا "اوہ آؤں گا اور سب کو لے جاؤں گے۔ کیوں سیر۔" اس نے خاص طور پر سیر سے ہاتھ ملايا۔ رای گردن پر ایک انگلی سے ہاتھی کرنے لگا۔ "سلطان۔ ہم تو منج میں کھاتاں۔ تو ہم کو کیا کھلانے گا۔"

"ہم جاتے ہیں تاں۔ تھوڑا آکو۔ تھوڑا پیاز اور پانی میں ڈال کر دلیا موافق ہنا لو جیسا ہم موٹی کے لئے بناتا ہے تو وہ تمارے لئے بناے گا۔ کیوں نہیں بنائے گا۔"

"اب تو جانا پڑے گا۔" رای خوش دل سے ہٹنے لگا۔

"تو پھر کل آئے گا۔" سلطان اٹھ کر ڈالا ہوا۔ کرے سے باہر گیا اور فوراً یہ لوٹ آیا اور اس کے ہاتھوں میں انہوں کی پوٹی تھی۔ میں یہ بھول گیا تھا۔ صاحب ایک رہ گیا ہے۔"

ہم نے پوٹی میں سے اس انگلے کو نکال کر ملاحظہ کیا جو ٹھلٹ سے چلا تھا اور ٹانگ پرست سے ہو کر سچ سالم یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ سیر اسے تم سنبھال لو۔ شام کو ہر صورت میں اس کا آئیٹھ بننے گا۔"

سلطان بھی ترٹھک بازار کی اکلوتی دوکان کے سامنے رکا اور دہاں سے کچھ خردباری کر کے پیچے اڑ گیا۔

ہم کرے سے باہر آئے تو احسان جیلانی کو گھیرے ہوئے تھا اور ان کے قریب وہ پورٹ مہنہ پھلانے بیٹھا تھا جو مانند پاس تک اس کے ساتھ گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر جیلانی میرے پاس آگیا اور اپنی نوٹ بک پر "آف۔ نور ابلم" کھٹے ہوئے کچھ لکھنے لگا۔ اوہ احسان بھی میرے کان کھانے لگا کہ جی یہاں سے مانند پاس تک اتنے یکپ بختے ہیں اور جیلانی پیسے کم دے رہا ہے۔ خاصی تحقیق کے بعد ٹھلا کر احسان حسب عادت کچھ یہی دیکھ کر رہا ہے۔ چونکہ یہ پورٹ رای کا نمائندہ ہے اس لئے جیلانی سے جتنی زیادہ رقم حاصل کی جائے گی احسان کی کیش بھی اتنی زیادہ بننے گی۔ جیلانی ان دونوں کا حساب کر رہا تھا جو سفر میں گزرے جب کہ احسان اور پورٹ کیمپس کا حساب کر رہے تھے۔ جہاں کہیں بھی ٹریننگ کے لئے پورٹ حاصل کے جاتے ہیں پلے فعلہ کر لیا جاتا ہے کہ اوائلی دونوں کے حساب سے ہو گی یا یکپ کے حساب سے۔ یعنی اگر تو

نے پھولوں کے انبار دیکھے جن کے رنگ اترتی شام میں سیاہی مائل ہو رہے تھے۔  
ایک حصے کے قریب گزرتے ہوئے پانی کی آواز کے ساتھ ورنہ چھمائے۔ پھر  
نہیں کہاں چھمائے۔ لیکن ان کی آواز میں بت کش تھی۔ وہاں صرف ایک  
درخت تھا اور ہم اس کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ وہ یقیناً اس کی شاخوں میں پوشیدہ  
تھے۔ وقٹے کے ساتھ بولتے اور بت مٹاس اور اپنائیت سے بولتے ہیے براہ راست  
ہم سے خالطب ہوں۔ لیکن وہ ہمیں نظر نہیں آئے۔  
اور وہ مسجد زیادہ دور نہیں تھی۔

کھیتوں میں گھری ہوئی ایک قدیم لداغی ملز کی غامبوش عمارت۔ جیسے پہ  
بھکشوں کا پوشیدہ سکن ہو۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ لیکن وہاں ان دو پرندوں کی آواز پھر  
سے آئے۔ کلی جنیں ہم درخت کی شاخوں میں خلاش نہیں کر سکے تھے۔ عمارت کے  
ساتھ پانی بہتا تھا اور بت غامبوش میں بہتا تھا۔ یہاں دو چھوٹی چھوٹی عمارتیں تھیں۔  
دونوں کے دروازے بند تھے۔ ہم نے ان میں سے ایک کا پرانا دروازہ دھکیلا۔  
ایک تاریک کرو بکھر سیاہ پوش کرو۔ کڑی کے خون اور شہرتیوں کی چھٹ۔ یہاں  
ملدار کے علم۔ جلی ہوئی مووم بیان۔ اخباروں میں سے تراشیدہ امام شیعی کی  
تصویریں۔ ایک کونے میں چورہ بیس لائیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں حرم کے  
دن تھے اور ہر شب وہاں غم حسین کو دل سے لگانے والے جمع ہوتے تھے۔ میں نے  
دروازہ بند کر دیا۔ «سرے کمرے کے آگے ایک چھوٹا سا برد عده تھا۔ اس کے  
دروازے کی کنڈی گلی ہوئی تھی۔ میں نے کنڈی اتار کر اندر جھانا کا۔ یہ ایک مختصر  
سی مسجد تھی۔ ایک مختصر سا کمرہ جس کے فرش پر کھالیں پھیجی تھیں۔ کمریوں کے  
شیشوں میں سے تھوڑی سی روشنی اندر آتی تھی اور یوں تھوڑی دیر بعد اشیاء تاریکی  
سے نکل کر واضح ہونے لگتی تھیں۔ چانوروں کی کھالوں کی گرم میک، خاک کرلا کی  
لکیاں، قرآنی آیات کے کتبے، مرحمائے ہوئے جنگلی پھولوں کے دو ہار جو محراب میں  
پڑے تھے۔

«یہاں تو نماز پڑھنے کوئی چاہتا ہے ابو۔» سیر آہست سے کنے لگا اور میرا  
بازو تھام لیا۔

اور وہاں اس نیم تاریک، کھالوں کی گرم میک والے شام کی خلک میں سرد  
ہوتے ہوئے کمرے میں ایک عجیب غمراہ تھا۔ میسے ہم دونوں باپ بیٹا وہاں آگئے

کھیتوں میں گھونے کے سوا کچھ نہ کیا۔  
اس نیلے پر بھی گئے جہاں پیان نما لکڑی کا چوکور ڈھانچہ تریک کے قدم  
پاسیوں کی پڑیوں کی رکھوائی کر رہا تھا۔ پیچے پورا تریک سائے میں تھا اور دھوپ  
صرف رائے کوٹ پیک اور آس پاس کی بٹلی چمنڈوں پر تھی۔  
ہم نے دریائے روپل تک جانے کی کوشش بھی کی۔ جو پیچے بلند چنانوں کے  
پیچے بستا تھا۔  
کھیتوں میں جگہ جگہ پھیلوں کے چھوٹے چھوٹے ڈیرتے جو بے حد خوش نہ لگتے  
تھے۔

ہم تریک کو واپس آ رہے تھے جب شام اترتی تھی۔ اور جب ایک پنچھی  
کے برادر پرانے گھر کی دروازہ پر ہم نے ایک کسان کو دیکھا جو ہمیں دیکھ رہا تھا۔ جانپانی  
کی وجہ سے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ ہم کون ہیں۔ «السلام و ملکم۔» میں نے  
کہا۔

«و ملکم السلام۔» وہ فوراً باہر آ گیا۔ چائے پوچھے؟  
«نہیں۔ آپ پانی پاٹا دیجئے۔»  
«وہ مکان کے اندر جا کر گلاس لے آیا اور تیز روٹا پر جگ کر اسے بھر لیا۔  
«تریک کا پانی اچھا ہے صاحب۔»

اس پنچھی سے پرے۔ تریک سے ہٹ کر کھیتوں کے پیچے ہمیں پوری دوپہر  
ایک خوش نہا چینی ملز کی عمارت نظر آتی تھی اور ہم نے اس کسان سے پوچھا کہ وہ  
کیا ہے؟

«وہ تو مسجد ہے صاحب۔ اور اس کے ساتھ امام باڑہ ہے۔»  
ہم اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد تریک کی طرف چلنے لگے۔  
«ابو میں مسجد دیکھنا چاہتا ہوں۔»  
شام میں وہ عمارت کھیتوں میں سے اٹھنے والی ہلکی تاریکی میں کم دکھائی دے  
رہی تھی۔ «خاصی دور ہے۔»

«زیادہ دور نہیں ابو۔» اور وہ راستہ بدل کر ہمارے آگے آگے چلنے لگا۔  
جانپانی نے بالکل نہیں پوچھا کہ ابھی اور ہر جا رہے تھے تو ابھی دوسری طرف کیوں جا  
رہے ہو اس نے فوراً کائنا بدلا اور میرے ساتھ چلنے لگا۔ یہاں بھی روپل کی طرح ہم

ہوا، کچھ سو گھنٹا ہوا۔  
”کیا بات ہے احسان؟“  
”کچھ نہیں۔“ وہ نہایت مخصوصیت سے مکرانے لگا۔  
”کچھ تو ہے۔۔۔“  
”میرے پاس تو کچھ نہیں ہے“ اس نے اپنی ہیئت اٹ کر دکھائیں۔  
”تو پھر کوئی اور بات ہے۔۔۔“  
”نہیں۔۔۔ کوئی اور بات بھی نہیں۔۔۔“ اس کی مکراہٹ مزدوجیں گئی۔  
پھر اس نے پورے کرے کا ایک طازہ نہ جائزہ لیا اور کہنے لگا ”آپ کے پاس پہنے کے لئے کچھ ہے؟“  
”کیوں نہیں احسان بھائی۔۔۔“ رای اپنے سلینگ بیگ میں سے باہر آگئی۔  
بہت ہے پہنے کے لئے“

”اچھا۔۔۔“ احسان خوش ہو گیا ”ملے گا؟“  
”کیوں نہیں ملے گا؟“ رای نے پلاسٹک کین اٹھا کر اسے تھکا دیتے ہے ”اور پھر تم چینی کے گک میں پانی بھر کر اس کی جانب بڑھا دیا۔ احسان نے بھرے ہوئے گک کو انتہائی اشتیاق سے دیکھا اور پہنے سے پیٹھر سے سو گھما، کچھ ٹکٹک میں جلا ہو کر ہماری جانب دیکھا اور پھر جلدی سے ایک گھونٹ بھرا۔۔۔ اور اس ایک گھونٹ سے احسان کی سرخوشی یکدم بخوبی ہوئی۔۔۔ اس نے مکرانے کی کوشش کی اور بیٹھی ہوئی آواز میں بولا ”یہ تو پانی ہے۔۔۔“

”اور کیا چاہئے احسان۔۔۔“ میں اس کی بیوی سمجھتا تھا۔  
اس نے پھر ادھر ادھر سو گھنٹا۔۔۔ ”یہ پو کیسی ہے؟“

Rai نے ناک سکیڑ کر تھوڑی دیر غور کیا۔۔۔ یہ بولے۔۔۔ اوہ احسان بھائی یہ تو ہم شوو پر جب کھانا پکا رہا تھا، دال چاول، تو تھوڑا سا پرست ادھر بولت سے گر کیا تھا۔۔۔ یہ شوو پرست سے جو ہے تو اس کا بولے۔۔۔ آپ کیا سمجھا؟“  
”کچھ نہیں۔۔۔“ احسان سرجھکائے بیوی میں غرق باہر چلا گیا۔۔۔  
ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مکرانے لگا۔

موم عقی کی موم مل پر بھیل پھیل چکی۔۔۔ اور بجھنے کو تھی۔۔۔ تھک میں پہلی شب کی نسبت آج ہمیں زیادہ سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی، شاید ہم موم کے

ہوں جہاں ہمیں آتا تھا۔۔۔ میں دنیا کی کئی معروف اور محبوب مسجدوں میں گیا ہوں۔۔۔ ان کی عظمت اور تاریخ نے مجھ پر اڑ کیا ہے۔۔۔ ان کے ماحل نے مجھے بہت کچھ کہا۔۔۔ لیکن تھک کی اس ۴۰۴۰ فٹ کی مسجد نے اور اس میں بھی زودہ اور بھیشوں کی کھالوں کی گرمی میں مجھے کچھ نہیں کہا، صرف مجھے کو کہا۔۔۔  
ہم نے باہر آ کر مسجد کے ساتھ پہنچتے ہوئے گیشیز کے پالی سے وضو کیا۔۔۔ سرجھکائے آنکھیں بند کے اور ہاتھ پاندھے ہم زودہ کی کھالوں پر کھڑے ہو گئے۔۔۔ ناک میں کھالوں کی گرمی تیز ہو جاتی جب ہم بحمدے میں جاتے۔۔۔  
جب میں نے سلام پھیرا تو مجھے صرف ناٹا پرست کی برفیں نظر آئی تھیں۔۔۔ ہم تھک جا رہے تھے تو کھیتوں میں تاریکی تھی لیکن ہم راستے سے آگاہ تھے۔۔۔

”مرا آگیا ایسا۔۔۔“ سیر کرنے میرا بازو تھام کر کردا۔۔۔  
”ناٹا پرست نورست کا نیوپل تھک“ میں بڑی گماگھی تھی۔۔۔ فرانسیسی سیاح مانشو پاس سے واپس آچکے تھے اور اپنی کامیابی کی خوشی میں جشن منا رہے تھے۔۔۔ چد موم بھیاں جو رست کے ڈھیر کے اوپر رکھے ہوئے ایک تختے پر روشن تھیں، خالی بوتلیں اور ڈبے، پاکستانی موسيقی، فرانسیسی میں لوک گیت، دکتے چہرے اور ستاروں بھری آنکھیں۔۔۔ اور خوشی اور سوتی میں فلاٹھیں بھرتا ہوا احسان۔۔۔  
ہمارے کرے میں رای چاچا بیگ صاحب کے دیے ہوئے پچ شوو پر رات کا کھانا تیار کر رہا تھا۔۔۔ آپ کے لئے بہت زبردست ڈزر بنا یا ہے تارڑ بھائی۔۔۔ بہت زبردست سر اڑ جانتے ہو کیا بنا یا ہے!۔۔۔ دال اور چاول۔۔۔  
”واقعی یہ بہت زبردست سر اڑ ہے۔۔۔ میں ہنسنے لگا“ لیکن اس کے ساتھ تو ہم ایک اٹھے کا آٹیٹ کھائیں گے۔۔۔ سیر پڑا اونڈہ پیش کیا جائے۔۔۔  
سیر نے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر انڈوں والی پوتلی نکالی اور میرے سامنے رکھ دی۔۔۔ پوتلی کچھ بیٹھی بیٹھی لگ رہی تھی۔۔۔ کوئکہ ہمارا آخری انڈہ بھی ٹوٹ چکا تھا۔۔۔

کمزی کی سل پر روشن موم عقی آدمی جل چکی تھی۔۔۔ سیر اور جلپانی سوچکے تھے۔۔۔ فرانسیسیوں کی آوازیں بھی کم کم آتی تھیں۔۔۔ احسان کرے میں داخل ہوا، جتنا

## ”پورہ سلطان کے کوہستانی گھر میں“

میں ترٹھک کی واحد دوکان میں سلطان کے پچوں کے لئے ہانی کے پیکٹ اور نسواری آئینے خرید رہا تھا۔  
اور پھر ہم سلطان کے کوہستانی گھر کی جانب چلتے تھے۔  
جلپانی اور سیر آگے آگے چل رہے تھے۔ سلطان درمیان میں اور وہ ہمیں ترٹھک میں لینے آیا تھا اور اس کے پیچے میں اور راتی۔۔۔  
ترٹھک سے نیچے اتر کر ہلاہ عبور کر کے اب ہم دوسرا پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔۔۔

”تارڑ بھائی کل ہم واپس ٹلے جائیں گے“ راتی کہنے لگا۔

”ہاں۔۔۔ اگر جلپانی کی جیپ آگئی تو۔۔۔“

”لیکن آپ نے تو مجھے ڈریکولا ہنا دیا ہے۔۔۔ میری نسل تبدیل کر دی ہے۔۔۔“  
میں نے اس پر راتی کی جانب دیکھا اور چونکہ کر دیکھا کہ یہ چاچا کیا کہہ رہا ہے لیکن وہ سرجھکائے مہانت سے چلتا جاتا تھا ”ہاں میں تھیک کہتا ہوں۔۔۔ میں بالکل نارمل نسل کا انسان تھا۔۔۔ اسلام آبادی انسان ہو اپنے کام سے کام رکھتا تھا لیکن آپ نے مجھے ڈریکولا ہنا دیا۔۔۔“  
”وہ کیسے؟“ مجھے پوچھتا ہی پڑا۔۔۔

”یہ جو ڈریکولا ہوتا ہے تو اس میں ایک خاص بات ہوتا ہے۔۔۔ اور وہ یہ کہ جب کبھی وہ کسی دوسرے نارمل انسان کو کھاتا ہے تو دوسرا انسان بھی ڈریکولا ہن جاتا ہے،۔۔۔ اس کی نسل بدل جاتی ہے۔۔۔ اس سفر کے دوران، اور ترٹھک میں اور ہاں پر میدان میں۔۔۔ میری نسل بدل گئی۔۔۔ آپ کے پہاڑوں کے مشق نے مجھے بھی کاٹ لیا۔۔۔ اب

عادی ہو رہے تھے۔

ترٹھک کی واحد دوکان کے اندر میں نے گول نسواری آئینے کو اپنے سامنے کیا۔۔۔ اس فوراً اٹھایا گیا پشت پر کچھ نہ تھا۔۔۔ پھر اٹھا کر سامنے کیا۔۔۔  
دوکان میں روشنی کم تھی۔۔۔ گول نسواری آئینے میرے ہاتھ میں تھا اور اس میں ایک سفید داڑھی والا دھشی سا شخص مجھے دیکھ رہا تھا اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرفی تھری تھی۔۔۔ پھر وہ سفید ریش بیبا مسکراتے لگا اور اس کے دانت پچھنے لگے۔۔۔  
میں بے اختیار ہو کر پہنچنے لگا کہ یہ میں ہوں۔۔۔ پھر وہ روز کی کوہ نوردی نے مجھے کیا ہنا دیا ہے،۔۔۔ میں اپنے آپ کو پہچان جسیں رہا تھا۔۔۔ میں نسواری آئینے کو روپ والا کرپنی ایک جھلک دیکھا اور پہنچنے لگا۔۔۔

جلپانی نے مجھے فور سے دیکھا اور پھر مسکراتے لگا جیسے قبتوں کا سبب چاتا ہو۔۔۔  
”میں بیبا ہو گیا ہوں۔۔۔“ میں نے اپنی سفید داڑھی کو پیار سے تھپکتے ہوئے کہا۔۔۔  
”بیبا۔۔۔“

”آہ۔۔۔ بیبا“ جلپانی نے سر پہلا یا ”پورہ ایم“

میں نارمل انسان نہیں رہا۔ آپ کی نسل کا ہو گیا ہوں۔۔۔

"یعنی میں ڈر سکولا ہوں۔۔۔؟ یہ میری تعریف ہو رہی ہے؟"

"آپ بحثتے ہیں تاں کہ میں کیا کہتا چاہتا ہوں۔۔۔" اور رایہ بے حد مجیدہ تھا "دیکھیں جب آپ کسی شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گرد خوب سمجھاتے ہیں، پکر دیتے ہیں۔۔۔ اور پھر اس کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں تو اس کے بعد بھی اسے چکر آتے رہتے ہیں۔۔۔ مجھ کو آپ نے ہاتھ پکڑ کر گھملا چکر دیتے۔۔۔ اور اب جب میں واپس جاؤں گا تو دہاں بھی مجھے چکر آتے رہیں گے۔"

ہم آہست آہست تر ٹھک سے بہت بلند ہو چکے تھے۔ پوری وادی کا منظر ہم پہنچے چھوڑتے ہیں رہے تھے۔ اور جب کبھی مز کر دیکھتے، وہ منظر زیادہ وسیع ہو چکا ہوتا۔۔۔ تر ٹھک کی ہراوں، رف پوش پس منظر اور کھیتوں میں مکان اور ان سے پرے ایک لدانی طرز کی چھوٹی سی مغارست۔۔۔ روپل دریا کی گذرگاہ کی بلند دیواروں کے کنارے۔۔۔ اور ان کناروں کے درمیان میں جو بے حد پر کشش اور سرین میدان تھا اور دہاں ایک چھوٹا سا گاؤں بلندی پر بر اجتن قھا تو اس کا نام رائے پور تھا۔

اب سلطان ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔۔۔ اور ہمارے پہنچنے پر کہ تمہارا گھر یہاں سے نہیں دور ہے، ماچتے پر مل ڈال کر مگراتے ہوئے کہتا "اُدھری ہے۔۔۔"

سلطان کے گھر کی جانب پہنچنے ہوئے ہمیں اپنے گھر بیاد آئے۔۔۔ رایہ کنے لگا "کل میں سچی کرتے ہوئے بیکالی گانا کا رہا تھا کہ دریا تیر اکنارہ نہیں ہے۔۔۔ تو یہ میں تب گاتا ہوں جب میں گھر کے لئے اداس ہو جاتا ہوں۔۔۔ لیکن تارڑ بھائی اور ہر جو بلندی ہے اس کی وجہ سے گانا ٹھیک طرح سے نہیں گایا جاسکا۔ اور آسکنہن کم ہے اس لئے جب بھی تان گاتا ہوں۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔ تو میرا سانس ختم ہو جاتا ہے۔۔۔ دو کی بجائے صرف ایک "آ۔۔۔" کرتا ہوں اور خلاص۔۔۔ شاید اسی وجہ سے اور ہاتھ پرست کی وادی میں کلائیں موسمی کا کوئی فوج نہیں۔۔۔"

پائیں جانب بہت ہی بلند چٹائیں تھیں اور وہ ہم پر جگلی ہوئی تھیں، ان چٹانوں میں سے گھاس لٹکتی تھی۔۔۔ گھاس میں کبھی کبھار کوئی شے حرکت کرتی۔۔۔ رایہ رک گیا "بلاپ رہے۔۔۔ یہ کوئی جانور ہے۔۔۔ غور سے دیکھو۔"

سلطان آگے جا کر گھر ہو گیا "کیا دیکھتے ہو؟ اور مت دیکھو۔۔۔ اوپر ہمارا عورت لوگ گھاس کاتا ہے۔۔۔"

یہ عورت لوگ بہت بلندی پر تھا اور سردوں کے لئے گھاس کاتا تھا۔

رات ختم ہو گیا اور ہم کھیتوں کے درمیان میں چلتے گئے۔ یہ "تاکے" کا علاقہ کھلا آتا تھا۔۔۔ ٹھک پہاڑ کی آخری بلندی سے ذرا پسلے سلطان کا گھر تھا۔۔۔ روپل سکول جتنا صاف تھرا، پچھوں اور لکڑی سے تعمیر کر دو۔۔۔ ذرا پیچے لکڑی کا سور تھا اور اس کے ساتھ مویشیوں کا بازو تھا۔۔۔ یہ بازو اندر سے بے حد تاریک تھا اور اس کی آخری کوٹھری بے حد ٹھک اور بغیر ہوا کے تھی۔۔۔ شدید سردوں میں مویشیوں کو اس کوٹھری میں رکھا جاتا تھا۔۔۔ گھر کے ساتھ کھیت تھے۔۔۔ سلطان کا گھر ہماری توقعات کے بر عکس خاصا شاہزاد تھا۔۔۔ بر آمدے میں ایک دروازہ کھلا تھا اور ہم اس کے راستے ایک پچھوٹے سے صاف تھرے کرے میں داخل ہوئے ہیں خصوصی طور پر ہمارے لئے تیار کیا گیا تھا۔۔۔

فرش پر ایک دھاری دار اونٹی دری پھیجی تھی۔۔۔ دیواروں کے ساتھ ٹکے گئے ایک جانب چیخت کی رضاۓیاں ترتیب سے رکھی تھیں۔۔۔ درمیان میں ایک پرانا شیپ ریکارڈر بیٹھتے کی کوٹھش کر رہا تھا۔۔۔ لکڑی میں دو اگر تیاں جل رہی تھیں۔۔۔ پیشتر سلطان کے ایک چاچا جی اور ایک متاثی سکول ٹپھر تشریف لا پکھے تھے۔۔۔ جب ہم آرام سے بیٹھے گئے تو سلطان کے پچھے کرے میں آئے۔۔۔ انہیں آج خصوصی طور پر خوب مل مل کر نہلایا گیا تھا اور وہ صاف تھرے کپڑوں میں باقاعدہ دک رہے تھے۔۔۔ سلطان کی سب سے چھوٹی پیچی اتنی گول مٹول چین گوری اور پیاری تھی کہ اسے دیکھتے ہوئے لگتا تھا کہ ہم شاید کسی دودھ یا گراپ اپ وائر کا اشتخار دیکھ رہے ہیں۔۔۔ جب میں نے انہیں وہ تھنچے دیئے ہو میں نے ان کے لئے تر ٹھک میں خردے تھے تو وہ عام پچھوں کی طرح بے صبرے اور نمیدے بالکل نہ ہوئے بلکہ ٹھیکوں کو سینے سے لگائے آرام سے ایک کونے میں بیٹھے گئے۔۔۔

سلطان کی نظریں مجھ پر تھیں۔۔۔ وہ میرے چڑے سے اندازہ لگا رہا تھا کہ اس کے گھر کو میں پسند کر رہا ہوں یا نہیں "صاحب ٹھیک ہے ہاں؟"

"ہاں سلطان۔۔۔ لیکن یہ شیپ ریکارڈر ذرا بند کر دو۔"

شیپ ریکارڈر بند ہوا تو ایک ٹھک خاموشی جیسے اندر آگئی۔۔۔ سلطان کا چاچا باٹیں کرنے لگا۔۔۔ صاحب اور ہم پہاڑ پر ہادیب سے اپریل تک برف ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے۔۔۔ جتنا زیادہ برف ہوتا ہے ہم انکا زیادہ خوش ہوتا ہے۔۔۔ ادھر ہم زیادہ تر مز، آلو، پھلیاں اور دال کاشت کرتا ہے آپ نے دیکھا کہ ابھی اگست کا مہینہ ہو گیا لیکن ہمارا گندم پکا نہیں شاید اس مرتبہ بالکل شکپے کیوں نہ اس

سال سردویں لبی ہو گئی تھی۔

"سردویں میں آپ لوگ گمر سے بالکل باہر نہیں نکلتے؟" سیرنے پوچھا۔  
"کہیں نہیں نکلتے۔ باہر جا کر مویشی کو دیکھتے ہیں۔ چارہ ڈالتے ہیں۔ پانی لاتے ہیں۔"

میں نے ذرا مقای شافت کے بارے میں اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہا اور ان سے شادی بیاہ کی رسوم کے بارے میں پوچھا، خاص طور پر موسيقی کے بارے میں۔

"شادی پر پہلے ہم ڈھول بھاتے تھے۔" سلطان کا چاچا کرنے والا "اب منع ہے"  
"کس نے منع کیا؟"

"اس نے۔" چاچا نے سکول پنجھر کی طرف اشارہ کیا "اس نے کما یہ اسلام میں نہیں کہ ڈھول بجاو۔" اس فقرے کے خاتمے پر سکول پنجھر نے میری جانب قاتحانہ نکلوں سے دیکھا اور میں نے جواب میں نمائیت دربرانہ انداز میں سربالا۔  
نکنگو کے دوران سلطان بڑے اہتمام سے کھانا لگا دبا تھا۔

"کھانا میں صاحب۔" اس نے ذرا شرمہدہ ہو کر دعوت دی۔  
اور یہ کھانا شاہراہ رشم سے اس طرف ہمارا بہترین کھانا تھا۔ میں انہوں کا محسن سے تیار کردہ آلبٹ، غیرے پرانے کھول کیک نامگی روٹی اور گاؤڑی میٹھی لی۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے تھا اور رای کے لئے ایک کھورے میں آلو اور بیاز کا پیکا طودہ نما کھانا اور اسے رای نے بڑے شوق سے دیجیرے دھیرے کھلایا۔

جب میں تن پر انہوں کے بعد لی کا چوچھا گلاں غٹاٹ لی رہا تھا تو رای کے لیگا "آج میں اپنا پرہیز ختم کر کے اس لی کو ٹڑائی کروں گا جو آپ بت شوق سے پیتا ہے۔"

"بسم اللہ" میں نے لی کا ایک گلاں اسے تھا دیا۔ رای نے ایک گھونٹ بھرا، کچھ دیر سوچ میں رہا پھر ایک اور قدرے پر اشتیاق گھونٹ بھرا اور پھر پورا گلاں پی گیا "تاریخی بھائی یہ تو گھول ہے"

"یہ کیا ہے؟"  
"گھول۔" رای نے دھرا یا "تم نے مجھے پہلے کہیں نہیں ہاتا کہ یہ گھول ہے۔"

"مجھے معلوم ہوتا کہ یہ گھول ہے تو میں جیسی ہاتا کہ یہ گھول ہے۔ لیکن

رای چاچا کیا واقعی یہ گھول ہے؟"  
"ہاں۔ ہم اسے گھول بولتے ہیں۔"  
میں انہے، مکھن، غیرے پرانے اور گھول۔ اور سلطان کے اس پہاڑی گھر کے خلک کر کے میں خاموشی اور لبی لبی جھانیاں اور خند سے بوجبل آنکھیں۔ ہم پڑی مشکل سے اٹھے اور بڑی مشکل سے باہر برآمدے میں آئے۔ دفعہ سر ڈھل چکی۔ چنانہوں میں عورت لوگ گھاس کانے کے لئے بھی دکھائی دیتی تھیں اور کبھی کم ہوتی تھیں۔ اور ایک بھلی خلک ہوا نانگا پرہت کی جانب سے ہم پر اترنی تھی۔ اور ہم اس کے ساتھ سلطان کا بے پناہ ٹھریے ادا کرنے کے بعد تریکی کی طرف اترنے لگے۔ اس نانگا پرہت کی جانب سے اترنی ہوا کے ساتھ تریکی کی طرف اترنے لگے۔

اس شام میں اور سیر ایک مرتبہ پھر اپنے کرے سے انکل کر کھیتوں کی ٹھنڈک میں گئے۔ اور اس جانب پڑے جہاں ایک ایسا درخت تھا جس پر دو پرندے چچھاتے تھے اور نظر میں آتے تھے۔ اس درخت کے آگے ہر اولاد میں گھری ہوئی پانی کے کنارے ایک عمارت تھی لدائی طرز کی۔ جو ہمیں سلطان کے گھر سے بھی دکھائی دیتی تھی اور ہم نے وہیں فیصلہ کیا تھا کہ آج شام ہم ضرور وہاں پہنچیں گے۔  
مغرب کا وقت تھا۔ ہم نے خلک پانیوں کے ساتھ وضو کیا اور کرے کے اندر چاکر ایک دیوار کے ساتھ نیک لگا کر بیٹھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک چینی شیاہت کے بیباہی آئے اور اپنی خموڑی سے لفڑی ہوئی داڑھی ستوارتے آئے۔ وہ مجھ میں آئے اور ہمیں دیکھ کر دڑا ٹھمک گئے کہ ہم اپنی ٹھوٹیں کھل کر تھے اور نہ تاریکی میں دیوار کے ساتھ نیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے سلام کیا تو وہ سکرانے لگے۔ وہ سکون تھا۔

تھوڑی دیر میں مسجد بھر گئی۔ اور اسے بھرنے کے لئے دس پندرہ نمازی کافی تھے۔ یہ لوگ اندر آتے اور کسی کھال پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگتے۔ اور اکثر بند آواز میں پڑھتے۔ شام کی خلکی میں کھالوں کی گرم ملک میں اس مختصر عبادت گاہ میں۔ کوئی ہاتھ باندھے پڑھ رہا تھا اور کوئی ہاتھ چھوڑ کر۔ زیادہ تر ہاپے لپے چوپوں میں تھے اور چینی لگ رہے تھے۔  
میں نے خیہت سے گمراہی کی دعا کی۔ اور کمزی کے نوٹے ہوئے شیشوں

میں سے ناگاپرست کی سفیدی ہے مسجد میں آتی تھی اور اس کی تاریکی کم کرتی تھی۔  
ہم اندر ہمرے میں پڑنے ترنگ کو جا رہے تھے۔ اور خلکی بڑھتی جا رہی تھی۔  
ایک پنڈت ہدیٰ پر دو لائینس حکمت کرتی ہوئی ہماری جانب آ رہی تھی۔ ہم قرب  
ہوئے۔ سیاہ نیاس میں دو لڑکیاں۔ انہوں نے راستہ دیکھنے کے لئے لائینس اپنے  
چہوں کے برابر کر رکھی تھیں اور روشنی کن کی زیادہ تھی یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔  
انہوں نے ہمیں یکدم سامنے پا کر چرت اور ڈر سے اپنی زبان میں پچھ کما اور پھر  
راستہ پہل کر کھیتوں کے اندر چلی گئیں۔ وہ مسجد کی جانب روائی تھیں اور مجلس میں  
ٹھرکت کے لئے جا رہی تھیں۔

ترنگ کے قریب چند اور لوگ ملے۔ وہ بھی لائینس اخانے مسجد کی جانب جا  
رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان ہماری طرف آگیا، لائینس اخا کر ہمارے چہوں  
کے برابر کی اور کنے لگا۔ صاحب گلکت سے آپ کی جیپ آگئی ہے۔ ڈائیور آپ کا  
انتظار کر رہا ہے۔

رات ترنگ میں چاند کی ایک چاندنی تھی کہ اوتا ہوا کو اسخید روئی کی پونی کی  
طرح سخید ہوتا تھا۔

الکی چاندنی تھی کہ کرے سے باہر نکلو تو گلہ تھا کسی عظیم قیصر کا سیٹ ہے  
جسے روشن کر دیا گیا ہے۔ ترنگ کی کچی گندم کے خوشی الگ الگ نظر آتے تھے۔

## ”خوبصورتی کا خوف اور راما جھیل“

سلطان ہمیں الوداع کرنے آیا اور رواگی کے وقت مطلع ابر آلوہ تھا۔  
ہم رحمان پور پل کے پار ہوئے اور جیپ ایک چوڑے راستے پر اترتی جا رہی  
تھی جب ہم نے دیوسائی سے اترتے تیز تالے کو دیکھا۔ صاف شفاف آسمانوں سے  
اترتا انسین کے رنگ کا پانی۔ اور یہ نالہ اتر رہا تھا اور اس کے پلاؤں راستہ اٹھ رہا  
تھا اور چلمپوکی کے راستے دیوسائی کو جا رہا تھا۔

ہمارے سامنے ایک راستہ تھا جو دیوسائی کو جاتا تھا۔  
”رحمت خان جیپ روک دو۔“

ڈرائیور نے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ دیوسائی کے نالے کا شور جیپ میں  
وینڈنے لگا۔ ”بات کیا ہے صاحب؟“

”پچھے نہیں۔“ میں جیپ سے اتر کر پچھے راستے پر کھڑا ہو گیا اور بلند پہاڑوں  
پر اگئے ہوئے آسمان کے ایک چھوٹے سے حصے کو دیکھنے لگا جو یقیناً دیوسائی کے اور  
تھا۔ میں دیوسائی سے آتے والے پانیوں کو ایک دیوانے کے طرح گھور رہا تھا۔ یہ  
دہان سے آ رہے ہیں جہاں میں جانا چاہتا تھا۔ جہاں خان بدھو شی کرنے کی غرض سے  
میں گھر سے لکھا تھا۔ اس بار بھی اور اس سے بچھتے برس بھی۔ اور اب راستے  
میرے سامنے تھا۔ اگر میں اور سیریساں جیپ میں سے اپنا سامان اتروالیں تو کیا ہو  
گا۔ شاید شام نے چھٹھہ میں کوئی اور جیپ چلمپوکی لے جائے۔ شاید دہان سے ہم  
دیوسائی کے لئے پورٹر حاصل کر لیں۔ شاید دہان موسم اچھا ہو اور ہمارا نازک خیبر  
شہ بہری کے لئے کافی ثابت ہو۔ شاید۔ یہ پانی سیدھا دیوسائی سے آ رہا ہے، نیلا  
ایسا نیلا کہ بے نیک اس میں کپڑے نیلوں میں کر لو۔ اور یہ راستہ دیوسائی کو جا رہا

مزک کے دلوں جانب سر بز کھیت اور باخ تھے اور استور کے مرکز میں متعدد چھوٹے  
چھوٹے بازار تھے۔

ہم ستانے کی غرض سے نورست کائنٹ میں پڑے گئے۔ اور کائنٹ میں فی منبع  
فٹ کے حساب سے شاہی علاقہ جات میں سب سے زیادہ تکمیل پائی جاتی ہے۔ پاشاید  
اس دوسرہ خصوصی طور پر مجھے دیکھنے کے لئے آگئی تھیں، اس کے باوجود یہ کائنٹ غیر  
مکن نورشوں کی پسندیدہ رہائش گاہ ہے۔ ویژنے پرچھا لگایا تو تکمیلوں کی تعداد میں کم از  
کم پائیں نیصد کی ہو گئی۔

ہم یہاں پہنچنے اپنے ڈرائیور کا انتظار کر رہے تھے۔ اور ڈرائیور پہنول کی تلاش  
میں گیا تھا۔ یہ نہیں کہ ہمارے پاس گلگت تک کے لئے پہنول نہیں تھا۔ گلگت تک  
کے لئے تھا۔ راما لیک تک جانے اور واپس استور تک آئے کے لئے نہیں تھا۔

بہت عرصہ پہنچا۔ ایک سفر کے دوران ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم شاہی  
علاقوں میں کہاں کہاں گئے ہو۔ میں نے پہلیا تو کہنے لگے "تم راما لیک تک نہیں گئے"  
میں نے عرض کیا کہ نہیں ابھی اخلاق نہیں ہوا۔ اس پر وہ صاحب باقاعدہ خفا ہو گئے  
اور بیتھے سفر کے دوران مجھ سے کام تک نہ کیا۔

جب ہم یونیورسیٹ سے آگے استور کے نکل دوڑہ نہ راستے میں داخل ہوئے تھے اور  
rama لیک کی بیٹے پناہ خوبصورتی کے ان تذکروں کا خیال آتا تھا جو میں نے نورست  
گائوز میں پڑھ رکھے تھے۔ کچھ جنگلوں اور وسیع بزرہ زاروں میں گھری جملیں جس پر  
نانگا پرست کی بہنس جنکی ہوئی ہیں اور جو پاکستان کی خوبصورت ترین جملیں ہے۔ وغیرہ  
وغیرہ۔ اور آج مجھ ترکھ سے روائی کے فوراً بعد میں نے پہلے تو ڈرائیور کے ساتھ  
تعلقات خوشنگوار کئے کہ۔ وہ وہ ڈرائیور تو وہ ہے جو استور روڑ پر مسافر کو جھکانے  
لگتے ہے اور نہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جیپ ایک ہی جگہ کھڑی ہے اور میں  
نے اپنی زندگی میں تم جیسا پاکمال پہاڑی ڈرائیور کم ہی دیکھا ہے بلکہ دیکھا ہی نہیں۔  
وغیرہ وغیرہ اور پھر یونی لاپرواٹی سے پوچھتا شروع کر دیا کہ اچھا ہم گلگت کتنے بیچھے  
جا سیں گے؟ اگر ہم استور چاکر اپر راما لیک تک ہو آئیں ہو صرف وہ بارہ کلو میٹر کے  
فائلے پر ہے تو کیا اس صورت میں ہم شام سے پہلے گلگت بیچھے کھٹکتے ہیں؟۔ ظاہر ہے  
عام ڈرائیور تو نہیں پہنچا سکا اور اگر ہم راما لیک تک ہو آئیں تو سور و پیٹ پہ تو  
معمولی بات ہے اور جو کتاب لکھی جائے گی اس میں ہم آتا تو بتتی معمولی بات

ہے۔ اور اگر ہم اتر جائیں تو شاید شام تک ہمیں چلم چوکی کے لئے کوئی سواری  
نہ ہے۔ اور شاید ہمیں کوئی پورٹر نہ ہے۔ اور شاید دیوسائی پر طوفان آیا ہو۔ ہو۔۔۔  
شاید۔ اور اس صورت میں ہم یہاں اس مقام پر بے یارہ مددگار پڑے رہیں گے اور  
کئی دنوں کی مشقت کے بعد گلگت واپس پہنچیں گے۔ اور اب ہم یہیدے گلگت جا  
رہے تھے۔ لیکن یہ راستہ دیوسائی کو جا رہا ہے۔ اور اگر میں باسیں پاٹھہ مڑ جاتا ہوں  
تو اس سے دور ہوتا جاتا ہوں۔ شاید بھی نہ آئے کے لئے۔

راہی پانڈان پر پاؤں رکھے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ میری محبت کو سمجھا  
تھا۔ سیر اپنی پہنچانی نوپلی کو مانتے پر سمجھ کر دیوسائی کے ہاتھے کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ  
بھی جانتا تھا۔ "چلیں صاحب۔" ڈرائیور نے ہم سب کو یوں چپ کھڑے دیکھ کر  
کہا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

"راہی اگر میں یہ کہوں کہ ہم اس جیپ کو بیس پچھوڑ دیں اور دیوسائی کے  
لئے قسم آنائی کریں تو تم کیا کو گے؟"

"میں بالکل تمارے ساتھ ہوں مالی فرنٹ۔ آپ سوچ لیں۔ ویسے آپ  
دیوسائی کے بارے میں بہت جذباتی ہیں۔ پھر سی۔ یہ قسم بھی ہوتا ہے اور اگر  
قسم پار بار کے کہ نہیں جاؤ۔ تو نہیں جاؤ۔"

"اوہ اگر میں پھر بھی جانا چاہوں تو؟"

"میں بھی چلوں گا۔ آپ فیصلہ کرو ہم ڈرائیور سے کہہ دیں گے کہ ہمارا  
سلام کھول دے اور جانپن کو گلگت لے جائے۔"

میں تقریباً پائیں مٹت تک وہیں کھڑا رہا۔ راستے کو اوپر جاتے اور پاندوں کو بیچھے  
آتے دیکھا رہا۔ "ہا۔۔۔ اگر قسم پار بار کے کہ نہیں جاؤ۔ تو نہیں جاؤ۔" میں نے سیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کما اور جیپ میں بیٹھ گیا۔

جیپ دیوسائی کے ہاتھے کے اوپر سے گذری تو میں نے اس کی طرف دیکھا  
تھیں۔ وند سکرین کو گھوڑا رہا۔۔۔ پھر بھی اس کی گھنٹک بجھ تک آئی۔

اور یہاں سے گریگٹ دور نہ تھا اور وہاں دھوپ بہت جیز تھی۔ ہم رکے بیٹھ  
آگے نکل گئے اور جیپ وہ مقام آیا جہاں سے ایک راستہ اور استور کو جا رہا تھا اور  
بیچھے استور ہاتھے کے ساتھ ساتھ ہیکی سڑک یونی کو جا رہی تھی تو ہماری جیپ استور  
کے لئے اوچی ہونے لگی۔۔۔ استور کی جو تصویر میرے ذہن میں تھی وہ بہت منظر  
تھی۔۔۔ اوچائی پر چند ٹمارتیں اور دی ائی۔۔۔ لیکن استور اس تصویر سے بہت وسیع تھا۔

۳۲۲

اور بازار تھے۔ اس جیپ رائڈ نے ہماری ہڈیاں پہلیاں کر دیں۔ جب آبادی ختم ہوئی تو سڑک ڈراہٹر ہو گئی۔ اور درخت کنے ہونے لگے اور ان چیزوں کے درختوں میں سے کہیں کہیں برفون کی ٹھیک نظر آئے گی۔ پھر راما کا چھوٹا سا رست ہاؤس نظر آیا۔ اور اس کے سامنے ایک اتھاری چھوٹا سا ہیلی پینٹ۔ راما رست ہاؤس کے بعد ہم ایک محلی اور نلک اور وسیع کینڈین شاکل کی لینڈ سیکپ میں آگئے۔ ایک پچھوں میں بھی گلیشیر کے سرمنی رنگ کے پانی کی ندی اس لینڈ سیکپ کی وسعت میں بھیلی ہوئی تھی۔ اس کے کنارے پر محدث جنگلوں سے لائے ہوئے بے شمار شتریت تھے جنہیں ایک ریکٹر ٹالی پر لادا جا رہا تھا۔ اس ندی کے پار ایک چڑھائی تھی اور ایک چھوٹی سی نلک پہاڑی تھی۔ جب اس نلک پہاڑی پر چڑھنے لگی۔ پسلے پانی کا ایک چھوٹا سا ذخیرہ آیا، بر فیلا اور ٹیلا اور اس کے بعد راما لیک سامنے آگئی۔

یہ ایک دیران اور لمبورگی جیل تھی جس کے پس مظاہر میں ناٹا پرست کے سلطنتی چند برف پوش چوٹیاں اور گلیشیر تھے لیکن اس مظاہر کا کچھ حصہ ایک لمبی ٹیلا نما نلک پہاڑی نے چھا رکھا تھا۔ جس کے نیچے گذریوں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جو ذرا غور کرنے سے نظر میں آتی تھیں۔ پانیں ہاتھ پر بلند پہاڑیاں تھیں جو سرویوں میں کسی گلیشیر کے نیچے دبی رہتی تھیں اور وہ گلیشیر اب پکھل کر اپنے پیچے نکل اور پھر بکھرے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔

ہاں ہم تھوڑے سے مایوس ہوئے۔ شاید ہم تریکھ، روپل اور ٹاپ میدان کے بعد یہاں آئے تھے اس لئے۔ یا ہم جلدی میں تھے اور ہمارا ڈرائیور جیپ کا ایک سلی بڑا دبا کر ہمیں خبردار کر رہا تھا کہ ابھی ہم نے واپس استور جانا ہے، اصل سڑ تو ابھی ہاں سے شروع ہو گا۔ شاید اس لئے! میرا خیال ہے یہ جیل "آئے اور دیکھ لیا" والوں کے لئے صیص تھی۔ یہاں ویرانی اور فاصلہ تھا اور اسے جاننے کے لئے اس کا حصہ بنایاں شب بس کرنا شرط تھا۔

اس جیل میں خوبصورتی اتنی نہ تھی، خوبصورتی کا خوف بنت تھا۔ یہاں انسان ایک ڈر میں رہتا ہے اور ہر دو قوت آس پاس دیکھتا ہے کہ کہیں بلند پہاڑوں میں سے۔ برفوں میں سے۔۔۔ ٹیلوں اور پچھوں کی اوٹ سے ہمیں کوئی دیکھتا ہے۔۔۔ وہ کون ہے جو ہم پر نظر رکھتا ہے۔۔۔ یہاں ایک غیر حقیقی ماحول کا احساس ہے۔۔۔ اس جیل کی خاموشی اور برقلانی پس مظاہر حقیقت سے دور خیال میں لگتے ہیں۔ آپ جیل

ڈرائیور موم ہونے لگا۔ کتاب میں ہام کے حوالے سے کم اور ٹپ کے حوالے سے ذرا زیادت۔ "ہمیں صرف تریکھ سے گلگت لانے کا آرڈر ہے۔۔۔ اور پھر پڑوں بھی صرف گلگت تھک کا ہے اور اگر استور میں سے پڑوں مل جائے۔ اور وہاں بت منگا ہوتا ہے۔۔۔ اور اگر۔۔۔"

قصہ مختصر ڈرائیور پڑوں کی حلاش میں گیا ہوا تھا اور ہم استور کے ثورٹ کا ٹیجے میں اپنی نلک چائے کو کھیوں سے بچاتے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

آزادی سے پچھر گلگت اور ٹھیلی علاقوں کو سری گجرے جو سڑک ملاتی تھی وہ استور سے ہی گزرتی تھی۔ یہاں کے لوگ اس سڑک پر سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں کاروبار یا تعلیم کے لئے پہنچتے تھے۔ گلگت میں پہلی جیپ ۱۹۴۷ء میں اسی راستے سے آئی۔ سطح سندھ سے آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہونے کے باوجود اس دوپھر استور میں گرفتاری تھی اور پچھے چل رہے تھے۔

اور بالآخر ہم نے ڈرائیور کو استور بازار میں آتے دیکھا اور اس کے ہاتھ میں جو پڑوں کین تھا سے وہ ذرا نور لگا کر اخھائے ہوئے تھا۔ "مل گیا ہے۔ لیکن ڈرائیور ہے۔"

ہم نے پڑوں ملا جائے کیا تو وہ صاف سحرے کچڑے کے رنگ کا تھا۔ لیکن ڈرائیور نے ہمیں تسلی دی کہ یہ جیپ کو چلائے گا۔

جیپ استور بازار میں سے نکلی اور پھر اس نے اپنی بڑی روٹے ہوئے کتے کی طرح آسمان کی جانب کر لی۔ اس کی اس حرکت کے نیچے میں ہم بھی سامنے دیکھنے کی بجائے منہ کھوئے آسمان کو دیکھتے تھے اور اس طرح بیٹھتے تھے جیسے دنیاں ساز کی کری پر مریض منہ چھٹ کی طرف کے بیٹھتا ہے۔ اور یہ ساری کارگردی اس سڑک کی تھی جس پر ہماری جیپ پل رہی تھی۔ اور چل تو کیا رہی تھی، دچکے کھاری تھی، جو شی گیسر میں ہوکر رہی تھی اور اس کے ٹاروں کے گھنٹے سے ریڑ کی بو فنا میں پھیل رہی تھی۔۔۔ میں نے اتنی کقدم اونچائی والی سڑک آج نک اسیں دیکھی تھی۔ ہمیں تینیں نہیں آتا تھا کہ ایک عام سی جیپ ہم پاچھوں سواروں سمیت کیا اس بیڑھی پر چڑھ جائے گی ہے یہاں کے لوگ سڑک کتے ہیں۔۔۔ اور تینیں پہنچنے والے بت مشکل سے چڑھتی تھی اور ہم ہر دو قوت واپس لڑک جانے کے لئے تیار بیٹھتے تھے۔۔۔ اور یہ راست کی پہاڑیا جنگل میں نہیں تھا بلکہ آبادی میں سے گذرتا تھا۔۔۔ آس پاس نکیت، قارم

## ”وہندلاتی ہوئی“ ایک خیال میں..... نازگاپریت“

استور واپسی پر جیپ نے اپنی بوجھی ہڈیاں خلاش کرنے والے کے طرح نہیں کے ساتھ لگا دی اور اگر ہم اپنے آپ کو قائم نہ رکھیں تو با آسانی وہ شیڈ میں سے لڑک کر اپنی ہی جیپ کے آگے آ سکتے ہیں۔ استور، راما جیل روڈ کی اڑائی، چھائی سے بھی زیادہ ناقابل تینیں تھیں۔ استور بازار سے گذر کر ہم دو کلو میٹر تھے استور ٹالے سکتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ٹالہ نظر سے گم ہوا اور ہم استور روڈ کی بھول محلیوں میں گشہد بچوں کی طرح کھو گئے۔ وہی درہ نما عالی، خیکلی، کچراستہ اور چانوں کے ایک طویل غار جس میں آپ جا رہے ہیں اور آہست آہست سست کا اندازہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ احساس بھی ختم ہو جاتا ہے کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ بن ایک سفر ہے۔ ایک موڑ کے بعد سڑک دور تک ٹل کھاتی نظر آ ری تھی۔ اور وہاں ہم سے تقریباً سو میٹر کے قسطے پر سڑک کے اوپر ایک کچا اور بھر بھری چنان میں سے دھول کا ایک چھوٹا سا بادل نمودار ہوا اور نیچے آئے لگا۔ ڈرائیور نے جیپ روکی تو وہ دھول سڑک پر اڑ رہی تھی اور اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے لگنے لگے۔ اسے آ رہے تھے، ان کے علاوہ ایک آدھ پتھر بھی تیزی سے گرتا ہوا سڑک پر آتا اور نالے میں چلا جاتا۔ دھول کا پھیلاو بڑھتا جا رہا تھا۔ ڈرائیور جیپ سے اتر کر اس بادل کے قریب گیا، پسند لمحوں کے لئے اوپر دیکھا رہا اور پھر واپس آگیا۔

”صاحب اور ہر ابھی سایدیہ ہونے والا ہے۔ اگر ہو گیا تو ہم آگے نہیں جا سکیں گے، رات اور ہر ہو گی۔ شاید سڑک بند ہو جائے۔“

”پھر؟“

”جس طرح اوپر سے لگنے آ رہا ہے ہمارا تجربہ ہے کہ سایدیہ تھوڑی دیر بعد نیچے

کے پانیوں کے قریب جاتے ہیں تو ایک خام زاویے سے وہ آئندہ ہو جاتے ہیں۔ ان پر ارد گروہ کی برٹلی بلندیاں نقش نظر آتی ہیں۔ ایک اور مقام سے پوری جیل گرسے شرپے رنگ کے آئینے میں بدل جاتی ہے۔ اگر آپ اپنے دھیان میں ہوں تو چلنے پڑنے آپ جیل کے پانی کو بزر نہیں جان کر اس پر پاؤں رکھ کر کتے ہیں۔ شاید حقیقت سے بھی دوری آپ کے اندر خوف بھر دیتی ہے کہ یہاں کچھ ہونے والا ہے، ہم غل ہوئے ہیں۔ یہ بھتی یہ جیل کسی اور کے قبضے میں ہے۔

راما یک جس ٹکل نیلے کے پیچے پوشیدہ ہے ہم اسے عبور کر کے ندی کے کنارے چکل میں آئے تو ہم نے بہت بہتر محسوس کیا۔ ہم خوش تھے کہ ہم نے راما جیل دیکھ لی ہے۔ اور ہم خوش تھے کہ ہم اس کی گرفت میں سے نکل آئے ہیں۔

اور پھر ڈھنی دھوپ میں ہمیں اپنے سامنے ایک دروازہ نظر آیا جو باہر کی دنیا میں کھلتا تھا۔ استور کے بورڈ کے سامنے پل تھا۔ ہم اس پل پر گئے تو استور روڑ سے ہمارا رابطہ ختم ہو گیا۔ منظر و سعیج ہو رہا تھا۔ استور نالہ دریائے سندھ میں اندر تک جاتا تھا ایک گرے اور خاموش ملاپ کے لئے۔  
ہم استور کے درے سے باہر آپکے تھے۔ جیپ میں زیادہ روشنی تھی، زیادہ ہوا تھی اور زیادہ آہن تھا۔ بوئنی زیادہ دور نہ تھا۔ اور اس سے پرے گلگت تھا۔  
اور پھر ہم ایک بستی و سعیج لینڈ سٹیپ میں منظر ہوتے چلے گئے۔

ہماری حیثیت کم ہوتی چلی گئی اور پھر جیسے ایک چونٹی ہو ہماری جیپ تھی کسی بے انت ویرانے میں ریک ری تھی۔ آخر میں فرا قدم بلند تھے۔ اتنے زیادہ بلند کہ وہ ایک دو دفعہ دیکھنے سے نظر نہیں آتے تھے۔ انہی بلندیوں میں شاہراہ ریشم کافیتہ تھا اور اس کے نیچے سندھ تھا۔ یہاں ہوا بلا روک نوک نوک چلتی تھی اور پوری لینڈ سٹیپ میں شور بھرتی تھی۔

کسی نے ڈرائیور کو رکنے کے لئے کہا تھا۔ ہم باہر آگئے۔ جیپ کارخ بوئنی کی طرف تھا۔ لیکن ہم ادھر سے آئے تھے، لیکن چنانوں کی اس عظیم اور دہشت ناک دیوار میں سے جن کے اندر ایک راستہ تھا جو تاریک چنانوں کے اندر ہی اندر استور نکل جاتا تھا، تریکھ نکل جاتا تھا۔ ہم اس دنیا سے باہر آپکے تھے۔

جیپ اس وسیع اور دیران لینڈ سٹیپ میں ایک چوڑے اور ہوا رکھے راستے پر کھڑی ہے۔ راستے کے کنارے پر جیلانی اور رائی کھڑے ہیں۔ سیر ان کے درمیان میں ہے اور یہ تینوں دیرانے کی وسعت سے پرے، لیکن پہاڑوں کے پار پادلوں میں گم ہوتی ان برフォں کو دیکھ رہے ہیں جن کا نام نانگا پریت ہے۔ وہ یہاں سے بہت دور ہیں اور ان کی شہادت دھنڈی ہے۔ رائی اور جیلانی اسے اپنے کیروں کے لیز میں دیکھ رہے ہیں اور نانگا پریت کی اس آخری جھلک کی تصویر اتار رہے ہیں۔ اور سیر اسے صرف اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور میں ان سے کچھ فاطلے پر کھڑا اپنیں اور نانگا پریت کو دیکھ رہا ہوں۔ اب تو وہ بہت دور ہے، ہماری پنج سے باہر۔ دھنڈلاتی ہوئی۔ ایک خیال میں۔ لیکن اس کے نیچے کہیں تریکھ تھا۔ وادی روپل تھی اور ناپ میدان تھا۔

”نانگا پریت کی چھٹی کے اوپر نکل برف کمپل چکی ہے اور ناپ میدان بالکل سربراہ ہو چکا ہے۔ یہاں ہر جانب پھول ہی پھول ہیں اور کئی جگنوں پر لگتا ہے کہ ہم

آئے گی ابھی اور پھر میں اور پھر میں رہا ہے جو نیچے آئے گا۔ آپ پسند کرو تو ہم گذر جائیں؟“

”کیا ہمارے گذرتے وقت اپر سے سلائیڈ آسکتی ہے؟“

”آسکتی ہے۔ تو آپ فوراً بولو دیو ہو رہی ہے۔“

”ہم تو کہتے ہیں چلو اش کا نام لے کر۔“

”تو چلو۔“

سیر نے میرا ہاتھ مضمولی سے تھام لیا۔ ”آپ ٹکرنا کرو ابوبے۔“

جیپ کی لائسنس آن تھیں۔ ہم سڑک کے اس حصے میں سے گزرنے لگے جس پر دھول اتری ہوئی تھی۔ اپر سے کرنے والے سکر جیپ کے بانٹ پر اولوں کی طرح گرتے ہوئے شور کر رہے تھے۔ ہم نے تھوڑی دیر دھول کو برواشت کیا پھر ہم سائنس نہ لے سکے اور کھانے لگئے۔ ڈرائیور کو سڑک نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ صرف اپنے تجربے کی ہاپر گرنے سے بچ رہا تھا۔ یوں بھی سڑک پر اپر سے خاصی مشی آ پھل تھی اور اس میں ہاڑ پھنس جاتے کا خطرہ بھی تھا۔ اور یہ صورت حال جاہ کن ثابت ہو سکتی تھی کہ آپ ایک لینڈ سلائیڈ کے میں نیچے جیپ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور باہر بھی نہیں نکل سکتے۔

دھول کے اس بادل میں سے نکل کر جب ہم تازہ ہوا اور صاف سڑک پر آئے تو ب لوگ کھانس رہے تھے۔

شاید اس خوناک تجربے کا اڑ زائل کرنے کے لئے۔ مگن علاقے کی اس لینڈ سلائیڈ کے بعد استور روڈ پر اس مچھلے پر جب روڑ پر صرف ہماری جیپ تھی اس روڈ پر اتنے چکور ہمارے سامنے آئے کہ ان کا شمار ممکن نہ تھا۔ اور جیپ کے آگے آگے جیسے ہمیں خوش کرنے کو پرواز کرتے تھے۔ پھر استور نالے پر گھریلوں کی صورت میں اڑتے تھے۔ اور پھر ہمیں ایسا لگا جیسے ہم کہیں نہیں جا رہے، یہ سڑپیں ہے بلکہ ایک کھیل ہے۔ جس میں ہم جیپ میں سوار ہے شمار چکوروں کا دیکھا کر رہے ہیں اور وہ ہم سے کھیل رہے ہیں۔ رائی، جیلانی، سیر اور میں۔ ہم سب اس رہے تھے اور مگن لینڈ سلائیڈ کو بھول چکے تھے۔ اور ہماری آنکھیں صرف چکوروں پر تھیں۔

روڈ نو استور از فل آف چکورنے نو پر الجم۔

کسی کے پھولوں بھرے جھونپڑے میں آ لگے ہیں۔ ٹاپ کے نم جنگلی روڑ اس رومنوی، دھشی، پیالہ نما، بلند وادی میں گھوستے ہیں اور مرل گھوڑے شدید سردی کے ستائے ہوئے یہاں گھاس چڑھتے آ جاتے ہیں۔ ٹاپ میدان ایک چاگاہ ہے اور بالکل ہمارے ہمارے میں اور نانگا پرہت کا روپیں چڑھتے ہیں جو قدموں سے چھٹی تک سازھے چار ہزار میٹر بلند ہوتا ہے۔ وحدہ ٹاپ میدان پر جگی رہتی ہے اور اکثر بودا باندی ہوتی رہتی ہے۔“

”ہم نے یہیں سے ٹاپ میدان کی پہلی جھلک دیکھی۔

ٹاپ میدان وسط ایشیا کی ایک عظیم چاگاہ کی طرح تھا اور اس کے دسجھ بیزہ زار میں ایک دریا بہتا تھا اور نہیں کے ساتھ لگ کر بہتا تھا اور اس میں چھوٹے نالے اور ہالیاں شامل ہوتے تھے۔ نہیں پانی کی بستات کی وجہ سے اسخ کی طرح زم تھی اور اس میں لبی لبی گھاس اگ رہی تھی۔ دریا کے پار، پورے ٹاپ میدان پر سایہ گلن نانگا پرہت کا سفید شر تھا۔ اس کی چنانیں، اس کی بر قسم اور اس کی بلندیاں تھیں اور ان پر وحدہ تھی۔ گھاس کے دسجھ قطعات میں موئیشی چڑھتے ہے۔ اور ٹاپ میدان کا یہ مختصر ہزاروں برسوں سے ایسا ہی تھا۔ اور شاید ۱۸۸۹ء میں ہم وہاں نہیں تھے ہم کسی اور نالے کے سافر تھے جو کسی کارروان کے ہمراہ یہاں پہنچنے تھے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ جگہ موجود ہے۔ یہ ہماری منزل نہ تھی بلکہ اسے دیکھتے ہوئے ہمیں تین تھاکر ہم دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے کیونکہ ایسی جگہیں صرف ایک بار دکھائی دیتی ہیں اور پھر کہیں اور خلیل ہو جاتی ہیں۔“

## تیر اسفل

- ۱۔ ہوشے۔ ۴۲۔ کلوسیر (جھیل کچورا۔ جھیل صد پارہ۔ وادی چپاو۔ وادی ہوشے)
- ۲۔ وادی سترگر
- ۳۔ دیوسانی اے دیوسانی

۲۶۱

۲۸۵

## ہو شے ۳۳ کلومیٹر

(جمیل کچورا۔ جمیل صد پارہ۔ وادی خبلو، وادی ہو شے)

ایک کو متنالی راست تھا۔ اس پر ایک ویگن دھول اڑاتی اس جانب بھکتی جاتی تھی جس جانب پئی بہت نیچے شیوک تھا اور دریائے شیوک میں اپر سے کنکر گرتے تھے جو ویگن کے ہاتھوں تلتے آ کر تیروں کی طرح تیری سے نلتے تھے اور ویگن میں وادی خبلو کو جانے والے سوار تھے۔ اور تیز دھوپ میں ویگن کے جھکوں کو دانتوں تلتے ہو شہ دبا کر برداشت کرنے کی کوشش میں مجھے شیوک پر ایک پل نظر آیا اور اس پل کے ساتھ کچے راستے کے کنارے سال خورہ لکڑی کے ایک تختے پر ہو شے۔ ۳۳ کلومیٹر "لکھا نظر آیا۔ اور ہم بہت آگے جا کچے تھے۔ لیکن یہ ہو شے۔ ۳۳ کلومیٹر" کا ذینما کیس فیڈ ہو گیا۔

اس برس میں بھستان کے سفر کے بعد نیری میڈو گیا۔ پھر لاہور واپس آیا اور ایک معزز شری کی طرح ایک معزز بیل کی طرح زندگی کے کنوں میں سے رزق کا پانی نکلنے کے لئے آنکھوں پر کھوپے چڑھائے سر جھکائے زور لگاتا۔ ایک دائرے میں چلنے لگا۔ اور اس دائرے میں چلتے چلتے جہاں مجھے دیوسائی میدان کی برنس پھلتی دھکائی دیتیں اور ان میں سے تیز و سند اور نیل گلے سرد پانیوں کے نالے نیچے اترے نظر آتے، اور هر استور سے آگے گریگٹ کے ساتھ جہاں سے ایک راستہ نالے کے ساتھ اور پل چوکی کو جا رہا تھا، دیوسائی کے میدانوں کو جا رہا تھا۔ تو اس کے ساتھ کبھی مجھے "ہو شے۔ ۳۳ کلومیٹر" کا بورڈ بھی نظر آ جاتا۔۔۔ لیکن یہ ہو شے ہے کیا؟" مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ لیکن مجھ میں یہ خرابی تھی کہ وہاں پل کے پار ایک دیران کو متنالی راست کیس جا رہا تھا اور وہ ہو شے جا رہا تھا۔ اور ہو شے پر نیس کیا تھا تو مجھے جانا چاہئے تھا کہ وہ کیا ہے، کہاں ہے۔ کیا میرے لئے بھی ہے۔۔۔؟

نواح میں کار کا وہیل بیٹھن خراب ہو گیا اس نے جہاز پر آتا پڑا۔  
 ”اچھا۔“ انہوں نے سکراتے ہوئے سرہالا۔ ”اب ہمارا بیک بیٹھن خراب ہو  
 جائے گا۔ آپ ہو آگے ہیں۔۔۔ ویسے آپ کے لئے ایک آرامدہ کمرہ بال تو رو ریت  
 ہاؤس میں بیک ہو چکا ہے اور انہوں نے کہدا ہے۔۔۔ ان سے ملتے۔“

ہم ان سے ملے... اور یہ ایک صحت مند گورے پنچتھیوں خوبصورت  
باخھوں والے "کڈا نما شخص تھے..." یہ ذری تکب ملی ہیں... گھانچے کے انچیز  
اٹا۔

"بنابر السلام و علیکم۔" قلب صادب نے اپنا پیارا سا باتھ آگے پڑھا دیا  
"بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو کسی جزی کی ضرورت ہو تو ہم آپ کے بھائی ہیں، مسلمان  
بھائی ہیں۔" قلب علی یہ دلکش اپنے قلب سے یہ کہ رہے تھے یہ ہم نے بھی  
محسوس کیا۔

اس دردان ایک در میانے قد کے پیٹے اکڑوں اور سارٹ سے میجر صاحب  
گھٹ سے میرے قریب آئے اور کاشن دینے کے انداز میں زور سے کہنے<sup>گے</sup>  
میں نے کہا، "جی، فرمائے"

انہوں نے ایک مرتبہ پھر دروازہ یکدم نور سے بند کرنے کے انداز میں کما

میں اس بار چپ رہا تو کتنے لگے "سر تارڑ صاحب" میرا تام میجر جیل عجای  
ہے سو... ایئر پورٹ پر اپنے کی ورن تھیں جماز کو دیکھتے آیا تھا، یہاں پہلائی ڈپ کا  
انچارج ہوں میرے لاٹ کوئی خدمت..."

میں نے جیسا کہ فی الحال خواجہ صاحب اور وزیر صاحب میری خدمت کر رہے ہیں اور مجھے مزید خدمت گزاروں کی ضرورت پڑیں۔

"سر۔" میر عباسی نے سر جھک کر کہا۔ اپنا رخ بدلنا اور میری بیکم کو ایک زور دار "سر" کرنے کے بعد اس کے ساتھ محو گھنٹو ہو گئے۔ قهوڑی دیر بعد بیکم میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں "یہ میر عباسی تو بہت ہی ناک چیز ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے بال پرے ایک شادی کے سلسلے میں ایک آباد گئے ہوئے ہیں میرا مگر خالی پڑا ہے آپ لوگ پلیز میرے گھر میں قیام کرس۔"

۱۳۔ بھی تم سکن پسلے ملاقات ہوئی ہے اور تم دن تھاتے ہوئے پورا خاندان ان

پھر کسی نے بتایا کہ ہوئے مشورہ بر قبوض چونی شیرم کے دامن میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور وہاں صرف کوہ بیٹا اور ٹرکھ حضرات یہ پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہوئے کے لوگ صدیوں سے بلندیوں پر الگ تھلک ہیں اور وہ بست سادہ ہیں اور پیار کرنے والے ہیں۔ اور سادہ استئے ہیں کہ اسی وادی کے ایک گاؤں میں چند حضرات لے آ کر اطلاع کیا کہ قیامت تو اگلے جہد کو آ رہی ہے ابھی ابھی اطلاع آئی ہے اس لئے آپ لوگ جو کچھ آپ کے پاس ہے ہمیں عناشت کر دیں تاکہ ہم اسے محفوظ کر لیں۔ تو وادیٰ ہوئے کے ان سادہ دل بندوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا قیامت کی اطلاع دینے والے ان نیک حضرات کے سپرد کر دیا اور خود بیٹھ کر اللہ الاشد کرنے لگے۔ تو ان بندوں کو وکھنا بہت ضروری تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر سکردو میں تھا۔ اس ہوا میں تھا جو سکردو کی واڈی میں دیوسائی میدانوں سے اترنی تھی۔ سیاچین سے آتی تھی بیانفو اور پالتو رو کی محظڑک سے آتی تھی اور سندھ کی وسیع گز رگاہ پر پھیلی تھی اور یہ ہوا اتنی شفاف اور سرو بوسوں ایسی تھی کہ یہ بدن پر نگہ پاؤں چلتی تھی اور زندگی ہی زندگی تھی۔ اور اس مرتبہ میرے ساتھ سُلْجوق، سِیْر، بیکی اور میمونہ بھی تھے کہ یہ ان کا "سال" تھا۔ میرے اور میرے خاندان کے ماہین ایک معاہدہ ٹلے پا چکا تھا جس کی رو سے گرمیوں میں ایک برس تو میں اپنی من مرضی سے شکلی علاقوں کے پہاڑوں میں دھکے کہاں کہا تھا لیکن دوسرے برس نگئے اہل خانہ کو بھی اس قبیل خواری میں شریک کرنا ہوتا تھا۔ اور یہ ان کا "سال" تھا۔ بلوستان میرے لئے اپنی نہ تھا۔ لیکن پھیلی بار واڈی اُنگر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ دیوسائی میدانوں تک رسائی نہیں ہو سکی تھی اور ... کہیں "ہوئے۔ ۴۲ کلو میرز" کا بورڈ بھی آؤ بر اس تھا۔

ایئر پورٹ سے باہر آئے اور میں کلو میٹر دور سکر دو شرکے نے کسی سواری کے لئے نظریں دوڑائیں تو نظروں کے سامنے خواجہ سہراواد کا مہماں چھو آگیا جو حسب معمول کسی رشتہ دار، دوست یا مہماں کو وصول کرنے کے لئے تیوڑی چڑھائے باہر آئے والے مسافروں کو بڑی ناگواری سے دیکھ رہے تھے، میں دیکھتا تو کچھ دیر اپنی ناگواری برقرار رکھی پھر قدرے مسکرا کر کنے لگے "آپ نے تو شاند ابھی چند روز بعد آنا تھا اور کارر آنا تھا۔"

میں نے عرض کیا کہ آناکار پر قتا بلکہ کار پر ہی آ رہے تھے کہ گو جرانوالہ کے

چیلاؤ دسج ہوتا دھائی رتا تھا، وہاں کے نو موٹل کی عمارت تھی۔ اس موٹل میں دنیا کے چار کونوں سے خواہشیں اور حرمتیں آتی ہیں۔ ان بلندیوں اور برقانی دیریوں اور چنانوں اور چینوں کو دیکھتی ہیں جن پر وہ اپنے نقش پا شہرت کرنا چاہتی ہیں۔ یہاں سے ہر برس بے شمارِ مم جو اور کوہ خورد نکلتے ہیں۔ اور کچھ بڑی ہوئی داڑھیوں اور جلی ہوئی رنگت اور برفوں کی ٹھنڈک سے جلے ہوئے چھے لے کر واپس آتے ہیں تو ان کی خواہشیں پوری ہو چکی ہوتی ہیں، وہ دنیا کی کسی عظیم چٹپتی کو زیر گرد کے آتے ہیں، کسی طویل ترین گلیشیر کا سفر مکمل کر کے لوٹ آتے ہیں۔ اور کبھی کسی یہیں کاپڑ میں ان کی لاشیں آتی ہیں۔ اور کبھی نہیں بھی آتیں کہ وہ برفوں کی کئی کلو میٹر کراپی کے اندر گرتے ہیں اور دیں مخدود ہو جاتے ہیں۔ اور کسی بار کتنی برسوں کے بعد برنس پچھلی ہیں تو یہ مردہ کوہ پیا دھائی دینے لگتے ہیں۔ کے نو موٹل میں خواہشیں اور حرمتیں آتی ہیں۔ یہاں شامک دنیا کے عظیم ترین کوہ پیا اور مم جو آتے ہیں۔ اس کا ماحولِ صماتی ہے۔ اس کے بینو زار میں خیسے نصب ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی مم کا سلامن بڑے بڑے نیلے ڈرمون میں پیک ہو رہا ہوتا ہے۔ اس کے برآمدوں میں اور ڈائیک روم میں جو گنگوہ ہوتی ہے وہ صرف پہاڑوں اور ان پر جاتی مسموں کے بارے میں ہوتی ہے۔ کون کمال جا رہا ہے۔ راست کو نہ ہے اور کون کمال گیا اور لوٹ کر ضیں آیا۔ اس کے سنتک روم کی دیواروں پر ۱۹۸۳ء سے اب تک جتنی مسمات یہاں سے پہاڑوں میں گئی ہیں ان سب کے کاروں نقشے اور تصویریں چھپاں ہیں۔ یہاں پر میسٹر کا ایک کارو بھی موجود ہے جس پر اس کے دھنخڑ ہیں۔ ایک غاتون کوہ پیا کا یہ ٹکڑہ بھی درج ہے کہ میں کے نوکی چٹپتی پر اس لئے نہیں جا سکی کہ کوئی بھی ٹکڑی مجھے وہاں لے جانے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔

کے نو موٹل مسمات کا عجائب گھر ہے۔ اور میں وہاں اس لئے جا رہا تھا کہ مجھے وہاں سلمان روشنید چیزے عجیب و غریب ٹھنڈے سے ملاقات کی امید تھی۔ سلمان نے ایک عظیم ٹرینک مم کا بوج مخصوصہ بنایا تھا اور وہ لاہور میں اکٹھ میرے کان کھاتا رہتا تھا کہ بھائی جان میں ایک ٹھنڈوں کا، اس کے ساتھ دوستی کوں گا اور پھر میں گو جر غانہ بدبوشوں کے کسی ایسے قافتے کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا جو کیل آزاد ٹکڑے کے راستے دیو سائی کے میدانوں کو جاتے ہیں اور وہاں سے خورد پن گلیشیر اور بیانو گلیشیر اور پھروادی اے شمشال۔۔۔ اور تم مہ کی اس خانہ بدبوشی کے بعد میں انگریزی

کے گھر میں قیام پنیر ہو جائیں؟۔۔۔ میں نے نہیے سے کہا۔۔۔ پہ نہیں کس حم کے فوجی ہیں۔۔۔ اور یہ بالکل مناب نہیں۔۔۔

"اتھے بے وقف حم کے فینوں کے ساتھ آپ گزارہ کر لیتے ہیں یہ بے چارہ تو بت نہیں حم کافیں ہے۔۔۔"

میں نے بے چارے فین کی طرف دیکھا تو وہ پھوں کے ساتھ گپ لگا رہا تھا اور پھوں کے ققتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ کافی فریک ہو چکا ہے۔

چنانچہ۔۔۔ اس صحیح سکردو جاتے ہوئے ہم تھوڑی دیر کے لئے بیگر صاحب کے خالی گھر میں رکس۔۔۔ یہ ایک خاسِ حم کا بھتی سرکاری گھر تھا جس کے محی سے برپوش پہاڑ نظر آتے تھے اور اس کی دیواروں کے ساتھ خوبی کی بھری ہوئی شاخیں بھی ہوئی تھیں۔۔۔

"سوری بیگر صاحب لیکن ہم راست ہاؤس میں ہی قیام کریں گے۔۔۔"

"سر۔۔۔" بیگر صاحب نے فوراً کما اور پیچھے ہو گئے۔

اس دوسرے ہم خواجہ مرداد کے باع نما گھر میں کھانے کے لئے مدعو تھے۔۔۔ سکردو کی وہ ٹھنڈک والی خوش چلن ہوا جو جیل صدقہ پارہ کی جانب سے آتی تھی اور اس ہوا میں ایک رہائش گاہ جو تختہ در تختہ پیچے جاتی تھی۔۔۔ ایک تختے پر بادام اور خوبائیوں کا ایک منیریاں، اس کے پیچے نہایتوں کے پوڈے،! ایک تختے میں کھیروں اور خربزوں کی بیٹیں اور ان کے آس پاس پھولوں کی کیاریاں اور ذرا جنگلی گھاس اور ایک سرو پانیوں کی چھوٹی ہی نہر۔۔۔ میں نے خواجہ صاحب کو مسلسل حد کی نکاہوں سے دیکھا۔۔۔

ہم بالتوڑ راست ہاؤس میں واپس آئے تو بیگر عبایی بھی بازی ہو گئے "سر۔۔۔" میں نے آپ سے پوچھے بغیر جیل کپورا کے کنارے آری ہٹ میں آپ کے لے "و کمرے ریزرو کروالے ہیں۔۔۔ آپ ذرا چل کر دیکھ بچے اگر پسند آجائے تو نیک ہے ورنہ سکردو واپس آجائیے گا۔۔۔"

مجھے معلوم تھا کہ جیل کپورا جا کر واپس کون آتا ہے۔۔۔

ہم عبایی کی آرام دہ فوجی جیپ میں بازار جات پڑے تو مانے "کے نو موٹل" کا یورڈ نظر آگیا۔۔۔ "عبایی صاحب ذرا اوپر چلے"

عبایی نے جیپ موڑ کر اس راستے پر ڈال لی جو ہماری نظروں کے سامنے سیدھا ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا چیزے جیپ چڑھے گی نہیں بلکہ چھٹپااؤں اترنے لگے گی۔۔۔ اپر دریائے سندھ کو جماعتی ہوئی ایک بلندی تھی جہاں سے وادی سکردو کا

آری ہٹ کے سامنے ایک سر بزرگان تھا، ذرا نیچے جمیل تھی اور اس میں دو کشتیاں ساکن کھڑی تھیں اور سامنے جگڑا ہوئیں کی تبّتی عمارت تھی اور اس کا سرخ گھس پانی میں غمرا ہوا تھا اور جب یہ سب کچھ تھا تو شام ہو رہی تھی۔  
جمیل کپورا کے کنارے اگلے دو روز ایک آئندہ میل ہائیڈے کے طور پر گزرے  
نیچے پیدل بوٹ میں سوار ہو کر جمیل کے درمیان میں پلے جاتے اور کشتمی کے کناروں پر غمور ہیاں نکلے پانی کی سخنی اور شیش گمراہی میں اگے ہوئے پوروں کو حرکت کرتے دیکھتے رہے اور ان میں تینی ٹراوٹ پھیلیوں کو بزرگانی میں گم ہوتے دیکھتے۔ میں اور میونڈ کنارے کے ساتھ بندھی ایک کشتی میں بیٹھے رہتے اور وہ پانی کرتے رہتے جن کے لئے میدانوں میں ہمارے پاس وقت نہ تھا۔ جمیل کے پانی ہمارے سامنے رجگ بدلتے رہتے۔ ایک شام جگڑا کے عارف اسلم نے ہمیں اپنے رستوران میں کھانے کے لئے دعوی کیا۔ اور اگلی صبح پوروں سے جا ہوا تازہ سرخ اور پادانی پوروں کا ایک بھرا ہوا تحال بھیجا۔ یہ سکردو میں موسم کی آخری چیزوں تھیں۔

ہماری ایک دوپھر کپورا گاؤں سے پرے خوبیانی کے پانوں کے اختتام پر واقع اپر کپورا جمیل کے کنارے گز رہی۔ جمیل کے پانی بیٹے تھے ہی نہیں اور ان کی جگہ ایک شفاف سا پردہ تھا جس میں سے بڑے بڑے پتھر اور درختوں کے تھے نظر آتے تھے۔ اتنے شفاف پانیوں کو دیکھ کر ہم نہ رہ سکے اور کنارتے کے درختوں کے سارے پانی میں اتر کر اس کی نخلی سے اپنے شری بدنوں کو آشنا کیا اور کپکایا۔ میں نے پوروں کو اس صبح کے پارے میں ہتھا جب ہم پہلی بار اونھر آئے تھے اور سیکھنوں پھیلیاں رکھیں اب سے نمودار ہو کر اس پر گرتی تھیں اور ان کے گرنے سے جو دائرے پھیلتے تھے تو کناروں تک آتے تھے۔ ہاں اس بار یہ محوس ہوا کہ کپورا گاؤں اور اس کے آس پاس کے بیچے اور سورجیں سیاہوں کی کثرت کی وجہ سے بھکاری ہو پکے ہیں اور اکثر بیچے تندیب کی صدروں کو پار کر کے سیاہوں کا پیچھا کرتے ہیں۔ اپر کپورا کے راستے میں ہر بھتیلی پھیلی ہوئی نظر آئی اور افسوس اس لئے ہوا کہ بُلٹی بُلیادی طور پر بے حد سادہ اور پر وقار لوگ ہیں۔ جمیل سے وابسی پر بارش شروع ہو گئی اور ہم پھرستے ہوئے آری ہٹ میں داخل ہوئے۔

ای آری ہٹ کے ایک کمرے میں ایک تحصیل دار صاحب فروشن تھی،

میں ایک کتاب لکھوں گا جو یورپ میں شائع ہو گی اور پھر... سلطان ایک باتوں بے جنین اور بے بُس غرض تھا۔ اس کے اندر کوئی غیر مرئی طاقت تھی جو اسے بے بُس کرتی تھی۔ اس میں کوئی گشہ روح تھی کسی جنگی انسان کی جو راستہ بھول کر آپدی میں آگیا تھا اور والپس جانا چاہتا تھا۔

سلطان رشید اپنے تازہ استراشہ سرکی گولائی پر ہاتھ پھیرتا، اس کے لس سے لطف انداز ہوتا کے نوموں سے باہر کل رہا تھا جب اس نے مجھے دیکھا اور ایک پر سرست لیجے میں جیخا۔ "او بھائی جان۔" میرے پاس کمانیاں ہیں۔

"تی الال ہمارے ساتھ جب میں مجھے جاؤ ہم کپورا جا رہے ہیں، راستے میں کمانیاں میں گے۔"

بھائی جان جہنم بھی آئی ہوئی ہے سکردو۔ مجھے ملنے کے لئے۔  
جہنم ایک اور بے بُس روح ہے اور سلطان کی بیوی ہے۔  
"اسے بھی ساتھ لے آؤ۔"

ہم کپورا جا رہے تھے اور سلطان اپنی کمانیاں بیان کر رہا تھا۔ ہم کپورا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور سلطان اپنی کمانیاں بیان کر رہا تھا۔ "بھائی جان میں درہ بہادر کو چور کر کے چلاس کے راستے استور پنچا اور پھر دیو سائی کراس کرنے کے لئے چلم چوکی تک آیا۔ لوگوں نے کمادیو سائی پر تکی تیک نہ برف ہے لیجنی جوں کی ۲۴ تاریخ کو اور چھوڑ پاس پر تو کوڑ فٹ برف ہے لیکن میں اپنے دو دعا پورہ رز کے ساتھ چل پڑا۔ دو سالی بالکل صاف تھا بھائی جان۔ البتہ پانی بہت تھا۔ مجھے پانچ ندیاں عبور کرنا پڑیں اس طرح کہ میں ان کے کنارے کنارے چلتا ان کے منبوں تک پنچا اور سے دوسری جانب آیا۔ وہ کراسک جس میں دو دعا کئے تھے اس میں چھ دن لگے۔ دو سالی ایک ایسا وسیع و عریض بیابان ہے بھائی جان کہ جو انسان کے رومنوی کو جگانے کے ساتھ ساتھ ایک عجیب اور گرسے خوف کا احساس بھی دلاتا ہے۔ ان چھ دنوں میں میں نے اپنے پورہ رز کی حفل کے سوا اور کوئی انسانی چور نہیں دیکھا۔ ابھی تک پھول نہیں کھلتے تھے، صرف چھ تم کے پھول دیکھے۔ اب میں واڈی ٹشمٹاں کے پورہ رز کا بندو بست کر رہا ہوں جو مجھے یا فو اور برالدو کے راستے سیدھا شمشال پنچا دیں۔ بھائی جان میرے ساتھ شمشال پنچا۔"

سلطان اپنی کمانیاں بیان کرتا رہا۔ جہنم اسے ذہنیاتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

جمیل کارے یعنی اور جنفر کا ایک چھوٹا سا "سیٹ اپ" ہے۔ پہلے ایک خیس ہوا کرتا تھا جہاں یعنی یا ہوں کے لئے چائے اور بیکٹ کا بندوقت رکھتا تھا۔ اب وہاں ایک رستوران ہے، فراشی کھڑکیاں جمیل کے پانچوں پر کھلتی ہیں اور آپ تکی ہوئی ٹراوٹ چھلی نہایت مناسب قیمت پر نوش کر سکتے ہیں۔

صد پارہ کے پیٹی ڈی سی موٹل میں ہماری پہلی رات تھی۔ اور ہم یہاں کے ٹو کے موٹل انعام صاحب کی مردانی سے آئے تھے۔ لاثین کی مدھم روشنی میں جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو باہر ہوا بے حد تیز ہو رہی تھی اور جمیل کے پانی سندھ کی طرح شور کر رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ میں کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں اور وہ پار پار کھا سکتی ہے۔ تھوڑی دیر میں اسے تیز بخار ہو چکا تھا اور اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ ہمارے پاس اپرین تھی جس کی دو گولیاں اس نے بھیٹل لگھیں۔ رات کے گیارہ بجے تو وہ ایک نرم بڑائی کیفیت میں تھی اور جانے کماں کماں کی اور کیا کیا باتیں کر رہی تھی اور روٹی پہلی جا رہی تھی کہ ابو مجھے سانس نہیں آ رہا۔ مجھے غصہ پہنچنے آئے گئے، باہر ہوا بہت تیز تھی اور سردو ایک خطرناک قاطلے پر بہت دور تھا۔ ہم سب میں کے گرد بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے اور لاثین کی روشنی میں اس کا چڑھا سرخ ہو رہا تھا۔ اس دوران یعنی بھی آگیا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا الغافر تھا۔ صاحب اس میں کچھ دو ایساں ہیں انگریز فورس چھوڑ گئے تھے۔ آپ دیکھ لو۔" میون نے ان پر ایک نظر ڈالی اور سرہا دیا "نس۔" نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مناب نہیں۔"

"صاحب بی بی کو اگر سکردو لے جانا ہے تو میں جیپ کا انتقام کرلوں گا آپ فکر نہ کرو۔" میں نے میون کی طرف دیکھا "نس۔" اس سرہا میں اسے ایک پیوز نہیں کیا جا سکتا۔"

ہمارے پاس تھوڑا سا گز تھا۔ کھانے کے بعد ہم اسے سیٹ ڈش کے طور پر کھاتے تھے۔ میون نے اسی گز سے شربت بنایا اور پھر اسے گرم کر کے میں کو پلا دیا۔ اور اس کے ساتھ مزید دو گولیاں بھی کھلا دیں۔ مجھے اس رات بہت ڈر لگا۔ عجیب ہے بس کر دینے والی صورت حال تھی۔ شاید اس صحیح جب ہم اپر کپورا سے واپسی پر تیز بارش میں بیکھے تھے اسی کا اثر تھا۔ یہ تیز بخار اور رکتا ہوا سانس۔۔۔

راولپنڈی سے مجبوراً کسی سرکاری کام سے اوہر آئے تھے۔ سانس کے مریض تھے اور ہم نے انہیں جب بھی دیکھا ایک سوچول پر چڑھ کر شہوت کے گھنے چوں میں سر چھپائے پھل فروٹ کھاتے دیکھا۔ وہ بہت دریں تک کسی سفید اور رسیلے شہوت کو باقاعدہ آئیں بھرتے ہوئے دیکھتے رہے اور پھر یکدم اسے الگیوں میں دبوچ کر نوش کر جاتے۔ ایک روز چڑھی واپسی کے لئے ایئر پورٹ گئے، وہاں معلوم ہوا کہ جائز آیا تھا۔ یعنی موسم کی خرابی کی وجہ سے وادی کاغان سے ہی واپس چلا گیا ہے چنانچہ واپس آ گئے اور جیپ سے اتر کر یہ دیے شہوت کے درخت کے پاس گئے، سوچول پر چڑھے اور شہوت کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کپورا گاؤں سے اور ایک کپا جیپ ٹریک وادی سوکھ کو جاتا ہے۔ اور وہاں ایک پھاڑی نالے کے کنارے ایک چھوٹی سی کو متانی بستی ہے۔ ایک خوبصورت گاؤں جہاں بہت کم لوگ جاتے ہیں۔ ہم نے کچھ لئے وہاں بھی گزارے۔

ان دو دنوں میں جمیل کپورا نے ہم پانچوں کی وہ بے چینی چینی لی جو ہم شہروں سے لائے تھے۔ اس تازو کو شتم کیا جو میکاگی زندگی کا تحفہ تھا اور پھر ہمیں اس کی جگہ بیلا شفاف سکون دیا اور پانچوں پر درختوں کے بینے کا ٹھراو۔ یا۔۔۔

اور پھر ہم ایک جمیل کے کنارے سے اٹھے تو دوسری جمیل کے قریب پڑا وہ ڈال لیا۔۔۔ اور یہ جمیل صد پارہ تھی۔ سکردو سے تقریباً دس کلومیٹر کی دوری پر۔۔۔ اس راستے پر جس پر سفر جاری رہے تو جمیل کے بعد صد پارہ گاؤں آتا ہے اور پھر بیلا خردنا کا بلند ترین میدان دیو سالی۔۔۔

میں بچھتے برسوں میں دو مرتبہ اسے دیکھنے کی آس میں آیا تھا اور کبھی اس کی برنس نہیں پچھلی تھیں اور کبھی میرا خیمد اس قاتل نے تھا کہ اس کی آپ وہا کی شدت کو برواشت کر سکا۔۔۔ اور میں جتنے دن صد پارہ جمیل کے کنارے رہا اسی راستے کو دیکھتا رہا جو پہاڑوں میں سے الحتا ہوا بلندی پر کسی ہا معلوم چٹی کے عقب میں پاولوں میں روپوش ہوتا تھا۔۔۔

کپورا ایک نرم مزاج پر سکون اور تصوروں والی جمیل ہے۔۔۔ ہم صد پارہ نالے کے ساتھ چڑھتے جب جمیل کے قریب ہوئے تو جیپ سے اترتے ہی صد پارہ کے اس جنمیں کا پانی تھی بھر کر پیا جس میں سونے کے ذرات کی آمیزش ہے اور جسے میں نے صد پارہ گولڈ کا نام دیا تھا۔

چھوٹے برقانی ٹالوں کے اور اس راستے کے جو اوپر جا رہا تھا۔ اور اس شفاف و سخت میں صرف ہم سانس لیتے تھے اور جنک ہوا ہمیں وہ تازگی رہتی تھی جو کسی بخ بستے جبکیل کنارے کی گھاس تب محسوس کرتی ہے جب وہ ہوا کے نور سے جنک کر سرد پانوں میں ڈوٹتی ہے۔

ہم والیں آئے تو مجھے ہوئے تھے اور بے حال تھے لیکن بے حد خوش تھے۔ لان میں خوبیاں کے درخت تھے میں ایک کرسی پر بیٹھی تھی اور میونہ اس کے ٹالوں میں لکھتی کر رہی تھی۔ یلو ابو۔ "اس کے ٹالوں پر وہ سکراہت آئی جو ابو کے دل کے اندر تک اتر جاتی ہے۔

ای شام بلکہ شام سے ذرا پہلے جبکیل سے اوپر آئے والے راستے پر ایک با ریش تو جوان چلا آتا تھا اور میری طرف چلا آتا تھا۔ یہ محمد علی چکنیزی تھا جو ہمالیہ ریک اینڈ ٹورز ہائی ایک اور ارہ چلا تھا۔ بے حد ملخار اور خونگوار عادتوں والا فوجوان۔۔۔ کے نوموٹیں میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگا "ان دونوں میں ازانیل شاء کے ساتھ ٹریکنگ کر رہا ہوں" وہ پاکستان کے علاقت ٹریکس کے بارے میں کتاب لکھ رہی ہیں۔۔۔" میں ازانیل کا بے حد مختزف تھا کیونکہ اس نے پاکستان کے بارے میں چار کتابیں تصنیف کی تھیں اور بے حد محبت کے ساتھ تصنیف کی تھیں۔ ازانیل کا کہنا تھا کہ پاکستان ایشیا کا ایک ایسا راز ہے جو اب تک چھپا رہا ہے۔۔۔

چنگیزی میرے قریب پہنچا "صاحب ازانیل آئی ہوئی ہیں۔۔۔ میں نے آپ کا ذکر کیا تو وہ آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہیں۔۔۔"

صد پارہ جبکیل کے کنارے سفید ٹالوں والا ایک عمر دیدہ شخص جبکیل سے اوپر ان ٹالوں کو دیکھ رہا تھا جن سے پرے دیو سائی کے میدان تھے۔۔۔ وہ انسیں دیکھا اور پھر اپنے ٹھنڈوں پر رکھے کیوس بر رنگ لگاتا۔۔۔ وہ جبکیل کو پیٹھ کر رہا تھا۔ ازانیل شوخ رنگ کے کپڑوں میں اور رنگیں یونک گئے میں لکائے اس شخص پر جھکی تھی۔۔۔ "اوہ یلو میں ازانیل ہوں۔" اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ ازانیل ہیں اور میں شگرگزار ہوں کہ آپ نے میرے ٹھک کے بارے میں اتنی اچھی کتابیں لکھیں۔۔۔"

"آپ کاملکہ اتنا اچھا ہے کہ اس کے بارے میں اس سے بھی اچھی کتابیں لکھی جائیں۔۔۔ میں آئر شہر ہوں سو نوریں۔۔۔ میں رہتی ہوں لیکن مجھے پاکستان زیادہ

تحوڑی دیر بعد بخی اونگتے گئی۔۔۔ میں نے اس کا باتھ پکڑا اور دیر تک اس پھرے کو دیکھتا رہا جو میری اولاد تھا میرے لئے پوری کائنات تھا۔ صبح کی سعیدی پھیلی تو بخی کا بخار اتر چکا تھا اور وہ اطمینان سے سوری تھی۔۔۔

اب میں سونا چاہتا تھا کہ سیر اور سلوون آگئے۔۔۔ سیر کے ہاتھوں میں ایک جنک راڑ تھا۔"ابو حسین کہا ہے کہ اگر آپ اس وقت صد پارہ گاؤں کی جانب جائے والے پہاڑی راستے پر چلتے ہوئے اس مقام تک بخج جائیں جہاں دیو سائی سے آئے والے چھوٹے نالے جبکیل میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں اس ڈوری کو ڈال دیں تو ٹراؤٹ جھیطیاں آپس میں لالا لاز کر بے حال ہو جائیں گی کہ پہلے میں کائیں کو منہ ماروں گی اور۔۔۔ ٹیکیں ابوبے؟"

ہم صد پارہ گاؤں جائے والے پہاڑی راستے پر چل رہے تھے۔۔۔ جبکیل کے پانی بھی ساتھ تھے۔ پھر وہ پیچے رہ گئے۔۔۔ بخج چنگی گھاس اور جھاڑیوں کا ایک شم رستہ میدان تھا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے نالے بس رہے تھے اور جبکیل میں شامل ہو رہے تھے۔۔۔ ہم پیچے اتر گئے۔۔۔ یہ ایک نایاب تھا اور خوبصورت علاقہ تھا اور ہمارے آگے پوری جبکیل چھپی ہوئی تھی۔۔۔ کناروں کے قریب سعیدی پانی تھے اور وہ پرے ہوتے تھے تو میلے ہوتے چلتے جاتے تھے۔۔۔ والیں جانب پہاڑ میں وہ راست تھا جس پر ہم آئے تھے اور جو۔۔۔ دیو سائی کو جا رہا تھا۔

سیر نے جنک راڑ اٹھایا اور اسے گھا کر ڈوری دوڑ تک جبکیل اور کندھی پانی کے پیچے جانے گئی اور اس کے ساتھ ہی وہ چختی گھا کر ڈوری پیٹھے لگا۔۔۔ وادی کاغان کے علاقے سوچ میں دریائے کنار کے ٹالوں میں سے ایک چاندی رنگ کی وزنی ٹراؤٹ سیر نے ہی تو ٹھکار کی تھی اور آج بھی وہ بے حد مطمئن تھا۔ تحوڑی دیر بعد وہ منہ لکائے ہوئے میرے پاس آیا۔"ابو میں کائیں کے ساتھ آتا لگا کہ ڈوری پھیٹک رہا ہوں جب کہ ٹراؤٹ جبکیل تو صرف چکتے ہوئے اور لکتے ہوئے ٹکڑوں کی طرف آتی ہے۔۔۔ ہمارا بیٹھ تھیک نہیں" چلتا ہوا وحات کا بیٹھ چاہئے۔۔۔

"یہ حسیں پہلے سوچنا چاہئے تھا۔۔۔"

"اب کیا کریں یہ بھی کی غلطی ہے۔۔۔ اس نے راڑ دیا تھا۔۔۔" اس نے پھرے ڈوری کو پانی میں پھینکا اور بے ولی سے چختی گھماٹے لگا۔۔۔ ہمارے آس پاس کچھ نہ تھا سوائے آسمان کے، پانی کے پھیلاؤ کے، چھوٹے

آندرے"

"میری پینٹنگ کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔" آندرے نے سب لوگوں سے کما اور پھر چکنیزی کا سارا لے کر اٹھ کر رہا ہوا۔

جمیل کنارے ایک بڑے پھر آندرے بیٹھا ہوا تھا اور کہرے میں آنکھ لگائے خوش شکل رابرٹ کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا "مجھے پاکستان سے بے حد محبت ہے اور یہ محبت ۱۹۳۲ء میں شروع ہوئی۔ میں بلند ترین چونٹوں پر پہنچا۔ کتابیں لکھیں اور ان سفروں کے دوران قلمیں بنائیں۔ میرا کہرو صرف قدرتی مناکر کو دیکھتا تھا۔ بادل۔ سورج کا طلوع اور غروب۔ خاص طور پر طلوع کے وقت پہاڑوں میں ایک بھی کیفیت ہوتی ہے۔ میں اس عمر میں بھی ان مناکر کو دیکھتا ہوں تو میرا بادل خوشی سے بھر جاتا ہے۔"

رابرٹ نے ایک اور سوال کیا "کیا آپ کو مم جوئی سے بے حد پچھی تھی اس لئے آپ ۱۹۳۲ء میں موجودہ پاکستان میں آئے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" آندرے کئے لگا اور جمیل کے پانڈوں سے اس نے اپنے پاؤں کو بچلا "میں نوجوان تھا۔ بیکار تھا۔ میرے کے ایک اخبار میں ایک اشتخار شائع ہوا کہ ہمالیہ کی نامعلوم وادیوں میں جانے کے لئے جسمانی طور پر مضبوط نوجوان درکار ہیں۔ بس میں نے سوچا کہ کچھ پیسے بنائے جائیں اور پھر میں زندگی لاء درے کے راستے ادھر آگیا۔"

شام گری ہو رہی تھی اور خلکی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں آندرے کی پرسرت شخصیت کو دیکھ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس عمر میں پوری طرح زندہ ہے اور ہم کس طرح اس عمر میں کتنے مردہ ہو چکے ہیں۔

انڑویو سے فارغ ہو کر آندرے میری جانب آگیا "مجھے ازاں نے تمہارے پارے میں تالا ہے۔ تم میری طرح کے شخص ہو۔ آؤ باش کریں۔" اور آندرے کے ساتھ باقی کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی دل اور زندگی کو آخری سانسوں تک پرسرت رکھنے کا بذپہ میرے اندر بھی سرات کر رہا ہے۔

"وراگھے برس تم کوئی چھٹی پر پہنچو گے آندرے؟"

"ہا۔ میں اسی چھٹی پر پہنچوں گا اسکا برس۔" اس نے انگوٹھے سے آسان کی طرف اشارہ کیا اور ہسا "وہ چھٹی جس پر پہنچ کر تم واپس نہیں آ سکتے۔ لیکن فی الحال

پسند ہے۔ آپ آندرے روشن کو جانتے ہیں؟" اس نے کیوس پر بھکے بوڑھے کی طرف دیکھ کر پوچھا اور پھر کہنے لگی "آندرے ایک اور شخص ہے جو پاکستان کے پہاڑوں کا شیدائی ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۳۳ء میں سری گھر کی جانب سے کنکور دیا کے علاقے میں گیا تھا اور اس مم کا مقصد یہ تھا کہ پوچھیدہ چھٹی یا ہٹن پیک کو دریافت کی جائے۔ اس کے بعد سے آج تک وہ باقاعدگی سے ان علاقوں میں آتا ہے اور پہاڑوں اور کہ ہمالی کے بارے میں تحریکات کا مصنف ہے۔ یورپ میں بے حد مشہور ہے۔ اس برس ہم دونوں کے نوکے میں کچپ تک گئے تھے اور ابھی وہیں سے واپس آ رہے ہیں۔"

"بیانی کی موجودہ عمر کیا ہے؟"

"آندرے چوراسی برس کا ہو چکا ہے۔"

"تو یہ کے نوکے میں کچپ تک کیسے چلا گی؟"

"بس اس نے ہمت کی۔ کچھ پورٹر زنے مدد کی لیکن واپسی پذیریہ ہیلی کا پڑھ ہوئی۔"

کے نوکے میں کچپ تک جانے کا خواہش تو میرے دل میں بھی ہے لیکن۔ میرا خیال تھا کہ میں اس پندرہ دن کے طویل اور پھر راستے کے لیے زرا عمر سیدہ ہوں۔"

ازاں پہنچنے لگی "اب تم جان گئے ہو گے کہ اگر تم میں ہت ہے تو تمہارے پاس ابھی بہت برس ہیں کے نوکے میں کچپ تک جانے کے لیے۔ بس اپنے آپ کو ذرا سنبھالنا پڑتا ہے، دریائے برالدو کے اور پچانوں کے ساتھ ریکھنے ہوئے اگر تم بلندی سے گھبرا جاؤ تو بس سیدھے دریا میں۔"

اس دوران چکنیزی نے اگر اطلاع کی کہ کہرو یونٹ جمیل کے قریب بیانی کا خطرہ ہے۔

"رابرٹ سکاور ایک بہت ہی مشہور آئیزن کوہ ہیا ہے۔ وہ ایک شیل دیرین ادارے کے لئے آندرے کا انڑویو لے رہا ہے۔ تم بھی آؤ۔ کم آن آندرے۔"

آندرے اپنی پینٹنگ میں بے حد محظی، اس نے سر اخاکر ازاں کی طرف دیکھا کہ کیا یہ بہت ہی ضروری ہے کہ میں جمیل کی تصویر ہانا چھوڑ دوں اور کہرے کے سامنے پہنچ کر ازاں دوں؟ ازاں نے ایک مرتبہ پھر کہا "وہ انتظار کر رہے ہیں

بالیوں پر چل رہے تھے اور انہیں "گاہ" رہے تھے اور ایک جگہ ہم نے چار خوبصورت گھوڑوں کو انہی بالیوں پر ایک دائرے میں دکھی چال چلتے دیکھا۔ ایک نوجوان لڑکی جو کے داؤں کو ایک ترکی سے ہوا میں اچھال رہی تھی۔ شری بھوس اس کے چڑے پر گرتا تو کچھ دیر کے لیے بالکل دکھائی نہ دیتا کیونکہ اس کی رنگت بھی شری تھی۔ شاید اس لڑکی کی عمر بینی جتنی تھی۔ بینی نے اسے جرانی اور خوف سے دیکھا "ابو یہ لڑکی اتنی چھوٹی ہے اور اسے مشکل کام کر رہی ہے۔" "اور یہ پڑھتی بھی ہو گی اور ماں کا ہاتھ بھی بٹاتی ہو گی۔ اور بینی اگر آپ کے دادا جان مل کی تمگی چھوڑ کر تعلیم حاصل نہ کرتے اور پھر شرمن پوری زندگی رنقت حال کے لئے اتنی شدید جدوجہد نہ کرتے تو آج میں بھی کسی بخل کے پیچے "ہو ہو" کر رہا ہوتا اور تم گندم کے داؤں کو ترکی کی مدد سے ہوا میں اچھال رہی ہوتی۔ اس لڑکی کی طرح۔"

"میں لاہور واپس جا کر دادا جان کو تھیک یو کموں گی۔" بینی پہنچنے لگی۔ ہم ایک پل کے قریب سے گزرے۔ پل کے پار ایک راستہ کیسی جا رہا تھا۔ ہم سرکرتے رہے۔ اور پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے اس پل کو پہلے کہیں دیکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے میں دو برس پہنچ بھی اسی راستے سے پھلو گیا تھا اس لیے دیکھا تو ہو گا کیسی نہیں۔ اسے میں نے کسی اور طرح دیکھا تھا۔ یہ وہی پل تھا جس کے ساتھ "ہوشے ۴۴ کلو میٹر" کا سال خورده پورڈ لگا ہوا تھا۔ لیکن اس پار بورڈ وہاں نہیں تھا یا وہاں تھا لیکن میری نظریوں سے او جمل رہا۔ اور وہ راستہ ہوشے کو جا رہا تھا۔ اور سکردو سے رواگی کے وقت میں نے قلب علی کو کما تھا کہ میں پھلو کے بعد ہوشے جاتا چاہتا ہوں اور انہوں نے نہایت خوش ہو کر کما تھا ہاں ہاں جائیں لیکن وہاں غصہ کے کہاں؟ چھوٹا سا پہاڑی گاؤں ہے۔ میں ایک مرتبہ گیا تھا اور اپنے کسی دور کے رشتہ دار کے پاس فھرا تھا۔ لیکن ادھر پو بہت تھا، بہت کافی تھا۔ آپ جائیں لیکن اسی روز واپس آجائیں۔

تو ہم سب پھلو جا رہے تھے۔ لیکن میں ہوشے جا رہا تھا۔ اور ہوشے کے پارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ وہاں تک کا جیپ ٹریک کیا ہے؟ وہاں پہنچنے میں کتنا عرصہ لگتا ہے اور کیا مسٹ علی اپنی مسٹی کے باوجود ہمیں وہاں تک لے جاسکا ہے؟

مجھے سکردو پہنچنا ہے۔" ہم موٹی کے ساتھ اپر پارسکن تک جانے والے راستے پر چلنے لگے۔ یہاں شدید چڑھائی تھی۔ آندھے سانس لینے کے لئے رکا۔ "یہ چڑھائی تو کچھ بھی نہیں ہے آپ تو ہاٹا پرست تک جا پہنچے ہو۔" ازاں نے مذاق سے کہا۔ "میں تمہیں تجربے کی بات تھاں۔" وہ ہاٹا اور مسکراتا ہوا بولا "چاہے وہ سیڑھیاں ہوں یا ہاٹا پرست، چڑھائی بیش تھکاری ہے۔" وہ کچھ دیر موٹی کے لان کے قریب میونہ اور پچوں کے ساتھ گھنگھو کرتا رہا اور پھر ازاں کے سارے آہست آہست اپر چلا گیا۔ شاید اگلے برس یا اس سے اگلے برس وہ چھوٹی جس پر پہنچ کر تم واپس نہیں آ سکتے۔

اور ہم پھلو جا رہے تھے۔ بلند راستے، تیکب میں پھیلا ہوا مندھ، بہت دور گلیشیر اور ان کے نیچے مریز واریاں، آبشار جو طویل قاطلے کی وجہ سے رکے ہوئے لگتے تھے۔ ہم مندھ کو عبور کر کے دوسری طرف گئے اور دریائے شیوک کے ساتھ ساتھ ستر کرنے لگے۔

جمیل صدقہارہ میں دو روزہ قیام کے بعد ہم سکردو لوٹے تو قب علی کرنے لگے، جناب اب کہاں جائیں گے؟ جہاں جائیں گے آپ میری پاچھو دیگن پر جائیں گے۔ نہیں نہیں آپ انکار کریں گے تو مجھے بہت دکھ ہو گا۔ کسی کو دکھ دینا یوں بھی گناہ ہے اور اگر بختستان کی سیر کے لئے پاچھو مل رہی ہو تو انکار بہر طور گناہ کیرو میں شامل ہو گا۔ چنانچہ ہم مر جکب نہ ہوئے۔ پاچھو کا ڈرائیور مت علی دیکھنے میں بھی مست گل تھا لیکن اپنے کام میں اول نمبر تھا۔

پچھلی شب بالترو ریٹ ہاؤس میں کرچ سکھر نے ایک پر ٹکف کھانے کا بندوبست کیا۔ سیاچین سے واپس آئے والے چند نوجوان افسروں سے ملاقات ہوئی، ان کی آنکھوں میں ابھی تک دھشت اور قاطلے تھے، وہ ہر آہست پر چوک جاتے۔ جہاں آبادی آتی ویگن جو کے سربرے کھیتوں میں سے گذرتی۔ کلائل شروع تھی۔ کہیں تھپر شر نظر آ جاتے۔ تمام لوگ کھیتوں میں تھے۔ کہیں زدہ جو کی شری

یاقوت جیاں اس کے سختے بڑے میں لپک پرستی ہیں۔

میں سلوق اور سیرینجک میں بیٹھے ہیں اور میرے عزوق اور جیجی کے قبال ہیں  
- راجہ محبوب علی خان بھی ہمیں ملنے کے لیے آگئے ہیں۔ وہ مجھ سے میرے والد  
چہدری رحمت خان تارڑ کی محنت کے پارے میں پوچھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس  
خل میں جو بہت سارے پھول ہیں ان کے بیچ انہوں نے ہماری فرم سے لگا کر بوئے  
تھے۔

میونہ اور بھنی زبان خالی میں زگس ذکریا اور ان کی پیغمبری رانی سے خوشنگو  
ہیں۔

خل سے اترتے ہوئے بازار کے آغاز میں وہ سمجھ ہے جس کے اندر جا کر حم  
اخالیتے والے پر کسی حم کا شک نہیں کیا جاتا۔

بازار کے اوپر دیکھیں تو بلندی پر ایک سربراہ وادی نظر آتی ہے۔  
اور اوپر سے آئے والی ندی کے پل کے آس پاس اہل خل چھوٹی مولی گپ  
شپ اور تفریخ کے لیے آبیتھے ہیں۔

بازار میں ہی خل کا ڈاکانہ ہے۔ ہم نے اس کے اندر ایک نیچے پر بیٹھ کر  
لاہور خل لکھتے اور یہاں سے بھی صرف بلند پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ پوست ماسٹر  
ایک نہایت محبت والے شخص ہو ہمیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ ان کے پاس  
پوری وادی کے لیے صرف دو پوست میں تھے۔ کچے فرش اور پتھری دیواروں والا  
چھوٹا سا والان غماڑاک خانہ۔ اور اسے دیکھ کر سلوق نے ایک سختی آہ بھری اور  
کہنے لگا "ابو انسان کو خل کے اس ڈاکانہ میں پوست ماسٹر ہو جانا چاہئے بس۔"

اور وہاں واقعی ایک عجیب تھراڑا تھا۔ پرانی میزوں، نئی ہوئی دو کرسیوں،  
amarion میں رکھے لفافوں اور خلوط کے درمیان ایک عجیب تھراڑا تھا اور پہاڑوں سے  
سختک اس کے اندر نک اتی تھی۔

اور آخری شام میر افضل خان کی جانب سے خل کے رشتہ ہاؤس میں ایک  
دھوت کا اہتمام تھا۔ میر صاحب اس خل کے لیے باقاعدہ ڈریس اپ ہو کر  
آئے بھنی نیلا بلیز۔ گرے پتوں اور سرخ رومال وغیرہ۔ ان کے ہمراہ شگری  
صاحب تھے جن کی نظریں صرف "صاحب" کے لیے تھیں۔ جب نک اور نہ  
سکراتے شگری صاحب بھی ہوت بھیج کر رکھتے۔ مگر زراعت کے ایک باریں افسر

ابھی شام ہوئے کو تھی اور ہم خل پہنچ گئے۔  
یہاں شیوک کا پات چوڑا ہو جاتا ہے اور اس کے پانی آپ کے ساتھ ساتھ ہے  
لکھتے ہیں۔ پہلے راستے پر شہوت اور خوبیاں اور ان پر آپ کی ویگن کے ساتھ۔  
خل کی وادی نظر نہیں آتی۔ کوئی کہ اس کا مظہر صرف بلندی سے سامنے آتا ہے۔  
اسے دیکھنے کے لیے آپ کو اس کے اندر جانا پڑتا ہے، اور بازار کی طرف پڑتا ہے۔  
خل کے اکلوتے رشتہ ہاؤس میں ایک بہت بڑے اخروت کے درخت کے نیچے  
گھانچے سب ڈویڈن کی پولیس ہمارا انتقال کر رہی تھی۔ ہمیں خوش تمدید کرنے کے  
لئے۔ ایس پی میر افضل خان پرانی قدموں کے کسی ہیرو کی طرح خوش خل اور ان  
کے ڈی ایس پی شگری صاحب۔ اگلے دو روز ہم پولیس کے زیر گرانی رہے۔ اور  
ہتھ مزے میں رہے۔

خل پہلے بھی دل کو لگا تھا، آپ کے کچھ اور زور سے لگا بلکہ دل کے آس پاس  
کہیں مقیم ہو گیا۔ ہم بلندی پر جہاں بریفلی پانیوں کا شور بہت ہوتا ہے وہاں خانقاہ  
پنجن دیکھنے کے لیے گئے۔ اور پھر دیکھنے سے اور ایک چاکہ نکل گئے جہاں سے  
وادی خل اور دریائے شیوک قدموں میں بچھے نظر آتے ہیں اور سامنے پہاڑوں پر  
چھپل رات کی تازہ برف دھوپ میں پھیلتی ہے۔

اس بار میں نے ہمیں بار خل کے ایک پرانے محلے میں قدم وضع کے پتھریلے  
مکانوں اور غار نما گیوں کے قریب خانقاہ مغلی کو دیکھا۔ بھنی اور سیر اس کے ڈویڈن  
بلند ستونوں کو پانیوں میں لینے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ دونوں اس قدم عبادت گاہ  
میں نسل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو گوا بے شمار ستونوں کے درمیان وہ بھی دو  
مکوہب شگری چھوٹے چھوٹے ستون تھے۔

خل کے راجاوں کے محل کے خلک باغ میں سیب سرخ تو ہو چکے تھے یہاں  
ابھی پہنچنے میں کچھ دیر تھی اور جیجی کے دونوں درختوں میں آخری دنوں کے چھل  
تھے۔ جسٹے کے کنارے راجہ ذکریا کا پولو کا گھوڑا ہمیں حرمت اور نک سے دیکھ کر  
بدن تحریر تھا۔ میرے دل کے آس پاس جہاں کہیں خل قدم ہے وہاں ہو سربراہ  
خلک شوں اور گلاب کے جنگلی پھولوں والا نکرا ہے وہ اسی محل کے باغ کا ایک حصہ  
ہے۔ دو ملازم جیجی کے درختوں پر چڑھ کر اسیں اس طرح پلاتے ہیں جیسے ہم جیجی  
کے درخت کو جنگوڑ کر رہے گرتے ہیں۔ یہاں گھاس کو پانی دیا ہوا ہے اور سرخ

ہے۔ کسی مجرم کو دیکھنے کے لئے ہمیں بختان سے باہر جانا پڑتا ہے۔ یہاں ایک پولیس افسر آئے تو انہیں ایک مقام کے بارے میں بتایا گیا کہ اسے قتل گاہ کہتے ہیں۔ ایک اور جگہ دکھائی اور بتایا کہ اس کا نام بھی قتل گاہ ہے۔ پولیس افسر بننا کر یوں لے؛ اورے قتل و قتل کسی کو کرتے نہیں ہو اور جگہ کا نام قتل گاہ رکھ دوا ہے۔ سکردو جبل کی یہ حالت ہے کہ قیدیوں کی نسبت شاف زیادہ ہے۔ تارڑ صاحب پولیس والوں کے موالی کے لئے بہت برا علاقہ ہے یہ۔ "بکل چلی گئی" راست ہاؤس سے باہر گھپ انھرہا تھا۔ شیوک کے پانیوں کی سرسرابھث ہے حد مدمم تھی۔ البتہ مشنی ڈاکٹر شورت کے مکان کی کھڑکیوں میں روشنی تھی کیونکہ اس نے چھٹ پر ششی تباہی کا ایک پیونٹ نصب کر رکھا تھا۔

میں ایک بار پھر کوئی گاکر پللو میرے دل کے آس پاس کئیں مقیم ہو گیا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اوپر پللو کی ڈھلوانوں پر تھوڑی سی زین ہو؟ جس میں ایک شخصوں بنتی طرز کا مٹی اور لکڑی کا مکان قیصر کیا جائے، جس کی کھڑکیاں چھوٹیں اور چھتیں شہریوں والی اور پنجی ہوں اور ان میں آتش دان ہوں۔ اور خوبی کے دو درخت ہوں، ایک سیب کا اور ایک چیڑی کا۔۔۔ کچھ بہنیاں اور اوپر سے آتی ہٹلی پانی کی ایک نالی شور پھاتی اس نہیں میں سے گزد رہے۔ اور اس مکان میں بینہ کر انہیں کتابیں پڑھے اور وہ تمام نالوں اور انسانے لکھے جو اس نے لکھتے ہیں۔ اور اسے اپنی روزی کے لئے فضول تھم کے مضامین اور کالم نہ لکھنے پڑیں اور ٹلی دیہن پر کام نہ کرنا پڑے۔ کیا یہ ممکن ہے۔۔۔ نہیں یہ ممکن نہیں کیونکہ پللو میرے دل میں مقیم ہو سکا ہے لیکن میں پللو میں مقیم نہیں ہو سکتا۔۔۔ اور اگلی سوریہ ہم نے ہوشے جانا تھا۔

پللو راست ہاؤس سے اترتے راستے کے کنارے سیوں کے چار پانچ درخت پھل سے لدے ہوئے تھے، ان کے نیچے سفید سیب پچوں کی گشہہ گیندوں کی طرح نکھرے پڑے تھے۔ مت علی نے ایک سیب اٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور واپس پھینک دیا "ابھی کچھ ہیں صاحب۔۔۔"

میں مت علی کے بارے میں تھوڑا لگرنہ تھا۔ قلب علی صاحب نے بتایا تھا کہ ڈرائیور بست اچھا ہے لیکن صرف یہ ہے کہ قدرے بہرا ہے بلکہ بہرا تو نہیں ذرا کم سنتا ہے اور جب کم سنتا ہے تو سکراتا ہے اور شاید اسی لئے مت علی ہر وقت

امان اللہ خان بھی تشریف لائے۔ وہ بھی والد صاحب کو جانتے تھے اور گوالمٹھی کی کشیری چائے کو یاد کر کے مٹھڈی آئیں بھرتے تھے۔ راجہ پللو کے محل کے اوپر ایک سربرزو ڈھلوان جو نظر آتی ہے اس کا تذکرہ ہوا تو امان صاحب کئے گئے "دہاں تو میرا آلو ہے۔۔۔"

"آپ کا آلو ہے؟" میں نے پوچھا۔ "جی ہاں تارڑ صاحب۔۔۔ آپ بھی میرا آلو دیکھیں تو جران رہ جائیں۔۔۔ میں آج بھی اپنا آلو دیکھ کر آیا ہوں۔ بختان میں اور کس کا آلو ہے؟ صرف میرا آلو ہے اور کیا آلو ہے۔۔۔ اور ایسا آلو ہے کہ۔۔۔" امان صاحب نے بختان میں آلو کی ایک نیچم تعارف کوائی تھی ہے وہ پڑے غرے "میرا آلو" کہتے تھے۔ "تو کل صحیح آپ سکردو واپس جائیں گے؟" میر صاحب نے چائے کے بعد دریافت کیا۔

"کل صحیح ہم ہوئے جائیں گے۔۔۔" "ہوئے؟" میر صاحب نے ذرا تفییشی انداز کی ہٹتی سے کہا "وہاں کیا کریں گے جا کر؟"

"یہ تو وہاں جا کر پڑتے چلے گا۔۔۔" دیے آپ ہوئے گئے ہیں؟" "میں؟" میر صاحب کھانے "ہے تو میرے علاقوں میں۔۔۔ کیوں بھی ٹھری ہم ہوئے تو نہیں گئے؟"

"نہیں جی۔۔۔" ٹھری صاحب فوراً کھڑے ہو گئے۔ "کیوں ٹھری وہاں تک کا راستہ کیا ہے؟"

"پہنچ نہیں سر۔۔۔ غیک ہو گا سر۔۔۔ میں کسی سے پہنچ کروں گا سر۔۔۔" "آپ ٹھری کو ساتھ لے جائیں۔۔۔" میر صاحب بولے "یہ آپ کا مناسب بندوقت کر دے گا۔۔۔"

"آپ ٹھرندہ کریں ہم پولیس کی ہٹتات کے بغیر بھی پہنچ جائیں گے۔۔۔ یوں بھی پللو میں ٹھری صاحب کی ضرورت ہو گی۔۔۔"

میر صاحب نے ایک گمری گونج والا قتبہ لگایا "تارڑ صاحب یہاں تو سرے سے پولیس کی ہی ضرورت نہیں۔۔۔ کرام راست زیر و ہم۔۔۔ بہت شریف لوگ ہیں۔۔۔ پولیس تو یہاں الگیاں پٹھاتی رہتی ہے یا پھر سوچل ویلفیر کے کاموں میں مصروف رہتی

جائیں گے۔"

میں نے بھی سوچا کہ اگر خدا غواست اس پہاڑی سڑکے دوران ایک اور ٹاہر پچھر ہو جاتا ہے تو ہم پاچھو میں شب بر کرنے کے لئے کیونکہ خوارک ہمارے پاس تھی اور علاقہ بھی حفاظت تھا۔ اور اسی دوران مت علی پچھر شدہ ٹاہر کے میں ڈال کر ٹپلو یا سکردو سکھ ریکھ کرتا ہوا جا سکتا تھا اور دو چار دن کے اندر اندر پچھر لگوا کرو اپس آ سکتا تھا۔۔۔  
نوپر اب لم۔

"ہم سورموں سے گذر گئے۔ ابھی بت کم لوگ بیدار ہوئے تھے۔"

سورمو سے آگے چند لوگ سڑک کے کنارے بھلکے ہوئے تھے۔ نیچے ایک خطرناک ڈھلوان پر ایک ٹرک اونڈھا پڑا تھا۔ معلوم ہوا چھلی شب نیچے گیا تھا اور ڈرائیور کا کچھ پہ نہیں۔ پچھوں نے اسے بے حد دیکھی سے دیکھا اور میں نے پچھوں کو بے حد خوف سے دیکھا۔ راستے کی خطرناکی ایک سردار کی طرح میری ریڑھ کی پڑی میں اترنے لگی۔

راستہ چنان کے ساتھ چینٹنے لگا اور دریا نیچے چلا گیا۔ جیپ کا پانٹ اونچا ہونے لگا اور ہمارا ہوا اور نیچے دریا پر ایک پل نظر آیا۔ یہ سورمو پل ہے، ہم اس کے پار جائیں گے۔" مت علی نے یہ الفاظ کے اور پھر یکدم سڑک چھوڑ کر جدھر کھلتی تھی اور شیز ہیگ گھما دیا۔ اور تب اس لئے میرا دل رکا کیونکہ آگے کچھ بھی نہ تھا۔۔۔ یہ لمحہ شاید ایک سیکنڈ کا تھا یا اس سے ذرا طویل لگن مجھ پر ہیئے گذرا وہ میں جانتا ہوں یا وہ شخص جانتا ہو گا جس کی جیپ ایک پہاڑی راستے پر چلنے پڑنے کقدم ہوا میں جاتی ہے اور پھر کراٹی میں جاتی ہے۔۔۔ بادی اندر میں سڑک چنان کے ساتھ جا رہی تھی اور ہمیں بھی اس پر رہتا چاہئے تھا لیکن مت علی شیز ہیگ گھما چکا تھا۔ اس ایک لمحے میں میرے آگے صرف آسمان تھا اور نیچے گمراہی تھی اور جیپ ہوا میں تھی۔ اور پھر اس سے اگلے لمحے۔ جیپ نیچے ہوئی اور اس کے اگلے ہزار ایک ایسے ڈھلوان کے راستے پر جائے گئے جو سڑک پر سے بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ ہم نیچے اترے اور پل کے پار چلنے کے۔ چیک پوٹ پر میرا افضل کافون آپکا تھا اس لئے ہمیں دوسرا طرف جانے دیا گیا۔ وہ راستے ہے ہم نے چھوڑا تھا سیاہین کے پڑاؤ دم سم اور گومو کی طرف جاتا تھا اور یہ راستے۔۔۔ ہوئے کی طرف جانا چاہئے تھا۔۔۔ شیوک کے دوسرا جانب کجھ کر میں نے مت علی سے کہا "جیپ تھوڑی دیر کے لیے روکو نجھے ایک گھونٹ پانی دو اور

سکرا آ رہتا تھا اور ہم سمجھتے تھے کہ مت الست ہے اس لئے سکراتا ہے اور میں فکر میں اس لئے تھا کہ وہ بھی آج تک ہوئے نہیں کیا تھا اور ہوئے کے راستے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

ہم پل سے صح پچ بجے لگا۔ ایک غیر محتاط اندازے کے مطابق ہمیں تین سے چار رکھنے کے اندر ہوئے پہنچا چاہئے تھا۔

ہم ابھی سیاہین جانے والی سڑک پر شیوک کے کنارے سورمو کی جانب جا رہے تھے۔

سورمو کے قریب دریا اور چیل گیا۔ اور دریا کے نیک ریتے جزیروں سے پرے جو نیک پہاڑ تھے ان کے عالم پر صاف نیلے شفاف آسمان میں شرم دکھائی دیتے تھے۔ وہ جیرت اگریز حد تک سُنْزَلِیڈز کی بلند ترین چوٹی میٹھارن سے مشابہ تھی بلکہ یہ کہتا زیادہ درست ہو گا کہ میٹھارن شرم سے مشابہ تھی کیونکہ یہ اس کی نسبت کمیں بلند تھی۔

میں پچھوں سے مخاطب ہوا "ہمیں وہاں جانا ہے۔"

"کہاں؟ شرم پر؟" نیچے نے چوک کر کہا۔

"اس کے میں نیچے ہوئے کاموں ہے وہاں۔۔۔ ابھی ہم دریا پار کر کیں گے اور میدھے اس چوٹی کی جانب سفر کرنے لگیں گے۔"

مت علی نے پانچو روک دی۔

وہ صرف سکرا یا اور نیچے اتر گیا۔ اس نے چاروں ٹاہروں کو نور دار ٹھنڈے ریس کے اور پھر پچھلے ٹاہر کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نیچے اتر کر اس کے پاس چلا گیا۔

"کیا ہوا؟"

اس نے مجھے ایک نور دار سکراہٹ سے نوازا اور سپنی نکال کر پچھر شدہ ٹاہر بدلنے لگا۔۔۔ پچھے بھی باہر آ گئے اور کسی دریان جریے میں مشتمی پر فتحے والے مسافروں کی طرح اور جو کھونتے گئے۔ کیا ہم سپنی کے بغیر ہوئے نک سز کرنے کا خطرو مول لے سکتے تھے؟ اگر ہم پل دوپھر لگواتے تھے تو ہم اتنا وقت شائع کر دیتے تھے کہ ہوئے نہیں جائے تھے۔

"پھر مت علی؟ اب کیا ہو گا؟" میں نے ذرا بلند آواز میں پوچھا۔

اس نے سکراہٹ کر دیا۔ "کچھ نہیں ہو گا صاحب، اللہ ماںک ہے۔ ہم ہوئے

پاتھو پتھے اتری اور گاؤں میں آئی، کھجتوں اور آب پاشی کی نالیوں کو رومنتی  
پاتھو کے انہن کی آواز بالے گان کی صبح میں بے حد بد صورت تھی۔  
گاؤں کے انتظام پر ایک بڑا نالہ تھا جو ہوشے سے آ رہا تھا۔ اس پر ایک  
محل پل تھا جسے ہم نے عبور کیا اور دوسری جانب پلے گئے۔  
اب ہمیں شرم کی طرف سفر کرنا تھا۔

یہاں راست تھوڑی دور تک راستہ رہا اور پھر چنانوں کا ڈھیر ہو گیا۔ سیکھوں  
بڑے بڑے پتھر اور انہی پتھروں پر ٹھیل کر اگر آ سکو تو آکو۔ جیپ تقریباً بے قابو ہو رہی  
تھی اور مست علی بڑی مشکل سے شیزرنگ کو سنبھال رہا تھا جو کہ پاتھو سے چھوٹا جاتا  
تھا۔ انہن اور بڑی سے لگتے و ریخت کے لئے پھوٹ رہے تھے اور یہ نئے خوفزدہ  
کرتے تھے کہ اگر اس جیپ میں یہاں کسی حم کی فنی خرابی تصور پذیر ہو گئی تو ہم کیا  
کریں گے۔ جیپ جو بے احتیاط ہو کر جنکے مارٹی اچھلی تھی اسی روایم میں ہم سب کی  
پتھر گوا نشتم ہوا تو مست علی نے جیپ روک کر ماتھے سے پیدا پونچا۔  
”مست علی کیا تم بھی اتنے خراب راستے پر اس پاتھو کو لائے ہو؟“

”نہیں صاحب“

”اوہ کیا یہ پاتھو ایسے راستے پر چلنے کے قاتل ہے؟“

”نہیں صاحب۔“

”اب اگر کوئی اور گوا اسی نویت کا ہمارے راستے میں آیا تو ہم واپس ہو  
جائیں گے۔“

”تھی صاحب۔“

تقریباً ایک فرلانگ کے کچھ اور بہتر راستے کے بعد اسی نویت کا ایک اور پتھر  
پتھر راستہ ہمارے سامنے تھا۔

”کیا کریں صاحب؟“ مست علی بولا۔ اور کتنا وہ یہی چاہتا تھا کہ اب واپس چلیں  
صاحب؟

”کیا خیال ہے؟“ میں نے موٹا سے مشورہ کیا ”جیپ ان پتھروں پر چلی جائے  
گی۔“

”چلی تو جائے گی لیکن۔ نوٹ نہ چائے۔“

”ہم سب نئے اترے گے تو مست علی نے روک لیا ”اگر آگے جانا ہے تو بیٹھے

آندھہ پاچو جو کواس طرح بکدم کسی ایسے راستے پر نہ مبوڑنا ہو گئے نظرتہ آتا ہے۔“  
مست علی سکرانے لگا۔

سور مولیٰ سے پرے راستہ ذرا بہتر ہوا، قدرے محدود ہوا اور ہم اس پر تھا  
سز کرتے تھے اور مکیت کم تھے اور ہزاروں زیادہ نہ تھی۔ ہم دریائے شیوک کے اس  
جانب آ پچے تھے۔ راستہ ذرا بلند ہوا اور پھر ایک دوراً ہا دکھائی دیا۔ ایک راستہ نئے  
ایک خاۓ بڑے گاؤں کو جا رہا تھا۔

”کدر صاحب!“ مست علی سکرایا۔

”مجھے کیا پچے کدر صاحب۔ میرا خیال ہے ہمیں سیدھا جاتا ہے۔“  
گاؤں میں اترتے راستے کو چھوڑ کر ہم سیدھے چلے گئے۔ لیکن بہت کم دست  
کے لئے ہم سیدھے رہے اور پھر ایک دو مرتبہ اٹٹے ہوتے پچھے کوئکہ سڑک پر جا بجا  
پتھر اور سکر تھے اور کہیں کہیں گزھے بھی تھے۔ مست علی نے پاتھو و سڑک دی اور  
سکرائے بغیر سڑک کو غور سے دیکھا اور پھر مجھے غور سے دیکھا اور کرنے لگا ”یہ راستہ  
ثُم ہو چکا ہے اس پر جیپ وغیرہ کی میسے سے نہیں چلا۔“

”اس کا مطلب ہے ہم ہوشے نہیں جائے؟“

مست علی سکرایا اور پھر سڑک کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ نئے گاؤں میں صبح ہو  
رہی تھی اور ایک نوجوان لڑکی پہنچت پر خوبیاں پھیلا رہی تھی۔ مست علی نے منہ پر  
ہاتھ رکھ کر اسے پکارا۔ آواز اس عک پہنچی لیکن وہ جان نہ سکی کہ یہ کدر سے آئی  
ہے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا لیکن ہماری جانب اور نہیں دیکھا اور پھر سے  
خوبیاں پھیلاتے گئی۔ مست علی نے ایک مرتبہ پھر ”ہو ہو“ کیا اور اس لڑکی نے اپر  
ہماری جانب دیکھا۔ یقیناً پہلی نظر میں اسے سلیش رنگ کے پماڑی دکھائی دیئے ہوں  
گے کیونکہ وہ ہم سے خاۓ ناطے پر تھی اور پھر اسے ایک چھوٹی جیپ اور اس  
کے مسافر دکھائی دیئے ہوں گے۔ مست علی نے شاند ہوشے کے راستے کے پارے  
میں پوچھا اور وہ نئے چلی گئی۔ تھوڑی دری میں ایک مقابی کسان ہماری جانب آ رہا تھا۔  
وہ سڑک کے میں نئے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور مست علی اس سے یاتھی کرنے لگا۔  
معلوم ہوا کہ اوپر والی سڑک ایک عرسے سے تزویک ہو چکی ہے اور ہوشے کے لئے  
گاؤں کے پار جا کر دوسرے راستے پر چلنا ہو گا۔

”اس سے پوچھو اس گاؤں کا نام کیا ہے؟“

مست علی نے پوچھا اور یہ ہالے گان تھا۔

ایک خوف یہ بھی دل میں تھا کہ ابھی ہم نے ہوئے پہنچا ہے۔ وہاں تھوڑی دری کے لئے رک کر پھر اسی راست سے نئے بائے گون تک آتا ہے اور پھر شوک کے اسی کارے پر سفر کرتے ہوئے کیرس اور ماچلو کے راستے سکردو پہنچا ہے اور تاریکی سے پھٹر پہنچا ہے۔

سربریز ڈھلوان کی جگہ خلک پہاڑیاں نظر آئے تھیں۔ راستہ سمندری ہموں کی طرح اپر نئے ہوئے لگا اور بت خطرناک انداز میں ہوئے لگا۔

ہم نے پہلی بار اس راستے پر دو چھوپوں کو دیکھا جن کے سافر کو ہموں پر ہاتھ رکھ کر ٹھے تھے اور وہ غیر ملکی کوہ نور دیا رکھ رکھ تھے۔ ایک جیپ کا ڈرائیور اس کے نئے گھسا ہوا تھا۔ ابھی ہم کچھ فاسٹے پر ٹھے کہ ایک خاتون نے دیوانہ وار ہاتھ پلا کر روک لیا حالانکہ وہ ہاتھ نہ بھی بلاتی تو لوگ رک جاتے۔ جیسیں اور کھلی شرٹ اور سر پر اس نے دوپٹہ سالپینا ہوا اور اس نے کھنکی میں سے سر اندر کیا اور مت علی سے کھنے لگی اور اس خوبصورت زیست سے کھنے لگی جو فراسیمی لبجے میں انگریزی بولنے سے آتی ہے۔ یعنی ایک سازش بھری بھنسی سرگوشی کے انداز میں کہ ہماری جیپ خراب ہو چکی ہے اس لیے تھوڑی دری کے لئے پلیز ادھر رک جائیے کیونکہ راستہ نگ ہے اور راستے میں ہماری جیپ ہے اور پلیز آپ ماہنہ تو نہیں کریں گے۔ مت علی حب معمول سکراتا رہا یعنی کچھ پر انداز دگر مسکراتا رہا اور میں اسے دیکھتا رہا اور وہ واقعی بے حد خوبصورت تھی اور پرکشش بھوننے اس کے چہرے پر تھا۔ خاصی دری کے بعد اسے احساس ہوا کہ مت علی صاحب اس کی بات نہیں سمجھ رہے۔ تب اس نے مجھ سے رجوع کیا۔ اور شائد میں بھی اسی طرح مکرانے کا ہیسے مت علی مسکرا رہاتا اور پھر مجھے محسوس ہوا کہ مونا نے بھی پر انداز دگر مجھے گھورا ہے اور تب میں نے اس بی بی سے عرض کیا کہ جی۔ ہم ماہنہ کرنے والے کون ہوتے ہیں اور ہم یہیں رک جائیں گے۔ بد صحتی سے ان لوگوں کی جیپ فوراً تی ورست ہو چکی اور ہمیں ان کے قریب سے گذرنے کا راستہ مل گیا۔ رنگ بریگ رک سیک اور نیلے ڈرم جن میں کوہ چا اپنا سامان پیک کر کے ان پر نمبر لگا دیتے ہیں۔ اور اس سامان میں وہ جو خر سامان تھے۔

کے نوموٹیل سکردو میں پہنچے والے بیشتر رکھرک ہوئے ہوئے کرتے پھر تھے ہیں کیونکہ اوہر ہوئے سے پرے بھستان کے چند بھترن اور خوبصورت تین ٹریکس یا راستے ہیں۔ گذالوکی چھٹی کو بھی یہیں سے راستہ جاتا ہے اور اس برپوش چھٹی کو سر ملنے نہیں۔

روہ۔ جیپ خلی ہو گی تو زیادہ اچھے گی۔“  
ہم پھر سے بر اجنبان ہو گئے اور جیپ اور سیئر ٹک اور مت علی اور ہم سب پھر سے بے اختیار ہو گئے اور ہم ہات کرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں زبان دانچوں نے آ کر کٹ نہ جائے اور اس کے باوجود میمونہ کنے گی“ اگر قلب ملی اس وقت اپنی پاری پاچھوڑ کو ہوں جھکنے دار ڈانس کرتے دیکھ لیں تو وہ قلب ساکن ہو جائیں۔“  
یہ آزادائش جب اختیام کو پہنچی تو ہم نے جیپ سے باہر کلک کر اپنی ہڈیوں اور جڑوں کو کچھ تان کر ان کے اصل مقام پر بخالیا۔

اور پھر ہم نے دیکھا کہ یہاں سے شریم زیادہ صاف نظر آتی تھی اور ہم اپنی یہ چھوٹی سی کلفت بھول گئے۔ اب یہ بلند بر قافی چھٹی ہماری وعدہ شیڈ کے ایک حصے میں ایک تصویر کی طرح آؤ رہا ہو گئی، یہاں سے ہوئے تک اسے مسلل نظر آتے رہنا تھا۔ سفر پھر سے شروع ہو گیا۔ ایک بہت وسیع سربریز ڈھلوان تھی جس پر وہ چمٹنے ہیاں تھیں اور ان پر جیپ کے ہاتر تھے اور ان کے درمیان گھاس تھی باقاعدہ سرک نہیں تھی۔ اور اس ڈھلوان پر لمبی لمبی قد آدم گھاس لراتی تھی اور اس گھاس میں کہیں کہیں بڑے پتھر ہو آرائش لگتے تھے۔ خاصے فاسٹے پر نیچے ہوئے کا ہالہ تھا اور اس کے پار ٹیکھی نوکیں برفوں سے اٹی چٹانیں تھیں اور ان میں کہیں کوئی وادی تھی جہاں لوگ تھے۔ جو شائد اپنے گھروں سے ہمیں دیکھتے تھے یعنی ہم اپنیں یا ان کے گھروں کو یہاں سے نہیں دیکھ سکتے تھے، صرف چٹانوں کے نیچے بزرے کی ایک لکیر نظر آتی تھی جہاں کوئی وادی تھی۔ راستہ یہاں تقریباً ہموار تھا۔ اپر سے کوئی چشمہ اگر راستے میں آ جاتا تو ہم جیپ روک کر اپنے آپ کو ترومازہ کر لیتے۔

اس وسیع ڈھلوان پر سفر کرتے ہوئے ایک کیفیت تھی جو مسلل تھی اور اس کیفیت میں جب جیپ کا انہیں بند ہوتا تو ایک کمل تھائی ہوتی، سرسراتی بلند گھاس کی خاموشی ہوتی اور ہم باشیں کرتے تو ہماری آواز ہمیں بھی سنائی دیتی۔ تقریباً تمام پہاڑی راستے دریاؤں اور ناؤں کے ساتھ چلتے ہیں اس لیے وہاں پانی کا شور بھی ساتھ چلتا ہے یعنی ہوئے روڑ کا یہ حصہ مختلف تھا۔ تالہ بہت دور نیچے تھا اور ہم اپر بلندی پر سرسراتی گھاس اور پھلوں میں تھے۔ ہوئے کے لئے سکردو یا نیپل سے باقاعدہ جیپ سروس نہیں ہے۔ صرف کار گو چیزوں سامان سے لدی اپنی من مرضی سے چلتی ہیں اور وہ دون میں دو چار چلتی ہوں گی کہ راستے پر گھاس اسی لیے اگی ہوئی تھی کہ ہاتر اسے مسلل ملنے نہیں۔

ہمارے گرد ہو گئے تو جوان لڑکیاں دروازوں کی اوٹ سے ہمیں دیکھنے لگیں اور چد بزرگوں نے آگے بڑھ کر ہم سے ہاتھ ملایا۔ جیسے ہم ان کے رشتے دار تھے۔ اور ہم ان کے رشتے تھے۔

ٹھیل میں کھجتوں کے عجیب مظہر تھے ہیں۔ وادی پہلو اور دریائے شیوک کے کنارے ہو کی فصل کٹ چکی ہے اور اس کی چھڑائی جاری ہے، ہوا میں سہری بھگے اڑتے ہیں۔ ذرا بلندی پر آجائیں تو ہو اگرچہ پک چکا ہے لیکن ابھی کٹائی ہو ری ہے اور یہاں ہوشے میں بھی فصل ابھی سربرز تھی اور یہاں کے کھین و خاکر تھے تھے کہ جلدی سے یہ پک جائے ورنہ سروبوں کا آغاز ہو گیا تو فصل شائع چلی جائے گی اور ایسا کتنی بار ہو جاتا ہے کہ گرمیاں اتنی غصہ رہتی ہیں کہ خوشے ہرے ہی رہتے ہیں اور دلتے پکتے نہیں۔۔۔

"شیرم ان" ہوشے کا پلا ہوٹل ہے۔ چار کمرے ایک ڈرائیکٹ روم اور دیگر ضروریات کے لیے ہوشے کے کھیت۔ چاروں کمرے مغلیقے تھے کیونکہ ان میں قیام پذیر فیر ملکی کوہ نور داپر گئے ہوئے تھے۔ ڈرائیکٹ روم میں ٹھیل کا فرنچرخ تھا جو با آسائی پیچے سے اپر یہاں تک ٹرانسپورٹ ہو جاتا ہے۔ دیواروں پر بے شمار تصاویر تھیں۔ ان میں روز علی بھی تھا جو میز کے ساتھ یورپ کیا تھا۔۔۔ یورپ کے بڑے شہروں میں ہوشے کا روز علی کہرا مکراتا تھا، بھی میز کے ہمراہ اور بھی کسی حسین کوہ پہاڑیاں کے ساتھ تھے۔ جس کی آنکھیں کتنی تھیں کہ اگر کوہ نہ ہوں تو پھر بھی بکائی تو کہنا ہے۔۔۔ یہ ہوٹل روز علی کی ملکیت تھا۔۔۔ اور یہاں ہم نے بھستان کی بسترن چائے پلے۔۔۔

ہوشے کو ہیں الاقوامی شرت اس کے سب سے چھوٹے ہای "ٹھل کرم" نے دی۔ "ٹھل کرم" کو ٹھل کرم اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقتاً ٹھل ہے۔ یعنی تقریباً ۵ فٹ ۱۲ انج کی قامت کا ایک ایسا پورز جس کی جرات اور قوت برداشت داستانوں کی جیشیت انگیار کر چکی ہے۔ کچھ عرصہ پھر فرانسیسی نیلی ویرین نے اس کی زندگی پر ایک فلم تیار کی۔ لوگ اسے خصوصی طور پر دیکھنے جاتے ہیں اور فیر ملکی کوہ پہاڑیوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ٹھل کرم کو اپنی نیم میں شامل کر سکیں۔۔۔

"ٹھل کرم کہاں ہے؟" ہم نے شیرم ان کے دیباڑ سے پوچھا۔  
"وہ اپر گیا ہے" اس نے جواب دیا۔

ایک تازہ تازہ صاف سترہ ہو کر آئے والا نوجوان، لباس، لبی مارکیٹ میں

کرنا اتنا آسان ہے کہ اس کے اوپر اکٹھڑک جیم ہو جاتا ہے اور اوپر آنے والے چوٹی پر برا جان کوہ پیاؤں سے درخواست کرتے ہیں کہ براہ کرم ذرا جگہ خالی کر دیں اگر ہم بھی تاریخ میں ہم تکھوا لیں کوئی ہمارے پیچے ایک اور نیم چلی آ رہی ہے۔

ہوشے کا ہالہ پرے ہو گیا اور اس کا شور بھی گم ہو گیا۔ پھر ایک زبردست چھائی آئی اور اس کے ساتھ پیشوں کے پیچے کا شور آیا۔ جب ہم اپر پیچے تو پہاڑوں میں گرفتے ہو کے سربرز کھیت دکھائی دیئے۔ ان کھجتوں کے آغاز میں چد پتھریلے مکان تھے اور ان کے سامنے کسی ایسے قبیلے کے لوگ تھے جو پتھر کے زبانے کا تھا۔۔۔ ہم پچاروں سے اترے تو ابھی کاؤں میں سڑکی گونج سڑ میں تھی۔ تاریک کوٹھروں کے سامنے نکل دھول آکوڈ دھوپ سے روشن راستے پر ہوشے کے ہای زندگی کے کاموں میں مصروف تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تو ہم سے ذرا پرے ہوئے۔

زرا بھکے جیسے کوئی مخصوص جانور خطرناک انسان کو دیکھ کر منتظر ہے۔۔۔ ان کے چہرے اور ہاتھ سیاہ تھے اور یہ اس دھوئیں کی سیاہی تھی ہوان کی بند کوٹھروں میں پھیلاتا ہے اور وہ شدید سردوی سے پچاؤ کے لئے ناکافی الگ پر بھکے موسم سرماگزار تھے ہیں۔ ان کے سروں پر قدیم وضع کی اولیٰ بھتی نہیں تھیں۔ دو بڑے ہمیشہ عورتیں ٹھٹ میں لپی ہوئی ہے دانت مسکراہوں سے ہمیں دیکھتی تھیں اور شاکر پتھلے برس کی جو کی فصل کو چھابوں میں اچھاں کر اسے صاف کرتی تھیں۔ میں نے ان کے قریب ہونے کی کوشش کی تھیں کہنے والے "اگرین"۔ اگرین کتنی ہوئیں کوٹھروں میں کھس گئیں۔۔۔ ہوشے ایک ایسا پڑاؤ ہے جہاں پاکستانی کم ہی آتے ہیں اور بعد میں مت علی نے بتایا کہ میونڈ اور عینی شاکر باہر کی دنیا کی پہلی خواتین تھیں جو انہوں نے دیکھیں اور باہر کی دنیا سے مراد پاکستان کے وہ ھے ہیں جہاں سے ہم آئے تھے۔ چنانچہ ان کے "اگرین" اگرین کئنے پر میونڈ پتکم بے حد سخت پا ہوئیں کہ ہم مسلمانوں کو مونے اگرینوں سے مار رہے ہیں۔ اس نے ایک بڑی امام کا کندھا پکڑ کر خوب زور سے ہایا اور کئنے لگی "ہم پاکستانی ہیں۔ مسلمان۔۔۔ مسلمان۔۔۔ تم کیا ہو؟"

بڑی امام نے بے پیچنی سے میونڈ کو دیکھا اور اس کی آنکھیں ہمراہ موسوں کی شدت سے سرخ دلمل میں بدلتے چکی تھیں اور پھر اس نے ناک صاف کرتے ہوئے کہا "مسلمان۔۔۔ اس پر میونڈ نے اپنی مسلمانی کمل طور پر فسٹیبلس کرنے کے لئے کلہ سنایا اور آت اگری کا ورد کیا۔۔۔ بس یہ وہ ظلم تھا جس نے ہوشے کے تمام دروازے ہم پر کھول دیئے۔۔۔ سب لوگ بے دعڑک ہمارے پاس آئے گئے پیچے

یہ ہماری بستیوں سے الگ ہے ... اور یوں بھی ہوئے تو صرف آغاز ہے ان حرث ناک مناگر کا جوان بھورے پہاڑوں سے پرے شہر میں کو داریوں میں ہیں ...  
میں ایک پتھر لی دیوار کے ساتھ الگ کر کھڑی تھی، دیوار پر جستے بھی کپڑے سوچ رہے تھے سخ رنگ کے تھے۔ دروازے میں سے ایک ہوشیں لڑکی جھانکتی تھی اور شرا شرا کر میں کی طرف دیکھتی تھی اور میں اسے اپنے پاس بلاتی تھی اور آتی نہیں تھی۔

بیمار اور سلیوق "چوک" میں بیٹھے ایک نیلی سے بیانی سے باشیں کر رہے تھے۔ بیانی اونی دھاگے کا ایک گولا اپنے سر کے گرد اس طرح تھے جیسے کوپا گھماتے ہیں اور یوں وہ دھاگہ بٹ رہے تھے۔

میونڈ "کے نو شاپ ہوئے" کے بورڈ کے نیچے کھڑی اس پر لکھی عبارت پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی "خوش آمدید۔ کوہ پیائی کی موم کے لیے۔ ژینک پارٹی۔ کے نو شاپ ہوئے۔ کوہ پیائی کا سلامان۔ سیپیک بیک۔ خیسے وغیرہ یہاں کارے پر دستیاب ہیں۔ انگلش اور پاکستانی کھانے بھی ملتے ہیں"۔

ست علی شہر مان کی دیوار کے ساتھ نیک لگائے گئے سگرٹ پیتا تھا اور مکراتا تھا۔

ہماری آمد سے ہوئے میں جو ارتقاش پیدا ہوا تھا وہ ختم ہو کر نارمل ہو گیا تھا ... ہم اب اپنی نہ تھے ... ہمیں تی بھر کے دیکھنے کے بعد ہوئے کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں پھر سے مصروف ہو چکے تھے۔

اپر پہاڑوں میں سے ایک ہوڑا نیچے آیا۔ وہ بلیں کے رہنے والے تھے۔ لڑکی نے سر پر گھوڑی سی باندھ رکھی تھی اور شلوار قیض میں خوب لپی پہنائی تھی۔ لڑکا بھی صاف تھرے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ وہ دونوں جب لاہور میں بجھ سے ملتے کے لیے آئے تو اتنے اچھے نہ لگے ... وہ صرف وہیں اچھے لگتے تھے شہر کے پس مظاہر کے ساتھ ہوئے میں ...

ہر انسان کی ٹھیکیت میں اس کی اپنی لینڈ سیکپ "پس منظر اور آب وہوا بھی شامل ہوتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ شمال کے کسی دور افقارہ قبیلے یا وادی کے کمیں کو میں نے اپنا کارڈ دیا اور ان میں سے کوئی ایک بھگی لاہور میں میرے گھر تک بہنچ جاتا ہے اور مجھے یہ شہر تھر ہوتی ہے کہ وہاں میرے ڈرائیکٹ روم میں وہ کتنا معمولی سا انسان ہو جاتا ہے بلکہ انسان بھی خیس کوئی چیز کوئی نہ ہو جاتا ہے جو میرے

مزگشت کرنے والے نوجوانوں ایسا، "بال" ہوئے اور بڑی احتیاط سے چلتا میرے پاس آیا اور بڑی بے احتیاط سے بولا "آپ لاہور میں گلبرگ کی فردوں مارکیٹ کے قریب رہے ہیں تاں؟ میں نے آپ کو وہاں دیکھا ہے ... میں بھی وہیں اپنے بھائی کے پاس رہتا ہوں اور انگلش میڈیم سکول میں پڑھتا ہوں"۔

چا تیرا سیتاہاں ہو جائے ... میں نے دانت پیتے ہوئے زیرِ لب کما۔ اس نوجوان نے اس بلند اور دشوار راستے والی غیر معروف وادی کے سارے سروں کو جاہ کر دیا تھا۔ یعنی ہم بقول کے مارو مار کرتے ہوئے جا پہنچتے ہیں اور وہاں ہمیں لاہور کے ہمالے مل جاتے ہیں ... بسراخاں میں نے اس نوجوان کا دل رکھنے کی خاطر اس کے لباس کی تعریف کی اور رخصت کر دیا۔ ہم گاؤں سے نکل کر تھوڑی دور تک ان گنڈے یہوں پر گئے جو اپر جاتی تھیں ... کھیت میں کام کرنے والی ایک خورت میونڈ سے باشیں کرنے گئی "میرا رنگ بھی تمہارے جیسا ہے ... میرے پاس صابن ہوتا تو میں بھی منہ ہاتھ دھوتی ... نیچے سے آئی ہو؟ سنا ہے سکرود بہت بڑا شر ہے ... خیس میں تو بھی ہوئے سے نیچے خیس گئی ہاں اپر جاتی ہوں گھاس کاٹنے کے لیے ... یہ تینوں پیچے تمہارے ہیں؟ اتنے بڑے بڑے ہو گئے ہیں تو ان کا شادی کیوں نہیں ہایا ...؟"

بھستان میں نہایت کم عمری میں شادی کر دی جاتی ہے اور بھیوں کے لیے یہ بات پاکیت حیرت تھی کہ اتنے بڑے بڑے بچوں کی بھی شادی کیوں نہیں ہاتی ... بھلا پسلے ماں باپ تو شادی اچھی طرح بنالیں پھر بچوں کو بھی دیکھا جائے گا۔

ہوئے روائی میتوں میں ایک خوبصورت گاؤں خیس ہے ... پچھوں کی چند دیواریں "کوٹھریاں" ایک ہوٹل "وو دکانیں جو بند رہتی ہیں حالانکہ ان کے دروازوں پر "چوہیں گھنے کھلی رہتی ہے" لکھا ہوتا ہے، ایک خفتر سا سر بر زرقہ اور ان سے پرے دو نیک پہاڑ جن میں سے شہر میں کی چوٹی دکھائی تو رہتی ہے لیکن یہ منظر بھی دل میں گامیں اتراتیں ... اور ہاں پتھر کے نالے کے لوگوں کی طرح خوفزدہ اور دروازوں کے پیچے پوشیدہ ہوتے ہوئے امبل ہوئے جن کے لباس کی میونڈ میں رکھنے کے لائق ہیں ...

تو پھر جو لوگ ہوئے کو دیکھتے ہیں اور اسے ہوش رہا کتے ہیں اور بار بار یہاں واپس آتے ہیں وہ یہاں کیا دیکھتے ہیں؟ ... شاکری یہ موجودہ وقت سے پسلے کا گاؤں ہے، یہاں جو ہوا ہے اسے بیسویں صدی کی ہوا نہیں گئی، ہوئے انسانی تنہیب کی آخری حد سے ذرا آگے ہے ... اور اسی لئے یہاں آکر کچھ کھراہٹ سی محسوس ہوتی ہے کہ

## "وادیٰ شگر"

وہاں خلک بھوری چٹانوں پر دھوپ تابنے کی طرح لمحتی ہو کر ڈھنی تھی اور بڑے بڑے پھرلوں اور خلک گھاس اور جھاڑیوں پر پسلے تھی اب نہیں تھی لیکن اس کی بھلی سی روشنی ابھی ان رہاتی تھی۔ دھوپ ڈھنی تھی لیکن بلند ہوتی تھی۔  
ہماری جیپ وادیٰ شگر کے راستے پر تھی۔

ہم دریائے مندھ کو عبور کر کے دوسری جانب ایک لق و دلق صحرائی لینڈ سیکپ میں پکھو دی سڑکتے رہے اور اس پر ہمیں کسی عظیم صحراء کا شاہزادہ ہوا لیکن رست کے یہ نئیے جیپ کے ٹاؤن تسلی بہت دیر تھک نہ رہے اور ہم خلک پھرلوں میں اٹھتی ایک سڑک پر آگئے۔ میں حسب عادت کمرنگی سے باہر "منظر" کو دیکھ رہا تھا اور وہاں بھوری چٹانوں پر دھوپ ڈھنی تھی اور اس کی زردی میں سیاہی گھنٹی تھی۔ اور ان چٹانوں کو میں دیکھتا رہا اور پھر میں نے اپنی سانس روک کر غور سے دیکھا کہ ان چٹانوں میں وہاں جماں سے دھوپ جگہ چھوڑ رہی تھی وہاں چٹانوں کی چٹانوں کے آس پاس دھوپ میں بھی اور سائے میں بھی کوئی شے حرکت میں تھی۔ ایسی حرکت جو شارپ فوس کی اس ڈھنی دھوپ کی بھوری تصویر کو آؤٹ آف فوس کر رہی تھی۔ اور اس شے کا رنگ ذرا الگ ہوا اور وہ بھی بھورے رنگ کی چٹانوں ایسی.... اور ایک نہ تھی.... اور وہاں یکدم زندگی تھی۔

"عبایی جیپ روک دو۔۔۔" میں نے ذرا آگے ہو کر سرگوشی کی۔  
جیپ روک گئی۔ ہم سب باہر آگئے

"وہاں چٹانوں کے قریب۔۔۔" میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔۔۔  
کمال؟ کمال۔۔۔ سب کی نظریں بھوری لینڈ سیکپ پر سڑکتی تھیں۔

صوفے پر پڑی ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنی لینڈ سیکپ سے نکل کر باہر آ جاتا ہے، اپنے پس منظر کے بغیر ہوتا ہے۔۔۔ وہاں نیزی میدوں میں رائے کوٹ گلیشیز کے اوپر ایک کچے خلڑاں کی راستے پر پھونک پھونک کر قدم رکھنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔۔۔ وادیٰ روپل میں خلک شام میں پھرلوں کے ایک گھیٹ کے کنارے چباتیاں ہانے والا شخص کوئی اور ہوتا ہے۔۔۔ نالگا پریت کے نیچے ہاپ میدان کی وسعت میں مجھے چائے کا ایک پیلا تھاہا ہوا پورا بس دیں اچھا لگتا ہے۔۔۔ اپنے پس منظر میں اپنی ہوا اور اپنی لینڈ سیکپ میں۔

ہمیں علم نہ تھا کہ ہوئے میں شب ببری کے لئے اب ایک عدو ہوٹل قیصر ہو چکا ہے اور اگر ہم رات ٹھرنتے کا ارادہ کر لیں تو تم از کم اس کے ڈائیکٹ روم میں چکھے سینپک بیک ڈائل بائیکے ہیں۔۔۔ ہمیں علم ہوتا تو ہم ہوئے میں ضرور ایک رات بر کرتے۔۔۔

کیرس میں میر ساحب کے ہم سے چار کروہ کھانا ہوا تھا۔

سکردو میں بھی اطلاع ہو چکی تھی کہ ہم آج شام تک ہنچی جائیں گے۔۔۔ اور اگر ہم نہیں فٹپٹھتے۔۔۔ تو جیسا کہ یہاں کا دستور ہے آپ کی جیپ کی ٹھاٹش شروع ہو جاتی ہے۔۔۔ ہمیں ہوئے سے جانا ہے۔

مت علی ہمیں تارہ تھا کہ ماپلو کے آگے سڑک ایک دریا میں سے گذرتی ہے۔۔۔ اور شنیدہ ہے کہ اس میں ان دونوں پانی نیزادہ ہو جاتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو ہمیں پلہ والیں جا کر پھر سکردو جانا پڑے گا۔۔۔

ٹھر برم کی ہرف پسلے ہماری ونڈ سکرین میں دکھائی دیتی تھی اور اپ دو پاچو کے متعین شیئے میں سے نظر آتی تھی کیونکہ ہم ہوئے سے نکل رہے تھے۔

ارٹی گھاس اور بڑے پھرلوں والا راست اب سائے میں آپکا تھا اور وہاں خلکی تھی۔۔۔ ونڈ سکرین پر بلند گھاس کے سرہنزاں پر ٹھاں ہو کر بننے پلے جاتے تھے۔۔۔ بلندیوں کی سرہ مک تجز ہو رہی تھی۔۔۔

ایک طویل سڑک کے بعد ہم ایک کچے راستے سے بیچے اتر رہے تھے، بیچے دریائے شیوک پر ایک پل قابس کے دوسری جانب سکردو جانے والی سڑک تھی۔۔۔ ہم پل کے پار ہوئے اور سکردو روڈ پر آئے وہاں جدم سے ہم آئے تھے اور ہم ایک سنگ سیل پر لکھا تھا۔۔۔ ہوئے ۷۷ کلو میٹر۔

دن کے سفر کے بعد دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔  
شہر سے آگئے داؤ ہے اور اس سے پرے اٹکوں کا خوبصورت گاؤں ہے۔ فی  
الحال وہاں تک جیپ شیں جاتی۔  
بھورے پہاڑ زیادہ بلند تھے۔ راستہ ہمارا ہو گیا۔  
پہاڑوں کے دوسری جانب نیچے وادی شہر دکھائی دی۔ عبایی نے جیپ روک دی۔

"تاریخیں یہاں آپ دیکھیں بھی اور سنیں بھی۔"

اور یہاں ہم ڈھلنی شام کے سائے میں تھے اور نیچے بست نیچے دریائے شہر پھیلا ہوا تھا اور وہاں سے اس کے بہاؤ کا شور سفر کرتا ہوا اپر ہم تک پہنچتا تھا تو مدھم سرسر اہٹ میں بدل جاتا تھا۔ لیکن لگن یوں تھا جیسے دریا کا پھیلاوہ غمرا ہوا ہے۔ ہر شے رکی ہوئی ہے۔ اور ہوا میں ایک گمرا سکون ہے۔

وادی شہر کے کھیت اور درخت سائے میں باجھ کتے تھے۔

نیچے دریا کے کنارے ایک گمرا تھا۔ اور ہم دیکھ کتے تھے کہ اس کے آس پاس دور دور تک کوئی آبادی نہ تھی۔ یہ وہی گمرا تھا جس کی ہر شخص کو تمنا ہوتی ہے اور وہ نہیں ملتا اور اگر مل جائے تو وہ اس میں رہ نہیں سکا کیونکہ وہ شر کے شور کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

جیپ نیچے اترنے لگی۔

وادی شہر کے کھیت پہ حد و سعی تھے۔ ریکرہ بھی دکھائی دیتے تھے۔  
ایک راستہ سیدھا داؤ کی جانب چلا گیا اور ہم رست ہاؤس کی جانب مڑ گئے۔  
اور شہر کا رست ہاؤس۔

دو کر کے۔ اترتی ہوئی شام۔ نالے کا شور اور اس نالے میں وہ پھر جن کے پارے میں ایک لاہوریے دوست نے کھاتا کہ جناب شہر کے دریا کے پتھر تو جہر نہ کر دیتے ہیں اور واقعی ان کے رنگ انوکھے تھے۔

اور اس رست ہاؤس کے بیرونی زار میں ایک غریب الوطن یا ج رجھکائے ہمیں دیکھتا تھا اور شکایت بھری نظروں سے دیکھتا تھا کیونکہ ہماری آمد سے پہلے رست ہاؤس کے ایک کمرے میں مقیم تھا، سارا دن خوبیاں کھاتا تھا اور رات کو لائیں کی روشنی میں فرانسیسی شاعری پڑھتا تھا۔ فرانسیسی اس لیے کہ وہ خود فرانسیسی تھا۔ اور اب رست ہاؤس کے چکیدار نے اسے نکال باہر کیا تھا کہ سکردو سے صاحب

"وہاں ابو... " عینی نے ذرا بلند آواز سے کما اور گردن پیچی کر کے سلیوق کو کہنے لگی "بھائی جان چھ ہیں۔"  
سیمر نے ان کو دیکھ لیا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھا، اس کی جیہت اس کے یوں ہے تھی۔ وہ چھ شاندار بھورے اڑیاں تھے اور ڈھلنی دھوپ میں یوں ساکت کھڑے تھے میسے وہ کسی قسم دیوالائی یادگار کے لئے تراشے گئے ہوں۔ انہی پتوں سے جوان کے آس پاس تھے۔

ہمیں معلوم تھا کہ ہماری ذرا سی حرکت سے وہ چوکتے ہو جائیں گے۔

اس دسجع لینڈ سیکپ میں صرف ڈھلنی دھوپ تھی، ایک پہاڑی راست تھا اس پر ایک جیپ تھی اور جیپ کے مسافت تھے اور ان سے تھوڑی دور بلندی پر چھ اڑیاں تھے اور یہ ساری تصویر فی الحال تکمل طور پر ووکس میں تھی اور اسے بہر طور جلد ہی آؤٹ آف ووکس ہونا تھا اور ہم نے طے کر لیا تھا کہ کم از کم ہم اس تصویر کو آؤٹ آف ووکس نہیں کریں گے اور ہم آنکھیں بست دیر کے بعد جھکتے تھے۔

جانور اپنے قدرتی ماحول میں کھانا شاندار اور اور بیکن لگاتا ہے اس کا احساس پلی مرتب ہوا۔

اور پھر ہم میں سے کسی کے کھانے کی آواز ان تک پہنچی۔ انہوں نے فوراً ہماری جانب گرد نیں گھمائیں اور پھر کچھ دیر کے لئے اسی جیہت سے ہمیں دیکھا جس جیہت سے تم اپنیں دیکھتے تھے اور پھر انہوں نے چند فلاپنچیں بھریں اور چٹائیں اور بھوری گھاس خالی ہو گئی۔

"چیزیں؟" عبایی نے کہا۔ "وہ تو چلے گے"

"یہ تمara خیال ہے۔ وہ بیسیں ہیں ہمارے پاس اور رہیں گے۔"

جیپ ایک مرتب پھر راستے پر بلند ہونے لگی۔

وادی شہر سکردو سے زیادہ دور نہیں ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ دریائے سندھ کے دوسری جانب جو پہاڑ ہیں ان کے سائے میں شہر ہے۔ اور یہ وہی راستہ ہے جو کے نو کے میں جیپ تک جاتا ہے اور اگر موسم خراب نہ ہو تو آپ پہندرہ دن کے سفر کے بعد پہاڑوں کے اس اہرام کو دیکھ لیتے ہیں۔ ایک بزرگ محقق نے شمالی علاقہ جات پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ شہر سے انہوں نے کے نو پہاڑ کے نکارے کے اور اس برپوشاں چونی کو پہ قفس نہیں دیکھا۔ بزرگ محقق کی عقائد نظروں نے اس نکارے کو شہر سے ہی دیکھ لیا جو عموم الناس کو پہندرہ

"کیوں؟" سیر کرا رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا لیکن میں نے ایسا کشڑا ساری عمر نہیں کھایا۔ مژتع کشڑا!"  
معلوم ہوا کہ فرائیسی کئی روز سے اس ریست ہاؤس میں مقیم ہے اور چوکیدار  
اسے طرح طرح کے "اگر بڑی" کھاتے ہا کر کھلاتا رہتا ہے۔ آج اس نے اسے  
خصومی کشڑا ہا کر کھلایا تھا جو بقول اس کے تمام اگر بڑی لوگ اور امریکی لوگ بت  
شوق سے کھاتے ہیں اور جب بھی نہیں اور ہر سے ادھر کی طرف جاتی ہیں تو وہ سب  
صرف شگر ریست ہاؤس کے چوکیدار کے ہاتھوں کا بنا یا ہوا کشڑا کھاتے کے لیے اور  
رک جاتے ہیں۔

"چوکیدار نے کہا تھا کہ یہ قروٹ کشڑا ہے لیکن یہ صرف مژتع کشڑا ہے۔"  
اس نے سر ہالا یا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چوکیدار سراسر ایک پرائیویٹ ٹریکپ کے  
تحت کشڑا ہاتا ہے یعنی پانی میں آگھول کر اس میں تھوڑی سی چینی ملاتا ہے اور پھر  
اسے ایساں کر قروٹ کشڑا کے طور پر پیش کر دتا ہے۔  
تالے کے شور کے پار ہو رات پر سکون گزرنی اور گرمی خند میں گزرنی۔۔۔ لیکن  
اس گرمی اور پر سکون خند میں بھی ڈھنی شام میں بھوری چنانوں میں وہ چھوٹے نظر  
آئے۔ لیکن وہ حرکت نہیں کرتے تھے، پتھر ہو پکے تھے۔ "میرے ساتھ ہی پڑے  
آئے تھے لیکن پتھر ہو پکے تھے۔"

اس غھنٹک والی صحیح میں ٹھر کے بازار کے پیس مخازن میں سفیدے کے درخت  
بلند ہوتے تھے اور ان کے عقب میں پہاڑ تھے اور ان پر کہیں کہیں برف تھی۔  
ہمارے ساتھ محمد حسن قانون گو تھے۔ مقامی تحقیق اور لوک دستاویز کی پی  
ذات خود ایک داستان۔۔۔ تومند جنم، پاریش اور بارع۔۔۔ ہمگنگوے کے بختیانی  
بھائی لگتے تھے۔ فدا حسین خود مقدمے پختانے میں نصروف تھے اس لیے محمد حسن آج  
کے دن کے لیے ہمارے گاہڑ تھے۔  
ٹھر کی سہیشیلی یہاں کا زہر موہرہ پتھر ہے جس سے تراشیدہ پوائے، انگوٹھیاں  
اور چھوٹے چھوٹے کھلوٹے بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔  
"یہ زہر موہرہ پتھر کماں سے ملتا ہے؟" میں نے ایک دوکاندار سے پوچھا۔  
"تماپ پ سے۔۔۔ اس نے کہا۔  
"اوپر کمال سے؟"

آرہے ہیں اور بکگ کروا کے آرہے ہیں لیکن تم ٹھر نہ کو جب وہ اپنے کروں میں  
سو جائیں گے تو میں ڈرائیک روم کے صوفے پر جیسیں بستر ہنا دوں گا۔ لاٹین پاس  
رکھ دوں گا اور تم فرائیسی شاعری پڑھتے رہتا۔

سلیوق نے اپنی فرائیسی کے چند فقرے اس پر آنائے اور پھر ہاک چھا کر کئے  
گا۔ فضول سا فرائیسی ہے خود اپنی زبان بھی نہیں سمجھتا۔

سیر نے اس پر "یو فریڈی فریڈی آنائی اور دونوں فرفر گھنکو  
کرنے لگے۔ میونہ اور بخنی ٹھر نالے کے کنارے ایک پتھر پر بر اجنب حجیں اور  
میرے بلاں پر بمشکل متوج ہوتیں اور بہروں کی طرح خوش دل سے مکرانے لگتیں  
کیونکہ ان تک میری آواز نہیں پہنچتی تھی، وہاں جمال وہ حجیں صرف پانی کا شور تھا۔

عبادی کروں کا معافانہ کر رہا تھا اور چوکیدار کے ساتھ ڈاکرات کر رہا تھا۔  
وادی ٹھر زرا اوس اور بندی کی لگتی تھی۔ جیسے اس میں بھید بہت ہوں۔

عبادی چوکیدار کے ہمراہ میرے پاس آیا "تارڑ بھائی یہ کہتا ہے کہ استنش  
کشزدا حسین دو مرتبہ آچکے ہیں اور آپ کے لیے پیغام دے کر گئے ہیں کہ۔۔۔"

دو برس پیش جب میں خان اور نظاہی کے ہمراہ پہلی بار بختیان آیا تھا تو خواجہ  
مرواد کے حوالے سے فدا حسین سے چلوٹیں ملاقات ہوئی تھی اور وہ ان دونوں چلوٹیں  
کے اے سی تھے۔ میں انہیں اپنی آمد کے بارے میں سکردو سے اطلاع دے چکا تھا۔

رات کا کھانا ان کے ہاں تھا اور بھی مہمان نوازی کی روایات کی پاسداری کے  
ساتھ تھا۔ ٹھر کی خوبائیوں کا ذائقہ بے حد شاندار تھا۔

وادی پر اگرچہ سلیوق کے ہاتھ میں ٹارچ تھی لیکن وہ اس کی روشنی راستے کی  
بجائے درختوں اور پرانے مکانوں پر رکھا تھا اور ہم ٹھوکریں کھاتے چلتے تھے۔ چوک  
کے قریب سکونوں کا ایک دریاں گور دوارہ تھا۔

ریست ہاؤس کے برآمدے میں فرائیسی سیاح لاٹین کی روشنی میں کچھ کھانے  
کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ ایک بڑے سے پیالے میں کوئی ہامعلوم محلول تھا جس کا چیپ  
بھر کر وہ منہ میں ڈالا اور پھر دری ملک اس کے ذائقے پر بڑی سمجھی دلی سے غور کرتا۔۔۔  
ہمیں دیکھ کر وہ بلا وجہ شرمende ہوا اور کہنے لگا "میں کشڑا کھا رہا ہوں۔۔۔"

"اس کا ذائقہ کیسا ہے؟" سلیوق نے پوچھا۔  
اس نے پھر ایک چیپ محلوں منہ میں ڈالا اور پھر منہ ہنا کر نہایت ٹکرا گئیز لیے  
میں بولا "مژتع کشڑا۔۔۔"

"اور جب چار کی عمر پانچ سو برس سے تجاوز کر جاتی ہے تو اس میں الگ  
ہے۔" حسن صاحب داڑھی میں انگلیوں سے سکھی کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ہم نے یہ تو سن تھا بلکہ کسی حد تک مشاہدہ بھی کیا ہے کہ خدا میں چار چوں  
کی سرفی اتنی تجزیہ ہوتی ہے کہ الگ کام ہوتا ہے لیکن کیا مجھ میں؟"  
"میں بالکل۔" حسن کہنے لگے "میں ابھی مسجد کے راستے میں آپ کو ایک  
چار دکھاؤں گا جس میں الگ ہوئی ہے۔"  
اور مسجد کے راستے میں وہ چار تھا۔ اس کی شنبیاں سوکھے بچھی تھیں اور پتے  
پڑھوہ تھے اور عاً کھوکھلا ہوا تھا۔ حسن صاحب نے اس کے تنے میں جھکانا کا اور کنے  
گئے "خود دیکھ لجئے۔"  
تنے کے اندر لکڑی کو گھن لگ چکا تھا اور وہ مردہ تھی۔ "الگ کمال ہے؟"  
میں نے پوچھا۔

"میں گھن جو گلتا ہے جس کی وجہ سے چار مر جاتا ہے اس کو الگ لگائی کہتے  
ہیں۔ اور یہ قدرت کی طرف سے ہوتا ہے کہ پانچ سو برس کی عمر کے بعد چار مر جاتا  
ہے۔"

دھوپ تیز تھی اور راستوں میں دھول تھی لیکن اس دھوپ اور دھول میں گری  
کی بے چینی نہ تھی بلکہ محضہ کاشاپ تھا۔

ایک چھوٹرے پر سانحورہ لکڑی کی قدیم آرائش میں گارے اور چھوٹوں کا ایک  
بڑا چوکر کرہ، اس میں خوشما لیکن موسوں کی شدت سے اپنے گل بونوں سے خالی  
لکڑی کی چوکر کھڑکیاں، ایک کونے میں ایک جھجھے کے آثار، ایک چندہ بکس اور اس  
کے اوپر پورا "چندہ بکس برائے مرمت مسجد"۔ اور یہ سب کچھ تیز دھوپ میں۔

اور یہ سمار ہوتی مسجد بختستان کی قدیم ترین مسجدوں میں سے ہے اور صرف  
چند ہزار روپے سے اس کی مرمت ہو سکتی ہے یہ مخفی ہو سکتی ہے۔

پرانا دروازہ گیا تو اس کی جگہ ایک نیا گور دروازہ تو لگ گیا۔ لیکن باقی  
مارت سے الگ اور بے جوڑ۔

ہم سب جوتے اتار کر اندر چلے گئے۔ سکھی قدیم؟ پانچ سو برس۔ تو جتنی عمر  
چار کی کیا اتنی ہی مسجد کی ہوئی چاہئے۔ اس مسجد کی لکڑی کوچ مجھ گھن لگ چکا ہے۔

"اوپر دہاں سے۔" اس نے اوپر اشارہ کیا۔  
"آپ بتائیں حسن صاحب؟"

حسن صاحب کہنے لگے "بس یہ اوپر سے ہی ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دشوار گزار  
راستے ہیں پر خطر چنانیں ہیں اور دہاں کیسی یہ ملتا ہے اور جس کسی کو ملتا ہے وہ بتاتا  
نہیں تو بس یہ اوپر سے ہی ملتا ہے۔"

بازار کے قریب نالے کے پار ٹھگر کی مشور خانقاہ تھی۔  
تبتی طرز تعمیر کی یہ عظیم خانقاہ صرف اس لئے دکھائی دیتی ہے جب آپ اس  
کے پر ٹھگوہ چاروں کے پاس سے گزر کر اس کے قدموں میں وکھنے ہیں اور تب آپ کو  
احساس ہوتا ہے کہ یہ شاہکار عمارت کتنی بلند اور کتنی پروگار ہے۔ کہتے جگل اس کی  
تعمیر میں کام آئے ہوں گے، کہتے پر فیبت درخنوں کے دیوبیکل تھے اس کے ستون بن  
کر کھڑے ہیں، اور سیکھوں رسول سے کتنے لاکھوں لوگ اس کے پاکیزہ ٹھراڈ میں  
اس کے فرش پر بھے ہوں گے۔ کیرس۔ پنلو اور ٹھگر کی ان عظیم خانقاہوں کا بیان  
ممکن نہیں لیکن یہ عبادت گاہیں صداقت اور اپنی منزو کو متانی خوبصورتی میں پاہشائی  
مسجد لاہور اور مسجد قطبہ سے کم نہیں۔ تقدس صرف شان و شوکت سے ہی ظاہر  
نہیں ہوتا بلکہ اس کا پیان وہ احساس ہے جو کسی عبادت گاہ میں داخل ہوتے ہوئے  
آپ کے روم روم میں پھوٹتا ہے۔

اس کے گھن میں وہ عالی شان چار ہیں جنہیں اس خانقاہ کے ساتھ قوی و رشد  
قرار دیا چاہئے لیکن ایسا کون کرے، کوئی سکردو آئے اور پھر ٹھگر آئے تو ایسا  
کرے۔ میں ایک مرتبہ پھر ان چاروں کی وجہت اور بلندی کو بیان کرنے سے قامر  
ہوں۔ یہ قدرت کا شاہکار ہیں۔ میں دوبارہ صرف ان چاروں کو دیکھنے کے لیے ٹھگر جا  
سکتا ہوں۔

"ان چاروں کی عمر کیا ہوگی حسن صاحب؟"  
"تفیریا پانچ سو برس۔"

کسی قدیم عمارت کو دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہ اس کے درودیوار نے تاریخ کے کیے  
کیے ادوار دیکھے ہوں گے جب کہ سُنک و خشت دیکھے نہیں سکتے، البتہ درخت دیکھتے  
ہیں کہ وہ زندہ ہوتے ہیں، اور چار کے پتے تو غریب میں حتیٰ تھیلیوں کی طرح سرخ  
ہوتے ہیں تو ٹھگر کے ان شاندار چاروں نے کیا کیا نہ دیکھا ہو گا۔

میں نے ایک جھر جھری لی اور سیرا ہاتھ تھام لیا "کیا جسچ میں اب تو؟"  
 "ہاں بیٹیں۔" حسن صاحب بولے "یہ علاقے تمام دنیا سے کئے ہوئے تھے  
 یہاں بہت علم ہوئے اگرچہ یہ ایک لوگ کمائی ہے لیکن... وہ راجہ ایسے ہی تھے  
 اور پھر دیکھ لو ان خالم راجاوں کی قبور کے نشان بھی باقی نہیں۔"  
 حسن صاحب نے ہتایا کہ پرانے وقتوں میں یہاں راجہ کا مقبرہ تھا۔ اور جب  
 مقبرہ ڈھنے گیا تو لوگ اس کے پتھر اٹھا کر لے گئے۔ اور باقی بس یہی ایک پتھر ہے۔  
 "زوراً اور پیکھیں۔"

ہم سب نے نیات فرمائی داری سے اور دیکھا۔ خلک پھاؤ جو ہم پر جگے ہوئے  
 تھے اور تیز دھوپ میں تھے۔

"وہاں بلندی پر جو دیواروں کے آثار ہیں یہ شتر کا قلعہ تھا اور اس کے ساتھ  
 راجہ کا محل تھا۔ یہاں جہاں ہم کھڑے ہیں جو علیا کا اجتماع ہوتا اور سب لوگ اور پھاؤ  
 کی طرف دیکھتے جہاں محل تھا اور وہاں سے راجہ اترتا تھا۔ کیسے اترتا تھا؟ محل سے  
 لے کر یہاں تک بکری کے بالوں کا ایک موڑا رس باندھا کیا تھا۔ راجہ ایک ڈولی میں  
 سوار ہوتا اور اس ڈولی کے اوپر ایک کنڈا لگا ہوتا یعنی ایک ٹک۔ اور اس ٹک کو  
 رستے کے اوپر لگا دیا جاتا اور راجہ صاحب کی ڈولی بڑی تیز رفتاری سے یونچے یہاں تک  
 آ جاتی۔ راجہ اپنی رعایا کی شکائیں سنتا اور پھر اسی ڈولی کے ذریعے واپس اپنے محل  
 میں چلا جاتا۔"

اس میں ایک بہت اہم سوال ہے انکل حسن۔ "سلیمان نے عینک درست  
 کر کے اور اس چوپی کو دیکھا جہاں محل کے آثار تھے۔" یہ تو درست ہے کہ راجہ  
 صاحب ڈولی میں سوار ہو کر رستے پر ٹک لگا کر پھٹنے ہوئے یونچے آ جاتے تھے لیکن وہ  
 یہاں سے بلندی کی طرف خود بخود کیسے ٹلے جاتے تھے؟"

"بیٹھے آپ نے شاکر کیسیں بختستان یا ہنڑے کے علاقے میں دریاؤں اور ندیوں پر  
 بننے ہوئے "جھولا برجن" دیکھے ہوں؟ یعنی دریا کے اوپر ایک رس اور اس کے ساتھ  
 لکھا ہوا ایک جھولا جس پر دو شخص بیٹھنے سکتے ہیں اور پھر وہ اپنے آپ کو جھلاتے ہوئے  
 پار ٹلے جاتے ہیں۔ یا پھر ایک جانب کنارے پر بیٹھا ہوا شخص اس جھولے کے ساتھ  
 بندھے ہوئے رہے کو کھینچ کر اسے چلا آتا ہے۔—بس یہی سُنم یہاں بھی راجح تھا۔  
 جب راجہ صاحب رعایا سے فارغ ہو جاتے تو اور محل میں خفتر ان کے کارندے اس

اور یہ صرف چند برس تک ہی دکھائی دے گی۔ کھڑکی کی سل پر ایک بڑی ساری  
 چھوڑی دھری تھی جس میں سے بھورے کافی دکھائی دیتے تھے۔ یہ ہاتھ سے لکھے  
 ہوئے قرآن پاک کے اوراق تھے جو لوگ مسجد میں رکھے جاتے تھے۔ ہم نے حسن  
 صاحب کی اجازت سے ان میں سے چند اور اس بطور تحریک چن لئے۔

مسجد کے سامنے پرانی لکڑی کا ایک ڈھانچہ تھا جس کے شہتیر گرے ہوئے تھے  
 اور ڈھانچے کے درمیان میں زینن دھنی ہوئی تھی اور اس میں بھی لکڑی کے ٹکڑے  
 اور شہتیر گرے ہوئے تھے۔

"یہ ایک مسلمان بزرگ کی قبر ہے۔" حسن صاحب نے قریحی درست  
 کے سامنے میں ہو کر چھرے سے بھیند پوچھا۔ "اب ڈھنے چکی ہے، آپ اگر اندر جا کر  
 اس گزے میں جا گئیں تو شاکر بزرگ بھی نظر آ جائیں۔"

یہاں بھی دھوپ تھی اور کسی قسم متبرے کا ڈھانچہ تھا، صرف شہتیر ہے کے  
 تھے اور قبر کی جھوپ میز پہلی ٹھیل باقی تھی اور یقیناً بزرگ کے آثار بھی جا گئے سے شاکر  
 دکھائی دے جاتے۔

"یہ بزرگ پسلے ایک بدھ راہب تھے۔ ان کا نام شریف زانگ پا تھا اور وہ  
 پورے لداخ اور تبت میں اپنی پارسائی اور سیکی کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ کما جاتا  
 ہے کہ وہ ہر دوست "یاستو" کی تبعیع کیا کرتے تھے جو بدھ تدبیب کا کوئی منزہ ہے اور  
 ایک روز کیا ہوا کہ ان کی زبان سے "یاستو" کی بجائے "یاصد" جاری ہو گیا۔ اور اسی  
 شب انسیں خواب میں رسول کریمؐ کی زیارت ہوئی اور انسیں ہتایا گیا کہ شتر میں ایک  
 مسلمان ولی اللہ تشریف لائیں گے اور تم ان کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیں۔ چند روز  
 بعد سید علی ہمدانی شتر تشریف لائے اور اس بدھ راہب نے ان کی خدمت میں حاضر  
 ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس قبول کے بعد ان کی پارسائی اور سیکی میں اشافہ ہوا اور وہ  
 ایک مسلمان بزرگ کی میثیت سے پورے علاقے میں عنزت کی نگاہ سے دیکھے جانے  
 لگے۔ یہ ان کی قبر ہے۔"

شتر کے اتنے بڑے بزرگ کی قبر کا کوئی پر سان حال نہیں۔

"اور یہ پتھر۔" حسن صاحب جس پتھر پر ایک پاؤں رکھ کر کھڑے تھے اسے  
 جھک کر چھوٹے ہوئے بولے "یہ پتھر بھی قبر ہے۔ ایک ایسے راجہ کی جو رعایا کے  
 پکوں کو کھا جایا کرتا تھا۔"

شادی کرنے پر رضامند نہیں تھی چنانچہ وہ اپنے ایک بزرگ استاد کے پاس گئی جس نے اسے ایک وظیفہ بتایا۔

اوہر لد افی راجہ کی بارات آئی۔  
”راجہ کی آئئے گی بارات۔۔۔؟“

”ہاں ٹھنڈی بی بی اوہ راجہ کی بارات آئی۔ اوہر وہ شزادی مسلط تھی اور بھروسے میں چلی گئی۔ جب بست دیر تک نہ اٹھی تو سیلیاں اس کے قریب کھیں تو وہ“

”مرچکی تھی۔۔۔ ٹھنڈی فوراً بولی۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ غائب ہو چکی تھی اور وہاں صرف اس کا سرخ جوڑا اور زیور پڑے ہوئے تھے۔ اور اب یہ شزادی ٹھکر آتی رہتی ہے۔ جب کہیں شادی ہوتی ہے تو وہ سرخ جوڑے میں دکھائی دیتی ہے ہنسی ہوئی اور جب کہیں کوئی فوجیتی ہوتی ہے تو وہ روتنی ہوئی آتی ہے۔۔۔“

”حسن صاحب آپ نے کبھی اس شزادی کو دیکھا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نے تو نہیں لیکن کمی اپنے بزرگ ہیں جنہوں نے اسے دیکھا۔۔۔“  
”آخری مرتبہ کب نظر آتی تھی؟“

”لقریباً وہ بارہ برس پہنچتے۔۔۔“

”خدا کرے آج تو نہ آئے۔۔۔ اور کل ہم ٹپے جائیں گے۔۔۔ یعنی ذرا ڈری ہوئی تھی۔۔۔“

”اور اب ہم ٹھکر کا کونا قتل دید مقام دیکھیں گے؟“ سیرنے پوچھا۔

”اب ہم وہ پتھر دیکھیں گے جو پریاں اٹھا کر لائی تھیں۔۔۔“  
”چیز کی پریاں؟“ یعنی پتھر بول اٹھی۔

”یہ ایک یوقوف پنچی ہے۔۔۔“ سلوق نے من دوسری جانب کر کے انگلی میں کی کچنی کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”نہیں تھی یہ ایک یوقوف پنچی ہرگز نہیں ہے۔ ادم ملتان میں پریاں ہوتی ہیں، کیوں انکل۔۔۔“

”بالکل ہوتی ہیں۔۔۔“ حسن صاحب داڑھی پر ہاتھ پھر کر کوئے۔

”تم ایک خاموش سے ملے میں گئے اور قدم طرز کے پندر چھوٹے چھوٹے مکان“

رسے کو سمجھتے ہو ڈولی کے ساتھ بندھا ہوتا تھا اور یوں ڈولی اور راجہ صاحب اپر محل میں۔۔۔“

”یوں“ سیرنے سرہا۔۔۔ ”چیرنگ تھی اس نامے کی۔۔۔“

ٹھکر نے کے پار ایک نبڑا نی خانقاہ تھی اور اس کی چھت پر جنتی محل کا ایک ستارہ تھا۔ خانقاہ دیران تھی۔ ایک جھکا ہوا بیٹی آیا اور اس نے ہمیں کافر جان کر شور چھا دیا۔ حسن صاحب نے اسے تسلی دی لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی کوئکہ وہ بار پار چکلی بجا کر رقم کا مطالبہ کر رہا تھا اور ہم صرف اسے مکراہت دیتے تھے اور وہ کھاتھا کر یہ کافر ہیں میں اپنیں خانقاہ میں نہیں جانے دوں گا۔۔۔

خانقاہ چنانوں کے اپر آسمان کو ٹھنڈی بلندی کے میں نہیں تھی۔۔۔ اور اسی بلندی پر قدم محل اور دفاعی حصہ کے آثار تھے۔۔۔

محمد حسن گویا ٹھکر کے شہزادو تھے کہ ایک کملانِ قشم ہوتی اور وہ دوسری داستان شروع کر دیتے۔۔۔

”وہاں وہ شزادی رہتی تھی جو مرنے کے بعد اب بھی اہل ٹھکر کی خوشیوں میں شریک ہوتی ہے۔۔۔“

”مرنے کے بعد بھی؟“ یعنی کامنہ محل گیا۔

”امپا سیل“ سیرنے کندھے جھککے

محمد حسن کی شرقی داستان گو بورڑے کی طرح مکرانے ”لداخ“ کا پدھ راجہ ٹھکر کی مسلمان شزادی کے ساتھ شادی خواہش مند تھا چنانچہ وہ بارات لے کر یہاں پہنچ گیا۔ ٹھکر کا راجہ اس کا ماتحت تھا لیکن اس نے پس و پیش کی۔ لد افی راجہ نے دھمکی دی کہ اگر شزادی کی شادی اس کے ساتھ نہ کی گئی تو وہ ٹھکر کے محل کے ائمہ سے ایسٹ بجاوے گا۔۔۔

”پترے پتھر بجاوے گا چاہا جی۔۔۔“ سلوق نے سرہاتے ہوئے کہا ”یہاں ائمہ کمال۔۔۔“

”تو جناب۔۔۔ سلوق صاحب آپ چھ میں مت بولئے درنہ میں داستان بھول جاؤں گا۔۔۔“

”سوری انکل۔۔۔“

ظاہر ہے مسلمان شزادی لداخ کے ٹھنے اور چکلی داڑھی والے راجے سے

پہ بے کہ میں نے اس نسل کا کوئی جوان کیسی دیکھا۔ لگتا ہے جیسے یہ بابے کمی پیدا نہیں ہوتے بلکہ یکدم نمودار ہو جاتے ہیں۔۔۔ برعکس اس مغلول بابے کی آمد سے ہماری حکم دور ہو گئی۔ میں نے پیچوں کو واپس بلایا تو سیر کرنے لگا "ابو صرف ایک مرجب اور گدگدی کر لون ہی باہمی کو ۔۔۔"

"کر لو ۔۔۔"

وہ بھاگتا ہوا گیا اور باہمی کو گدگدی کی۔ باہمی اور زیادہ مکرانے لگے۔۔۔  
میں کا خیال تھا کہ ہمیں کم از کم ایک مغلول پیا کو سلا پھسلا کر لاہور لے جانا چاہئے۔۔۔ لیکن مجھے یعنی تھا کہ ایسے بیا لوگ شرکی ناخوش اور لائج بھری ہوا میں زیادہ دیر نہہ نہیں رہ سکتے۔۔۔

پہنچ بڑی مشکل سے باہمی سے اگ ہوئے۔ اور وہ اگ ہوئے تو بیگر جہاں پیا کو گدگدیاں کرنے لگا اور میں نے اسے ڈاٹا تو وہ بھی "سر" کہ کر پرسے ہو گیا۔  
ٹھر کے سب سے پرانے مکانوں کے چھتیں چھفت کی بلندی پر ہی ڈال لیتے ہیں۔  
بھی پستہ تد ہیں اس لیے اپنے مکانوں کی چھتیں چھفت کی بلندی پر ہی ڈال لیتے ہیں۔  
تاریک گھروں کے اندر رہائشی کو ٹھریاں تھیں جن میں شامکر پہنچتے شاہک مال موئیش تھے اور پھر گرم کمبل اور دریاں ہنانے کی کھنڈیاں تھیں۔  
ایک کھنڈی پر ایک چھوٹا سا خوفزدہ جولاہا جھکا ہوا تھا۔۔۔ اور کو ٹھری میں روشنی کے لیے صرف ایک سوراخ تھا۔ وہ ہمیں اپنا بھرمن کمبل دکھانے کے لیے آگیا۔ ایک کمی دیوار کے پیچے اس کے بوجہ میں جولاہی ہمیں دیکھتی تھی اور وہ اپنے خاوند سے بھی باشت بھر چھوٹی تھی۔۔۔

"فونو فونو ۔۔۔" میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بلایا اس کے سرخ اور پھولے ہوئے مسوڑوں میں صرف دوچار دانت باقی تھے۔ وہ اپنے چہرے کو ان ہاتھوں سے چھپاتی تھی جن سے وہ ابھی ابھی آٹا گوندہ رہی تھی۔  
خوفزدہ جولاہے نے کمبل بانو پر لٹکایا اور تصویر کے لیے تیار ہو گیا۔ جولاہی نے دانت نکال دیئے۔

رسٹ ہاؤس واپسی پر ہم ایک کو ٹھری نما مسجد کے قریب سے گزرے۔ کمی دیوار کے ساتھ نیک لگائے دو تین مغلول بابے۔ پند بوجہ میں عورتیں اور ایک دو تو جوان ۔۔۔ خست حال اور مٹی سے اٹے ہوئے۔ ایک دور دراز وادی میں بدلائی اور عربت میں

دیکھے۔ کھڑکیاں کشیری طرز کی تھیں اور ان کے فریم دیواروں سے الگ ہونے کو تھے۔ میں پر وہ تمدن چار پتھر تھے جنہیں پریاں اٹھا کر لائی تھیں۔

"بڑے نور آور لوگ باہر سے بھی آئے اور ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکے۔" سن صاحب سلوق کو دیکھتے ہوئے مکرانے "میں لے تو ہم کہتے ہیں کہ انہیں پریاں لائی تھیں۔۔۔"

جہاں نے ایک پتھر کو جک کر چھوا، تھوڑی دیر جھکا رہا اور پھر ارادہ ملتی کر دیا۔۔۔

"ابو وہ پھر آگیا۔۔۔" میں خستی ہوئی میرا بازو تھام کر بلکہ جنمبوڑ کرنے لگی  
"ایک اور آگیا۔۔۔"

"ہاں ابو وہی ہے۔۔۔" سیر کی باچھیں محل ٹھیک اور سلوق بھی سرہلاتا مکرانا تو اور ہر دیکھنے لگا چدھروہ تھا۔

اور وہ جب بھی دکھائی دیتا انتشار کا باعث بنتا۔ جو کچھ ہو رہا ہوتا وہ چھپت ہو جاتا۔  
مختکر کا سلسلہ نوٹ کر کہیں اور چلا جاتا اور ہم سب صرف اس کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ وہ سکردو میں کم ملتا ہے۔ جوں ہوں آپ سکردو سے دور ہوتے ہیں اور ہندوک کے جھلی والیزے سے پرسے ہوتے ہیں وہ نظر آتے لگتا ہے لیکن زیادہ تعداد میں نہیں بس کبھی کبھی۔ وہ چلو میں بھی ملتا ہے، ہوئے میں کافی دکھائی دیتا ہے اور یہاں ٹھری میں اسے ہم نے پہلی بار دیکھا۔

پستہ قد۔ گرم پرانے کپڑوں میں لپٹا ہوا۔ سر پر اونی بندر نوپی۔ ہاتھ اور پاؤں چھوٹے پیچوں اپنے خوب کھلے ہے۔ وہ زیادہ تیز نہیں چلتا کیونکہ اس کی ناٹکیں چھوٹی ہیں۔۔۔ چھوڑ گولائی کی جانب اور اس میں نہایت میمیں آنکھیں۔۔۔ اور ٹھوڑی پر چند بال لفٹتے ہوئے۔۔۔ لیکن اس کی سب سے بڑی دو علامتیں ہیں، ایک تو اس کا سدا اپنے آپ سے بہت ہی خوش مکرانا ہوا چھوڑ اور دوسرا یہ کہ اسے دیکھتے ہی آپ اسے گدگدی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اتنا پیارا اور بھولا سائیڈی یہیز لگتا ہے۔۔۔ اس سے پھٹکر کے میں پیچوں کو منع کرتا وہ اس تک پہنچ پہنچتے ہے اور اس کے ساتھ حرکتیں کرنے میں مشغول تھے۔ اور وہ تو شاید انہی کے انتظار میں تھا۔ میں نے سن صاحب سے اس بابے کے بارے میں پوچھا۔ ان کی معلومات کے مطابق یہ مغلول بابے ہیں، لیکن اور بھولے بھائے اور تھوڑے سے محبوب المحسوس بھی ہیں۔۔۔ مجھے حیرت صرف اس بات

## ”دیوسائی اے دیوسائی“

دیوسائی کی برنس کب سچلیں گی؟

وہ میدان دوسروں کو راستہ دے دتا ہے لیکن میں جب بھی اوہر کا قصد کرتا ہوں تو بھی۔۔۔ ابھی دیوسائی پر برف نہیں پکھل۔۔۔ صدپارہ سے دیوسائی تاپ سکت جائے والی سڑک نالے میں گر پکھی ہے۔۔۔ کلاپانی پر ابھی پل تیر نہیں ہو سکا اور اسے عبور نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ آپ کا خندہ بست باریک ہے صاحب، اور برف گرے گا تو تم مر جائے گا۔۔۔

پندرہ سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر دیوسائی میدان میں ایسے پھول ہیں جو کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے اور رپچک ہیں جو پچھلیوں کا شکار کرتے ہیں اور وہاں تیز اور سرد ہواں میں چلتی ہیں۔۔۔ اور کیسے پہنچتا ہے کہ دیوسائی کی برنس پکھل پکھی ہیں۔۔۔ اور اسے عبور کیا جا سکتا ہے۔۔۔ صدیوں سے شاید ہزاروں برسوں سے بکوال یا چوابے اس میدان میں نشوونما پانے والی بھی گھاس اور ہراوں کے لئے اپنے جانوروں کے ہمراہ ادھر آتے ہیں۔۔۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آگے برف ہے تو وہ برف کی حد پر قیام کرتے ہیں اور پھر جوں جوں برف پکھلتی ہے اور پیچے پیٹتی ہے وہ اس کے ساتھ ساتھ آگے پڑھتے ہیں اور پھر ایک روز صدپارہ گاؤں کے قریب اتر کر سکردو کے بازار میں پہنچ جاتے ہیں اور ان کو دیکھ کر لوگ جان جاتے ہیں کہ دیوسائی میدان میں برف پکھل پکھی ہے۔۔۔ راستے کھل گئے ہیں۔۔۔

اگر آپ دیوسائی کو عبور کرنا چاہتے ہیں تو آپ سکردو سے صدپارہ گاؤں جاتے ہیں اور پھر وہاں سے دیوسائی اور دوسری جانب چلم چوکی کے راستے استور پہنچ جاتے ہیں۔۔۔ اسی راستے پر آپ استور سے سکردو کی جانب آکتے ہیں۔۔۔  
میں نے دونوں جانب سے اسے دیکھا تھا۔۔۔ اسے نہیں بلکہ ان راستوں کو

جلا۔۔۔ یہ مقام ٹھر کے بے کار لوگوں کے لئے بیٹھ کا کام رہتا تھا۔

اسی راستے میں ٹھر کے راجہ کا محل پڑتا تھا۔ بلند چتاروں کے ساتھ ایک قدیم حولی نما عمارت جس کا دروازہ بند تھا۔ مجھے مجس پا کر حسن بولے ”تارڑ صاحب راجاؤں کا محل ہے اور ان کے کئے بھی محوڑے اور خلڑاک ہوتے ہیں۔ اور آجائیے“

رستہاؤں کے براہمے میں فرانسیسی سیاح اپنے آگے رکھی تپائی پر جھکتا تھا۔ کچھ کھانا تھا اور پھر بست دیر تک پھٹت کو دیکھتے ہوئے اسے لگتا تھا۔

”ہیلو۔۔۔“ سمجھتے اس کے پاس گیا ”کیا کھا رہے ہو؟“

”اوہ پاؤ۔۔۔“ وہ چونکا ”چوکیدار نے مجھے پاؤ پا کر دیا ہے“ ”کیہا ہے؟“

اس نے پیٹ میں ڈھیر ملخوبے میں سے بمشکل ایک چچے بھرا اور منہ میں رکھ کر حسب معمول سوچ میں جلا ہوا اور پھر کرنے لگا ”مشن پاؤ۔۔۔“

وہاں خلک بھوری چٹانوں پر دھوپ تانے کی طرح مختدی ہو کر ڈھنڈتی تھی اور بڑے بڑے پتھروں اور خلک گھاس اور جھاڑیوں پر پسلے تھی اب نہیں تھی لیکن اس کی بھلی روشنی ابھی ان پر باتی تھی۔۔۔ دھوپ ڈھنڈتی تھی لیکن بلند ہوتی تھی۔

ہماری جیپ وادی ٹھر کے آخری مٹھر سے نیچے آچکی تھی۔

خلک بھوری چٹانوں کو ہم سب نے بست دیر تک خاموشی سے ایک تسلیل کے ساتھ غور سے دیکھا لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔۔۔ آج وہ وہاں نہیں تھے اور ہمارے دل میں خیال آیا کہ کیا وہ پسلے وہاں تھے؟۔۔۔ اس پہنچی قلفی کی طرح جو ساری عمر یہ فصلہ نہ کر سکا کہ اس نے یہ خواب میں دیکھا تھا کہ وہ تخلی بن چکا ہے یا وہ تخلی تھا اور اب خواب دیکھ رہا ہے۔۔۔ ہم یہ فصلہ نہ کر سکے کہ وہ چھ شاندار بھورے اڑیاں جو کسی دیو مالائی یا دوگار کی طرح دھوپ میں تراشے ہوئے لگتے تھے۔۔۔ کیا ہم نے دیکھے تھے؟۔۔۔ یا پھر وہ ہم تھے، وہاں چٹانوں میں اور ڈھنڈتی شام میں اور ہم نے ایک پہاڑی راستے پر ایک جیپ کے قریب گھرے چھ سافروں کو دیکھا تھا۔۔۔

"تو برف پکھل بھی ہے؟"

"اگر یہ یہاں ہیں تو برف پکھل بھی ہے۔ یہ لوگ گھری سے آتے ہیں کہی روز کی کوئی مسافت کے بعد، یہاں اپنی بچیزیں اور مویشی فروخت کر کے آتا، کہی، چاول، تیک اور چینی دغیرہ خرید کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اگر آپ ان کے کسی نوجہ پر سوار ہو جائیں تو کل تک انشاء اللہ دیوبسانی تیک ہٹھ جائیں گے۔۔۔ اگر حکم کریں تو بات کروں؟" خواجہ صاحب صرعای زیادتی کر رہے تھے اور بھجن غریب کو چیزیں رہے تھے۔

اس شام پا تود ریست ہاؤس میں ہمارے ک کا دروازہ کھلا تھا اور سبھ عجای اسے چکنا کر کر رہا تھا "تارڑ صاحب اجازت ہے؟"

اور اس کا ایک قدم کرے میں آپ کا ہے تو میں کہتا ہوں "نسیں

"سر۔۔۔ وہ فوراً یچھے ہو کر "شن" ہو جاتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے کرے کے اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں ملی۔ میں خود را بد اری میں آ جاتا ہوں" ایک مشورہ کرنا ہے تمہارے ساتھ۔۔۔" اور ہم دونوں ریست ہاؤس سے باہر سڑک پر آ جاتے ہیں۔ دھونپ میں تیزی ہے اور ہوا میں آسکن کم ہے۔

"کیا ہم دیوبسانی پر جا سکتے ہیں؟"

"سر۔۔۔ وہ پھر سے "شن" ہو گیا۔

"ارٹیکس یا ر۔۔۔"

"جنتاب میں دو برس سے سکردو میں ہوں اور پر زور کو شش اور خواہش کے باوجود دیوبسانی پر نہیں جاسکا۔۔۔ ساہبے مشکل کام ہے۔۔۔ آپ جانا چاہتے ہیں؟"

"آپ ایک رپچھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ شد کھانا پسند کرے گا اور ایک ہاتھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ گئے کھائے گا۔۔۔"

"آپ جتاب حکم کریں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"وہ نہیے، سیپنگ بیک، رک سیک، کھانا پکانے کا سالان، پورڑ، کپا راشن، کافی چائے، دو اینیاں۔۔۔ اور پورڑ ایسا جو دیوبسانی کو جانتا ہو۔۔۔"

"جنتاب خیموں کے لئے میں ابھی بھٹستان نورز کے محمد اقبال سے رابط کرتا ہوں۔۔۔ سیپنگ بیک بھی مل جائیں گے سیاہیں والے۔۔۔ اور دو اینیاں۔۔۔"

اس کے بعد ایک بخار آکو بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔۔۔ میں نہیں جانتا تھا کہ

دیکھا تھا جو اپر جا رہے تھے اور میں ان پر نہیں جا سکتا تھا۔ ان نیلوں نیل پانچوں کو دیکھا تھا جو اس کی برفوں میں سے نکل کر نیچے آ رہے تھے۔۔۔ صدپارہ نالہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مہروادنے کما تھا، تارڑ صاحب یہ آپ کے دریو سانی سے آ رہا ہے۔

اونہ استور کی جانب تریکھ سے واپسی پر میں نے جیپ اس مقام پر روک لی تھی جہاں سے ایک راستہ چلم چوکی کو جا رہا تھا اور ایک ملاٹیلے پانچوں کا نیچے آ رہا تھا۔۔۔ اپر دریو سانی تھا اور میں وہاں جانا چاہتا تھا لیکن میرا خیہہ کمزور تھا اور میرے خوبصورت بیٹھے بیکر کے چہرے پر گھر کی اداہی لمحہ پر لمحہ گھری ہو رہی تھی اور کالے پانی پر ابھی تک پل نہیں تھا۔۔۔ اگر قسمت بار بار کے کہ نہیں جاؤ۔۔۔ تو نہیں جاؤ۔

جب بھی میں نے قصد کیا خواہش کی۔۔۔ میں نہ جا سکا۔

اس بار میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔۔۔ میرے ساتھ میرا خاندان تھا۔۔۔ میں نے بالکل خواہش نہ کی اور۔۔۔ اس کے باوجود وہ ہند وقت میرے ذہن پر سوار تھا۔۔۔ سکردو ایزپورٹ سے شر جاتے ہوئے میں نے نظر ادھر رکھی چدھر وہ وادی تھی اور جس کی جیبل کنارے وہ راست تھا جو اپر اعضا ہوا دیوبسانی کو جانتا تھا۔۔۔ ہم نے صدپارہ جیبل کے ہوٹل میں قیام کیا اور اپر گاؤں کی جانب پہنچلیاں پکڑنے کے لئے گئے تو میں نے ان درجنوں چھوٹے چھوٹے ہاؤں کو حاصل نظر ہو سے دیکھا جو اپر دریو سانی سے آ رہے تھے۔۔۔ ان کا پانی نہ تھا اور ہاتھ نہ لگانے دیتا تھا۔۔۔

سکردو بازار سے پا تود ریست ہاؤس جاتے ہوئے ایک مقام پر سڑک کے پہلو میں گھاس کا ایک قطعہ ہے اور ایک پچھوٹا سا چشمہ اس کے بزرگ میں سفید پارے کی طرح چلتا ہے جب بھی سورج میں سر پر ہوتا ہے اور یہاں سے ہم جب بھی گذرے کچھ لوگ خیہہ زدن تھے اور ان کے آس پاس چیلوں اور بوریوں میں بندھا ہوا سلان تھا اور ان کے سیاہ مویش "زدہ" تھے جو اپنے گئے اور لے لئے ہاؤں کے ساتھ سر جھکائے کھڑے ہوتے۔۔۔ یہ لوگ کچھ گمراہے ہوئے لگتے اور جیپ کی آواز سن کر بیشہ چوک جاتے۔۔۔ اور یہاں صرف مدد ہوتے۔۔۔ کبھی اس مقام پر بالکل دیرانی رہتی اور کبھی خوب کھا گئی ہو جاتی۔۔۔ "ہاں آں۔۔۔" ایک روز خواجہ مہروادنے شیزرگ کے ہاتھ مار کر بلند آواز میں نہر لگایا "تارڑ صاحب آپ جانتے ہیں یہ کون لوگ ہیں؟ جنتاب یہ گھری سے آتے ہیں۔۔۔ اور دیوبسانی میدان عبور کر کے آتے ہیں"

میں اپر جا رہے تھے، اور جو دم سے وہ آ رہے تھے۔  
صدپارہ کی وادی پر شام کا گلکن ہوتا تھا لیکن یہ سویں تھی جو بلند پہاڑوں کے  
عقب میں تھی اور اس کی روشنی ابھی اندر نہیں آئی تھی۔ ہمارے بدن بیکنوں میں  
لپٹے سرد ہوا سے محفوظ تھے اور چرے اس سرد ہوا کی کاٹ سے زندگی کے قریب  
ہوتے تھے، سردی سے آنکھوں میں نبی تحریق تھی۔

ایک سفید رائی جیپ، ڈرائیور سمیت سات افراد۔ عبایی، سلووق، سیر، پورڑ  
علی۔ اور پورڑ حسین۔ اور ان سات افراد کے آس پاس اور اپر پیچے دیوسالی ڈیش  
کا سامان۔ خیڑے، رک یک، تھیلے۔ کبل و فیرو و فیرو۔ اور ہم سب اس سامان میں  
گل محمد تھے اور مل نہیں سکتے تھے۔ ایک دوسرے کو سن سکتے تھے، دیکھ نہیں سکتے  
تھے۔

جیپ صدپارہ جیل کے قریب ہو گئی۔ اس کے ساکن پانچوں میں واڑے  
پہنچتے تھے۔ ان پھیلیوں کے جو ہماری قسم میں نہ تھیں۔ اور پھر جیل کا وہ کنارا  
آگیا جس میں پھونٹے چھوٹے ہالے ایک وسیع ریتلے علاقتے میں سے گزرتے پانی میں  
گر رہے تھے، جہاں چند روز پہلے ہم نے پھیلیاں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔  
”سرجی ناشتا نہ کر لیں۔“ یہ کہیں دیکھے ہوئے عبایی کی آواز تھی ”تم  
پرانے پکوا کر لایا ہوں۔“

”تمی؟... انسیں کھائے گا کون؟“

”کام آئیں گے سر... خود نہ کھائے تو کسی رپکھ کو کھلا دیں گے سر... تو رک  
جاںیں ناشتے کے لئے؟“

”خیں ابھی نہیں۔“

اور میں رکنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے اب بھی خدا تھا۔ کوئی ہمارا چیخا  
گرتا ہوا سکردو سے آئے گا اور کے گا تمہو تم دیوسالی نہیں جا سکتے۔  
آج صح منہ اندر ہرے یوسف حسین آبادی آگئے ”تارڑ صاحب میں نے نا  
ہے کہ آپ پھوں کے ساتھ دیوسالی جا رہے ہیں۔“

”تی... میں تو نہیں جا رہی سلووق اور سیر جائیں گے اور ماشاء اللہ جوان  
ہیں۔“

”دیوسالی اچھی جگہ نہیں ہے تارڑ صاحب۔“ یوسف گھری تشویش کے  
ساتھ کہنے لگے ”خدا کا ہے۔ بری جگہ ہے۔ اور وہاں سردی بھی بہت ہے۔“

اس کا انعام کیا ہو گا۔ فی الحال منصوبہ بھی تھا کہ ہماری ٹیم چار گھبڑوں پر مشتمل ہو گی،  
عبایی، سلووق، سیر اور میں۔ اور کم از کم دو پورٹن۔ اور اب مسئلہ صرف یہ تھا کہ  
دیوسالی ٹاپ تک پہنچا کیسے جائے۔  
ہم قلب علی صاحب کے دفتر طے گئے، وہ بختان کی سڑکوں کے انچارج تھے،  
انہیں تو معلوم ہو گا کہ سکردو سے اپر دیوسالی جانے والی سڑک جیپوں کے لئے کمل  
گئی ہے یا ابھی زیر مرمت ہے۔

”اہ تو یہ ہے تارڑ صاحب۔“ قلب علی جب معمول ہے حد سور اور  
دنیا سے خوش تھے۔ جب اوہ ریف اور گلیشیر ختم ہو جاتا ہے تو ہم روڑ کلیر  
کرنے کے لئے آدمی روانہ کر دیتا ہے۔ ابھی وہ گئے ہیں لیکن تین چار دن سے پہ  
نہیں کہ کہاں سے روڑ کلیر کر دیا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ صدپارہ گاؤں سے آگے  
تالے پر جوپل ہے روڑ وہاں تک بالکل کلیر ہے۔۔۔۔۔

”اور اس سے آگے؟“  
”اس سے آگے تو بیدل جانا ہو گا۔ جیسے گلتری والے آتے جاتے  
ہیں۔۔۔۔۔“

”کیسے جائیں گے جتاب۔۔۔۔۔“ عبایی مکرانے لگا ”ادھر چڑھائی ہے بہت  
زیادہ۔ چار پانچ ہزار فٹ کی چڑھائی ہے۔۔۔۔۔“

”ویسے صدپارہ گاؤں کے پل تک آپ میری جیپ لے جائیں۔ اسے وہاں  
چھوڑ کر اپر جائیں۔ اوہ رات کریں اور اگلے دن پیچے اوہر یک آجائیں بدھر آپ  
جیپ چھوڑ کر گئے تھے تو اوہر ڈرائیور موجود ہو گا۔ میں آپ کو پانچوں اس لئے نہیں  
دے رہا کہ راست نکل ہے اور پانچوں چنانوں سے لگے گی۔۔۔۔۔“

”قلب علی صاحب میں اپنے قلب کی گمراہیوں سے آپ کا محفکور ہوں۔۔۔۔۔“  
”میں نے اٹھتے ہوئے کما“ اور عبایی۔۔۔۔۔

”سر۔۔۔۔۔“  
”دیوسالی ڈیش کے لئے پنچاہی بنیادوں پر تیاری شروع کر دی جائے۔۔۔۔۔“

جیپ صدپارہ سے نکلنے والے تالے کے پانی دیوسالی کی برفوں کے تھے اور ان  
میں تندی اور شدت تھی اور وہ ملک ٹیک میں اچھتے جماں اڑاتے دو دوہ کی طرح  
سفیدی میں اٹھتے ہوئے پیچے آ رہے تھے اور ہم اس کے کنارے پر ریگتی رائی جیپ

"جی صاحب ایکسی ڈیشن کا ہے۔"

ایک مرتبہ پھر ہم جیپ میں پیک ہوئے اور سفر شروع ہو گیا۔  
ایک تالہ اور سے اتر رہا تھا اور ہم اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی سڑک پر چل رہے تھے۔ دونوں جانب بلندی عمودی تھی اور اس نے دھوپ ابھی یہاں نہیں آئی تھی۔

تالے کے پانی نیلے تھے اور نیلوں نیل تھے اور دیوسائی سے آرہے تھے۔  
ہم راستے کی خلڑی کی کے لئے ذاتی طور پر بالکل چوکتے تھے۔ ہم نے اس کے پر خطر ہونے کی ساری داستائیں سن رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک اس کیرو مین کے بارے میں تھی جو کسی ڈاکو منزی قلم کے یونٹ کے ہمراہ جیپ پر دیوسائی جا رہا تھا۔  
جیپ جھوول رہی تھی اور ڈھلوانوں پر سے تھکنی ہوئے پہنچے آتی تھی اور مزدور فوری طور پر اسے تھام لیتے تھے۔ کیرو مین نے بہت ضبط کیا اور آخر کار چلا گکھ مار کر اتر گیا اور کہنے لگا "میں۔۔۔ میں ملازمت سے استغفاری دیتا ہوں۔ اب اور اسی وقت" ڈاکر کر نے لئے بہت سمجھایا تھا۔ وہ مدد و دعا ڈیا رہا کہ مجھے حق حاصل ہے کہ میں جب تھی چاہے استغفاری دے دوں اور وہ میں نے دے دیا۔ اس پر ڈاکر کر صاحب نے دل پر باختر رکھتے ہوئے اپنے ذاتی ذخیرے میں سے ایک بولی ام النیاث کی نکالی اور کیرو مین کو حکم دیا کہ بس فٹ غٹ کر کے اسے اپنے اندر اہمیل لو۔۔۔ کیرو مین نے ڈاکر کی ڈاکر کش پر عمل کیا جس کے نتیجے میں وہ خاصا ختر بود ہو گیا اور ایک بے پرواہ کیفیت میں جھومنے لگا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اب تو دیوسائی روڑ پر سفر کرتے ہوئے وہ صیں کے گا؟ اس نے کہا بالکل نہیں۔۔۔ میں جیپ میں سوار ہو جاتا ہوں تھا۔ اس سے پھر میری آنکھوں پر ایک پتی کس کر پاندھ دی جائے گا۔۔۔  
لیکن ہم ابھی کسی ایسے سے نہیں گذرے تھے جہاں آنکھوں پر پتی پاندھ کر سفر کرنے کی نوبت آئے۔

اور پھر وہ پل آگیا۔۔۔ پرانی روڑ سیدھی جا رہی تھی اور نیو روڈ پل کے پار تھی۔

ہم اور ہمارے میں تھے اور معلق پل کے دوسری جانب چٹائیں دھوپ میں تھیں۔۔۔ اور سے ایک ٹائلہ اتر رہا تھا۔ دس بارہ "زوہ" جن پر سلان لدا ہوا تھا اور ان کے ہمراہ اپسیں ہاتھے ہوئے گلتی کے باشدے۔۔۔ زوہ جیپ کے قریب آتے تو اس کی خلی دیکھ کر بدک جاتے۔۔۔

بلندی کی وجہ سے بھی انسان یتکار پڑ جاتا ہے۔۔۔ آپ نہ چاہیے۔۔۔" اس بیان کے بعد میں اندر سے انا معمبوط نہ رہا جتنا کہ پسلے تھا۔۔۔ اگر سکردو کا ایک باری یہ کہتا ہے کہ دیوسائی بری جگہ ہے تو۔۔۔ "تیاری مکمل ہے۔۔۔ جیپ میں سلان پیک ہو چکا ہے،۔۔۔ سیر اور سلیوق نے کل کے ٹوموٹی کے باہر خیسے لستہ کر کے اپسیں چیک کر لیا تھا اور۔۔۔ بھر حال یہ ضوری تو نہیں کہ ہم ہاپ تک جائیں،۔۔۔ بس جہاں تک آرام سے اور حفاظت سے جا سکے جائیں گے۔۔۔"

یکدم میرے پدن میں چلنے والی نیچیں رک گئیں اور خاموشی ہو گئی۔ جیپ رک بھی تھی۔۔۔ سب لوگ اتر گئے۔۔۔ ہمارے میں نیچے صدپارہ گاؤں صبح کی پہلی دھوپ میں تھا۔۔۔

پورڑیلی نے اپنا سلان اٹھایا "میں یہ سلان چھوڑ کر آتا ہوں صاحب۔۔۔ بال پہنچ کو ہاتا ہوں کہ میں ایک رات کے لئے دیوسائی جا رہا ہوں۔۔۔ ابھی آتا ہوں۔۔۔" دہ ڈھلوان راستے پر نیچے گاؤں کی جانب اترنے لگا۔

علی کسی غیر ملکی مم کے ہمراہ پاتورو گلگیشیر کے علاقوں میں تھا اور اب اس مم کے ارکان کی ڈاک وصول کرنے کے لئے سکردو آیا تھا۔۔۔ سکردو آیا تو ہم نے اسے قابو کر لیا کیونکہ وہ صدپارہ کا باری تھا اور دیوسائی کو جانتا تھا۔۔۔

صدپارہ جیل کے پانچوں کو ہم بہت دور چھوڑ آئے تھے۔۔۔ وہ یہاں سے ایک چھوٹے تلاab کی طرح دکھائی دیتی تھی جس میں اس کا بزر جزیرہ ایک ساکن کشتی تھا۔۔۔ پس منظر میں برپوش چوٹیاں مکمل دھوپ میں روشن ہو رہی تھیں۔۔۔

ڈرائیور نے جیپ کا ہارن نور سے بھایا۔۔۔ اور نیچے صدپارہ گاؤں کی ایک پخت پر ایک بوڑھی عورت نے سر اٹھا کر ہماری جانب دکھائیں اسے اتنی دور سے ہم کہاں نظر آتے ہوں گے۔

"سرجی یہاں بڑی آسائی سے ناشت کر سکتے تھے۔۔۔" عبای نے فکاہت آمیز بچے میں کہا "پرانے بھٹکے ہو گئے ہوں گے" ڈرائیور نے ایک مرتبہ پھر ہارن بھایا۔

یہاں میں نے محسوس کیا کہ ہوا میں آسکن کم ہے۔۔۔ اور ادھر ادھر گھونٹنے سے سانس چڑھنے لگتا ہے۔۔۔

علی اپنا کمبل اور پکھے سلان اٹھائے اور پر آ رہا تھا۔

"واہ۔۔۔" عبای نے اس کا چھوٹا سا رک سیک چیک کیا "پاہر کا ہے؟"

رک سکون کے اوپر نیچے مضبوطی سے باندھا اور کچھ اشیاء پاندوں سے لٹکا لیں۔ سلامان پہلی نظر میں اتنا زیادہ دکھائی دیتا تھا اور اتنا بکرا ہوا تھا کہ ہمیں یقین نہ آیا کہ اسے صرف دو رک سکون میں سینا جا سکتا ہے اور اسے صرف دو پورے اخلاقے ہیں لیکن بھتی پورے کا بھی کمال ہے۔ آپ اسے پورا اگر پیک کرنے کو دے دیں اور وہ اپنی کو متالی فرات کو کام میں لاتے ہوئے اسے ایک رک سیک میں پیک کر دے گا۔ اور اسے اخاب بھی لے گا۔ سلوق کے پاس ایک چھوٹا سارک سیک بھی تھا جس میں کسر و ریڑو اور چند گرم کپڑے تھے۔ عبایی نے بھی کچھ اشیاء کا نہیں پر ڈال لیں، البتہ میرے پاس صرف ایک نیک تھی۔ ہالنگ بٹک اور اس کے سوا مجھے صرف اپنا بوجھ اخھانا تھا۔

جیپ ڈرائیور کو ہتھیا گیا کہ اسے کل چار بجے اسی مقام پر پہنچنا ہے اور ہر صورت میں پہنچنا ہے اور اگر ہم یہاں نہیں پہنچتے تو فوری طور پر سکردو جا کر قلب علی کو اطلاع کرنا ہے کہ دیوسالی کے مسافر نیچے نہیں اترے۔

یہاں جیپ کو واپس موڑنے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ راست اتنا چھوٹا تھا کہ اسے موڑا نہیں جا سکتا تھا چنانچہ بہت دور تک بیک کرنے کے بعد عبایی کی ہدایات کے مقابل اسے بیشکل دیوسالی نالے میں گرنے سے بچا کر موڑ لیا گیا۔

جیپ ڈرائیور نے صدپارہ میں رات بر کرنا تھی۔

جو شی ہیپ نظروں سے او جھل ہوئی ہم جیسے ایک اپنی سیارے پر تھے۔ دیوسالی نالے کا بلکا شور۔ اس کی نیلاہست۔ نالے کے ساتھ چنانوں میں کھدا ہوا جیپ ٹریک ہو اوپر دیرانی کی جانب جا رہا تھا اور وہ آسمان جو ہم نے پسلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں سے اس آسمان کا بہت چھوٹا سا حصہ پہاڑوں کے اوپر نظر آتا تھا لیکن ہم نے ایسا نیلا شیش آسمان پسلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس آسمان کو جمال سُنگاخ چوٹیاں چھوٹی تھیں وہاں سے وہ نوتا ہوا گھوسی ہوتا تھا۔

اور یہاں ایک تیز خوبیوں تھی۔ یہ ان پودوں اور جھاڑیوں میں تھی جو دیوسالی نالے کے ساتھ بھکے ہوئے تھے۔

ہاں ہم جیسے ایک اپنی سیارے پر تھے اور تھا تھے۔ پورے نے سلامان اپنے جسم پر لادا اور سر جھکا کر چلنے لگے۔ اور پھر ہم چاروں مناب فاضلے دے کر ایک دوسرے کے پیچے پیچے۔ یہ مٹے تھا کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو بہادر اور دوسروں سے باہم ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

پل چونکہ بھاری ٹریک کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ہم ٹریک کو بنا کرنے کے لئے جیپ سے اتر گئے۔

پل کے پار اوپر اٹھتے پھر بیٹے راستے پر چھ سات مزدور کام کر رہے تھے۔ اپنے محلے کی جیپ دیکھ کر وہ قدرے پر ٹھان ہو گئے۔ ان کا باس جو ایک بزرگ مزدور تھا ہمارے پاس آگیا۔

”سلام صاحب۔۔۔“

”یہ روڈ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے صاحب۔۔۔“

”کہاں تک ٹھیک ہے؟ دیوسالی تک؟“

”نہیں صاحب۔۔۔ بس یہاں سے تھوڑی دور تک ٹھیک ہے۔۔۔ ایک ہفتہ میں ہم روڈ کلیر کر دیں گے پھر دنیا جہاں کا جیپ اوپر آجائے گا۔۔۔ آپ واپس پلے جاؤ پھر آ جائان۔۔۔“

ہم دوبارہ جیپ میں سوار ہو گئے۔ اور تب کچھ کچھ ڈائفہ ہم نے اس کی خلڑی کا چھکا۔ جیپ کے ہائزر کارے کی جانب ٹھکتے اور پھر جیسے ہم ٹھکتے ہوئے پھر واپس آ جاتے۔۔۔ ایک مقام پر ایک بڑا پتھر راستے میں پڑا تھا۔۔۔ اسے ہم سب نے مل کر نالے میں لڑکالیا اور یہ جانا کہ کسی بھی پتھر کو ٹھکتے ہوئے یہ خیال رکھتے ہیں کہ جب پتھر ٹھکنے کو ہو تو اس سے پرے ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کا ہاتھ اس پر ہو گا تو وہ آپ کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کرے گا۔

جیپ پسلے جھکی، پھر ایک ہی جگہ پر زور لگانے لگی۔۔۔ ہم نیچے اتر گئے۔۔۔ راستے نالے میں گرا ہوا تھا اور صرف چند پتھر ایسے تھے جن پر سے ہم قدرے احتیاط سے پیدل گذر سکتے تھے۔۔۔ پورے نالے پر ٹھان اتارنے لگے۔

یہ جگہ دیوسالی نالے کے قریب تھی۔ سامنے دو گلیشیز نظر آ رہے تھے، ایک تو راستے میں تھا اور ہمیں اسے عبور کرنا تھا اور دوسرا ڈھلوان پر پڑا تھا۔ اس مقام پر ہالہ تقریباً ہموار چلا آتا تھا اور اس کی گمراہی ان پتھروں کی نصف تھی جو اس میں ہے ابھرے نظر آتے تھے اور یہ پتھر زیادہ بڑے نہیں تھے۔ جمال پتھرتے وہاں ان سے گمراہ کر گذرنے والا پانی سید نظر آتا تھا اور دوسرا ڈھلوان پر وہ ہموار اور آسمانی نیلا پورے نالے پر ٹھان اتارنے لگا۔

پورے نالے پر حسین نے اس بکھرے ہوئے سلامان کو رسول کی مدوسے دوتوں

موجود ہوتی ہے لیکن ڈھلوانوں کے قریب وہ جھوکوں کی صورت نہیں آتی ہے۔ ایک ایسی ہی سربز ڈھلوان میں زرد اور جامنی پھول پھوٹوں میں سے باہر آتے تھے اور یہاں ان کی ملک تیز تھی اور نیس میں ستانے کے لئے بینہ گیا۔ اس سے آگے راستے ایک سیر گھی کی طرح بلند ہوا تھا اور دیوسالی کا نالہ اسی حباب سے نیچے گمراہی میں جا رہا تھا۔

عباسی نے پچھے دکھایا۔ مجھے دور ایک ڈھلوان کے نیچے دیکھا اور وہ پانچا ہوا میرے پاس آگیا۔ "سرجی آپ تھیک تو ہیں ہاں؟" "میں عیش کر رہا ہوں عباسی۔" میں نے پاؤں پار کر کے پانچ پاؤں کا سمجھ رکھا اور نیلا آسمان جیسے میری آنکھوں پر چھا گیا۔

"یہ بڑی کمپی چھائی ہے سرجی۔ یہاں تو جوان لوگوں کو آسکھن کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ دیسے آپ بالکل تھیک ہیں ہاں؟" وہ ٹکرمند تھا۔ کیونکہ میرے برس اس کے برسوں سے کہیں نیادہ تھے اور اس کا خیال تھا کہ میں اس چھائی سے اور مشقت سے بیزار ہو چکا ہوں اور مجھ میں پلنے کی سخت باتی نہیں ہے۔

"ویکھو عباسی۔" میں نے اس موڑ کی جانب اشارہ کیا جو خاصی بلندی پر تھا اور جس پر آسمان جھکا ہوا تھا۔ "ہاں۔" اس سے پرے دیوسالی ہے۔ اور وہاں میں تمارے بارے میں یقین سے نہیں کہ سکا لیکن اپنے بارے میں کہ سکا ہوں کہ وہاں میں نے ہر صورت پہنچ چانا ہے۔ اسی طرح دم لیتے ہوئے اور آرام کرتے ہوئے میں نے پہنچ چاہا ہے۔ گلکت سے اسلام آباد جانے والے فور چماز کی گشتنی سے چند روز پہلے اس کے پانکھ کیپٹن زیبر نے مجھ سے کہا تھا کہ تارو صاحب دیوسالی ایک ہوں ہے۔ ایک بار دیکھو تو دسری بار دیکھنے کی ہوں ہے۔ وہاں اگرچہ مت بھی ہے لیکن ایک ایسی تھائی ہے جو یہاں نہیں کی جا سکتی۔" "کیپٹن زیبر آپ کے دوست تھے؟"

"نہیں۔" پچھلے برس گلگت جانے کے لئے میں بی آئی اے کے نارورن ایریا آفس میں گیا اور وہاں تیڈی صاحب نے چالا کر ہمارے کیپٹن زیبر کو بھی آوارہ گردی کا بہت شوق ہے۔ آپ کی طرح۔ اس شام میں نے کیپٹن زیبر کو فون کیا۔ اور پھر تقریباً ہم روزانہ فون پر شامل علاقوں کے بارے میں اپنے تجویزات بیان کرتے گیکن۔ مجبوب اتفاق ہے ہم مل نہ سکتے۔ کبھی ان کی فلاٹ ہوتی ہوئی اور کبھی میں لاہور واپس آ رہا ہوتا۔ ایک روز ملے پیدا کر ہم اگلے بیٹھتے شام کو ملیں گے اور اکٹھے کھا ہا۔

اتھی دور تک پڑے گا جھنی دور تک اس کا ساتھ رہتا ہے اور پھر آرام کرے گا۔ ہم پہاڑوں سے مقابلہ کرنے نہیں آئے ان کی تنظیم کرتے ہوئے اپنی دیکھنے اور محسوس کرنے آئے ہیں۔ دھوپ یہاں بھی تیز تھی۔

میں نے اس جیپ روڈ پر پہلا قدم اٹھایا جو دیوسالی کو جا رہی تھی اور پھر میرے لیوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ پہنچلی۔ میں ایک احتیاط پسند دیوانے کی طرح آہستہ سے ہنسا۔ بالآخر میں دیوسالی کے راستے پر تھا۔ ہم چنانوں کے سائے میں آرام کرنے کے لئے ٹھرتے تو فوراً ہی مھنڈک محسوس ہوتی۔ اور دھوپ میں شدت تھی۔

دونوں جانب پہاڑ تھے جو بست بلند نہ تھے۔ درمیان میں دیوسالی نالہ اور اس کے کنارے کے ساتھ سلوخ بی بی پلا میکن بھرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ عباسی تھا۔ ان سے پچھے پورا تھے۔ پھر سیر تھا جو تیز ملک والے پھواؤں کو غور سے دیکھنا اور پھر چلتا تھا۔

میں سیر کے بارے میں ٹکرمند تھا۔ حال ہی میں اس کے مانڈن کا آپریشن ہوا تھا اور سرجن نے ہدایت کی تھی کہ اسے مکمل صحت یابی سے پہنچ زیادہ بلند مقامات پر نہیں جانا چاہئے۔ بظاہر تو وہ اس آپریشن سے شفایا ب ہو چکا تھا لیکن میں پھر بھی ٹکرمند تھا۔ اس کی صحت کم از کم قابلِ ریکٹ نہ تھی۔

دیوسالی نالہ چند دیو زاد چنانوں میں سے آبشار کی صورت میں نیچے گرتا تھا اور اس کا پانی ایک بڑے تالاب میں جمع ہو کر پھر نیچے جاتا تھا۔ وہ قابلِ کم ہونے لگے جنہیں ملے کر کے میں سانس لینے کے لئے رکتا تھا۔ ہوا میں مکمل سانس نہیں لیا جاتا تھا۔ اس میں آسکھن اتنی کم تھی کہ دوبار ہوا اندر کیپٹن سے ایک بار کا سانس مکمل ہونا تھا اور اس کے خلاواہ ہوا میں ذکلی تھی۔

تمام لوگ مجھ سے بہت آگے نکل گئے۔ اور میں اس مکمل تھائی میں خوش تھا اور آہستہ آہستہ چلتا تھا اور آسمان میرے قریب ہو تا جا رہا تھا۔ دیوسالی تک اس راستے کی سب سے بڑی نشانی بھی یہی ہے کہ یہاں آپ آسمان کے قریب ہوتے چلتے ہیں۔ اور پھر جو پہاڑیاں نظر آتی ہیں وہ بھی زیادہ بلند نہیں ہوتیں اور ان کی ڈھلوانوں پر گھاٹیاں نیچے نکل آتی ہیں اور اس میں کہیں کہیں انتہیم کی شعلہ کے زرد لبے سوں والے پھول نظر آتے ہیں۔ ان کی ملک تو ہوا میں ہمہ وقت

اور یہ نیلے آہان تک پہنچنے کا رہے ہے۔  
ہمیں اس راستے پر چلتے ہوئے ساری ہے تم کھنچنے گذر پکے تھے۔  
آہان قریب ہو رہا تھا اور ہم آہان کے قریب ہو رہے تھے۔ مفتر ذرا سخن لگا  
تھا۔

پوزٹر علی اور سیر راستے کے ایک بلند موڑ پر کھڑے ہاتھ بارہے تھے اور مجھے  
بلا رہے تھے لیکن فاسٹے اور نالے کے شور کی وجہ سے ان کی آواز مجھے تک نہیں پہنچی  
رہی تھی۔ اس کے پادھوں میں جان گیا کہ ان کی نظریں دیوسائی پر ہیں اور وہ ٹاپ پر  
پہنچ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سلوق اور عبایی بھی ان کے پاس پہنچ گئے انہوں نے  
اونھ پار دیکھا اور پھر مجھے آوازیں دینے لگے اور ان کے آوازیں تیز ہوا کے ساتھ  
میرے قریب آتیں اور پھر فوراً ہی مدھم ہو جاتیں۔ دیو۔ سائی۔ دیو۔ سائی۔  
میں سر جھکا کر چلتا رہا اور زندہ یہ زندہ بلند ہوتے راستے پر چھٹا رہا۔ اور وہ  
سب اس موڑ پر میرا انتشار کر رہے تھے۔  
سانتے دیو سائی تھا۔

جال ہم تھے وہاں تک پہنچتے، پتھری چنانیں۔ لیکن ان کے بعد گھاس کے  
وسيع نیلے تھے، چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ان پر کہیں کہیں برف کی لکیریں تھیں اور ان  
میں سے دیوسائی نالہ راستہ بناتا آ رہا تھا۔ یہ مفتر انگستان یا سکٹ لینڈ کی کثیری سائیں  
ایسا تھا۔ ان پہاڑیوں میں کہیں بھی کوئی ایک پتھر، ایک جھاڑی یا ایک درخت نظر  
نہیں آ رہا تھا۔ وہاں سوائے گھاس کے، سچ مرتفع میدان کے اور اس پر مجھے ہوئے  
بیکب و غریب شکلوں کے بادلوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اور یہاں سے بس کی کچھ نظر ا  
رہا تھا۔ اور ہاں اس مفتر میں کشش نہ تھی بلکہ ایک دل پر بیٹھنے والے خوف کا  
خدا شہ تھا۔ لیکن اس مفتر نے ہمیں حیران کیا۔ اس بلندی پر یہ سربرز اور وسیع لینڈ  
سیکپ۔

"کی دیوسائی ٹاپ ہے؟"

"تھی صاحب۔" علی بولا "بھی ہم اور چلیں گے تو دیوسائی کے کنارے تک  
پہنچ جائیں گے۔ وہاں جا کر یہ راستہ ہمارا ہو جائے گا۔ اور اونھ صدپارہ گاؤں کی  
"بک" ہے۔ پتھر اونھ کپ کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے سانس کھنچنے ہوئے کہا "بھی صرف دو بیکے ہیں۔ ہم

کھائیں گے۔ اور صرف ایک روز پہنچنے گلت سے واپسی پر ان کا جہاز لاپتہ ہو  
گیا۔ بعض اوقات مجھے خیال آتا ہے کہ وہ اکثر دیوسائی پر سے گزرتا تھا ہو سکا  
ہے وہاں اس نے کریش لینڈ کی ہو اور وہ ابھی تھک۔"

میرے چہرے کا ہمید ٹکل ہو چکا تھا اور ہوا سرد گری رہی تھی۔ میرا بدن  
ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ میں انھوں بیٹھا۔ "میں بھی دیوسائی کی ہوس میں آیا ہوں اور اسے  
دیکھنے بغیر نہیں جاؤں گا۔ تم چلو۔"  
پانی چاہئے سر۔"

"ہاں ایک گھوٹ پانی ضرور چاہئے۔"  
عبایی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"نہیں۔" میں رک گیا "تم آگے چلو۔" تم میرے ذہن پر بوجھ ہو گے۔  
میں سوچوں گا تم میری وجہ سے آہستہ چل رہے ہو اور میں اپنی مرضی کے خلاف  
تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیز چلوں گا اور یہ اچھا نہیں ہو گا۔" تم چلو میں آ جاؤں  
گا۔"

"سر۔" عبایی نے مجھے یقیناً مختوط الحواس جانا کیونکہ اس کی مسکراہٹ بھی  
کھتی تھی اور پھر وہ چھڑی بیکتا مجھ سے آگے نکل گیا۔  
وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ تھائی میرے لئے کھتی بڑی نوٹ ہے۔ میں اس کے  
لئے کتنا ترستا ہوں۔۔۔ بس یہی لئے ہیں پورے برس میں جن میں آزاد ہوتا ہوں  
اور پورے اور کمل سانس لیتا ہوں۔۔۔ ان لمحوں میں، جب اس ٹھنڈک سے بو جھل  
ہوا میں صرف میں ہوں جو سانس لیتا ہوں یا وہ پرندے ہوں جو ان جھاڑیوں اور گھاس میں  
ہوں گے جو ڈھلوانوں پر ہے۔ اور میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں۔۔۔ کوئی ٹبل نہیں، کوئی  
سکرپٹ نہیں، میری جیب میں گھر کے، خاندان کے کاموں کی کوئی فرست نہیں اور  
مجھے کل کی ٹکر نہیں۔۔۔ میرے ہاتھ میں ایک داگنگ سک ہے اور میں اپنی من مرضی  
سے چل رہا ہوں اور بلندی پر اگنے والے پھولوں کی بجیب سی مسک اور دیوسائی نالے  
کا بلا کا سا شو۔

مجھے سے چلا نہیں جا رہا۔۔۔ میں پھر بیٹھ جاتا ہوں۔  
پانی ختم ہو گیا ہے اور پورٹ ابھی فلاں کھانے پیچے ہالے تک گیا ہے۔  
ادر، نہیں سے یہ پتھر اونھ راستہ ایسے اور احتا ہے جیسے اس جہاں سے الٹا  
سلوک کے قدم اس طرح اٹھ رہے ہیں جیسے وہ کسی زینے پر چڑھ رہا ہے۔

جارہا تھا۔

ہم اس "بیک" سے ذرا دور ہوئے تو ہمارے سامنے ذرا آہنگی سے دیوسائی کا مظہر کھلنے لگا۔ گھاس کے وسیع میدانوں کے آخر میں کناروں پر نیلے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پہاڑ تھے جن پر برفیں تھیں اور ان پر وہی بیگب ٹھلل کے فیر قدر تی ہاول تھے۔ علی ہم سے بہت دور ہمیں اشارے کر رہا تھا کہ ادھر آؤ ادھر آؤ۔ اور ہم جا رہے تھے سر جھکائے، سانس کھینچنے کے وہ بہت کم آ رہا تھا۔ مجھ میں ایک سستی اور غنومنگی اور بے چینی ارتقی تھی اور ایک قدم بھی آگے جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اور یہاں سے دیوسائی کے پھولوں کا آغاز ہوا۔ ہم جس گھاس پر چل رہے تھے وہ اس میں تھے اور زمین کی سطح کے ساتھ ساتھ تھے۔ اور دیوسائی کے پھولوں کی ملخ ان کی ٹھلل اور رنگ بھی بیگب تھے۔ اور تب ہم نے دیوسائی کی اس دست کو ایک مختلف نظر سے دیکھا ہو ہمارے سامنے دو رنگ بزر تھی، ہمارے پھولوں پر اور نیلوں پر اور پھازیوں پر جمال جمال بزرہ تھا وہاں صرف بزرہ نہ تھا بلکہ اس میں پھول ہی پھول تھے اور سو رنگ کے تھے اور وہ زمین کے ساتھ تھے اور جمال ہم تھے وہاں سے نظر نہیں آتے تھے اس نے دور سے صرف گھاس دکھائی دیتی تھی لیکن وہ ساری دست پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میں ہر قدم پر بیٹھ جاتا اور ان کے وہ چڑے دیکھتا ہو میں نے اس سے پہنچ رکھی نہ دیکھے تھے۔ پدرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہو پھول ہوں گے وہ صرف اس نے دیکھے ہوں گے جو اتنی بلندی پر گیا ہو۔ اور صرف بلندی پر نہیں کیونکہ یوں تو وہہ خجراہ بولہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے لیکن وہاں بھی پھولوں کی یہ قسمیں دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ پھول نہ صرف یہ کہ پدرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوتے ہیں بلکہ صرف سطح مرتفع دیوسائی پر ہی ہوتے ہیں چنانچہ میں ان کی شکلیں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ کہیں یہ جمازوں میں تھے۔ اور جمازوں بھی گھاس بھتی ہی تھیں چھوٹی چھوٹی اور گھاس کے ساتھ پھیلی ہوئیں۔ کہیں یہ پھولوں میں تھے اور کہیں مختلف رنگوں کے لامبے ڈھنل ہو ہوا کے زور سے دو ہرے ہوتے تھے۔ میں نے زمین پر لیٹ کر ان کی جو تصاویر اتاریں انسیں دیکھ کر اکٹھ لوگوں نے کہا کہ یہ تو کسی جالپانی باغ کی طرح منصوبہ بندی کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک سطح پھول تھا جو غسل کی طرح تھا اور زمین پر ڈھیر رہتا تھا۔ ہم ذرا جبک کر چلتے تھے اور ہمارے قدم بے روپا ہوتے تھے کیونکہ ہم پھولوں کو پاؤں تک مسلنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایسا ناممکن تھا۔ ہمیں پھولوں پر ہی چلا

مزید تین سمجھنے دیوسائی کے اندر چلنی گے اور پھر کچپ کریں گے۔

"ابو لفج تھیں کریں گے؟" سلوچن نے پوچھا۔

اب ہم ساتھ ساتھ چلتے گے کیونکہ چڑھائی فٹم ہو پچھی تھی اور جیپ روڑ تقریباً ہمارا تھی۔ ہمارے دامیں جاتب ہو چنانیں تھیں وہ فٹم ہو گئیں اور ہمیں جاتب مظہر وسیع ہو گیا اور ہم دیوسائی کے کنارے پر تھے۔

ایک گرو آسود راست پہاڑوں میں دور بک جاتا دکھائی دیتا تھا۔ اور یہ پہاڑیاں بہت چھوٹی تھیں اور جیسے کوئی ماذل ہو۔ اور ہمیں ساف یعنی میں دشواری چیز آ رہی تھی۔ ہم دنیا کے بلند ترین میدان میں تھے۔

پورڑز نے رک سیک اتار کر زمین پر رکھے۔ عبای نے پر انھوں کا پاندہ کھولا۔ علی نیچے اتراء۔ اور وہاں نیچے ایک بست ہری "بیک" تھی جس میں ہزاروں موٹی تھے، ان میں بھیڑس اور زردہ شامل تھے۔ چند کو ٹھیڑیاں تھیں اور جس علاقے میں موٹی قیام کرتے تھے وہاں زمین چھیل اور گھاس سے خالی تھی۔ یہ بک خاصی دور تھی اور جمال ہم تھے وہاں سے موٹی چوتینوں کی طرح ریختے دکھائی دیتے تھے۔ میں نے ایک پرانے پر اپار کی ایک قاش رکھی اور ذرا بہت کر گھاس پر بینہ گیا۔ میں تھک چکا تھا اور چند قدم چلتے سے ہاتپ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد علی نیچے بک سے چائے کی ایک سیکلی لے کر آگیا۔ یہ دیوسائی کی بہترن چائے تھی لیکن ہم اسے بیشکل ٹھک سکے کیونکہ اس میں دھواں تھا اور بھیڑوں کا دودھ تھا، ان کے بال تھے اور ان کی بو تھی۔ یوں بھی ہماری بھوک فٹم ہو پچھی تھی اور خوراک کو دیکھ کر دل اچاٹ ہوتا تھا۔ بد ان اندر سے خالی محسوس ہوتا تھا اور چلتے پھرے اور اٹھنے بینٹنے سے دل بیزار ہوتا تھا۔ یہ بلندی کا کرشہ تھا کہ بینٹنے رہیں صور جاناں کے ہوئے۔ میں نے علی کو اپنے قریب بلایا "تم دیوسائی کو اچھی طرح جانتے ہو۔ کیا یہاں کوئی ایسا مقام ہے جمال سے پورے دیوسائی کا مظہر نظر آتا ہو؟"۔

"جی صاحب۔ اور وہ جو ٹیلا ہے اور ہرچوٹی پر سب سے اچھا نظر آ رہا ہے۔"

"اور کیا ہم وہاں کچپ کر سکتے ہیں؟"

"وہاں تو ہوا بست ہو گی صاحب۔ آپ دیکھ لو چل کر۔"

دو قدم پورڑز نے اپنے اپنے بوجھ اٹھائے اور چلتے گئے۔

ہم نے وہی راست اختیار کیا جس پر ہم نیچے سے چلتے آئے تھے لیکن علی ہم سے کچھ قابلے پر ایک ڈھلوان پر اکنی ہوئی گندھ عذی پر چلتا جا رہا تھا اور ہم سے پرے ہوتا

شیدائی ہے یہ ریٹرو صرف اس نے یہاں تک اٹھا کر لایا تھا کہ وہاں بلندی پر ۔۔۔ اور یہاں وہ کچھ بھی نہ پکڑ سکا۔ ”فیض منہ بھی ۔۔۔“ اس نے ایریل کو دھپ مار کر سینا اور ریٹرو بند کر کے تھیلے میں ڈال دیا۔

”ابو ۔۔۔ میری طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے ۔۔۔“ سیر نے کچھ مکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں بت سرخ تھیں اور آواز میں کپکاہٹ تھی۔

ہمارے پاس پانی بھی تھا اور گلوکوز بھی ۔۔۔ ایک ہرگز سیر کو تیار کر کے پلاں لیکن اس کی محنت بحال نہ ہوئی۔

”بھائی کو خیرہ لگا کر اس میں ڈال دو ۔۔۔“ پورٹر علی نے سیر کو بلندی سے دیکھا۔

”یہاں خیرہ لگائیں؟“

”نہیں صاحب ہوا ہو گی اور پانی اور ہر سے دور ہو گا۔۔۔“

”پانی کدھر ہے؟“

”وہ پیچے ۔۔۔“ اس نے آگے بڑھ کر ہاتھا۔ نیلے سے پیچے۔ کافی دور ایک چھوٹی یہ جھیل تھی اور اس کے ساتھ ایک بلند گھاس میں پوشیدہ روائی پانی تھا جو یہاں سے دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ”وہ اچھی جگہ ہے ۔۔۔“

تم جلدی سے پیچے پسپور اور خیرہ لگاؤ۔۔۔ ہم آتے ہیں ۔۔۔ سیر حسیں سارے کی ضرورت ہے؟

”اوہ نہیں ابو ۔۔۔“ وہ لاپرواٹی سے اترنے لگا۔ وہ یقیناً ایک بہادر پچھتھا۔۔۔ اس بلندی پر کچھ پتھرتے اور کسی آماجگاہ کے آثار تھے۔۔۔ شیریہ پر کرے کی جگ کے دوران انڈیا دیوالی میدان پر اپنی ہمرا فوج اتارنا چاہتا تھا اور اسیں روکنے کے لئے پاک فوج نے یہاں عارضی سورپے قائم کئے تھے۔۔۔ اور ظاہر ہے ایک ایسی جگہ قائم کئے تھے جہاں سے پورا دیوالی نظر آتا تھا۔۔۔

”سر ہم یہاں دوبارہ آئیں گے۔۔۔“ جیسا پر بھی دیوالی کے اس مظہر کا گرا اڑ تھا۔

”نیک ہے کل مجھ پھر آئیں گے۔۔۔“

ہم پیچے اترنے لگے۔ سیر آگے آگے چل رہا تھا لیکن اس کی چال میں کمل توازن نہیں تھا۔ ہم پیچے پیچے تو علی پہلا خیرہ استادہ کر چکا تھا۔۔۔ سیر ڈلکھے ہوئے پھندنے والی سفید نوبی میں سرجھکائے ایک رک سیک پر بیٹھا تھا، اس کی آنکھیں

ہم پانچوں ایک قطار میں چل رہے تھے۔

”ابو ۔۔۔“ سیر نے پیچے سے میرا بازو پکڑ لیا۔۔۔ میں نے مذکرا سے دیکھا تو اس کی آنکھیں سرخ تھیں ۔۔۔ ”ابو میری طبیعت نحیک نہیں۔۔۔“

میں نے اس کا ماتھا اور گال چھوٹے تو وہ گرم تھے۔۔۔ کدم مجھے میں خوف اتر گیا۔۔۔ ”کیا بات ہے؟“

”بس چلنے کو جی نہیں چاہتا اور سر میں درد ہو رہا ہے ۔۔۔ مجھے جیکٹ نکال دیں۔۔۔“

میں نے حسین کو جلایا اور رک سیک کھل کر سویٹر اور ایک انفالی جیکٹ سیر کو پہنادی۔۔۔ اور ایک سفید اونی نوبی بھی۔۔۔ جو سایہجن جانے والے سپاہی پہننے ہیں۔۔۔

ہم سب نے گرم کپڑے پہن لئے۔۔۔ سردی زیادہ ہو رہی تھی۔

ہم پھر چلنے لگے۔۔۔ لیکن میرے اندر سیر کی بیماری کا خوف تھا۔۔۔ دیوالی کا خوف تھا۔۔۔ عباہی اور پنج چکا تھا۔۔۔ اس نے باتحہ ہلایا۔

اور پھر ہم سب اس علاقے کے بلند ترین نیلے کی چونی پر تھے۔۔۔

ہمارے سامنے پورا دیوالی میدان ہے۔۔۔ یہاں سے وہاں تک۔۔۔ اس کے دریا بھی اور نیلے بھی اور وہ بیپ ٹریک بھی ہو دوڑ دوڑ سک جاتا تھا اور گم ہوتا تھا۔ اور وہ نیلے پہاڑ اور ان پر بجھے ہوئے چیب بادل بھی۔۔۔ اور یہاں بھی لادبے اور محل ایسے پھول تھے اور یہاں ایک تصویر اتاری تو اس میں یوں لگتا ہے جیسے سیر اور سلیوق ایک کیاری میں کھڑے ہیں اور ان کے پیچے ایک پر دھوپ ہے جس پر ایک بل کھاتا دریا ہے اور دیوالی کی سربز و سوت ہے جس پر کمیں دھوپ ہے اور کمیں سایہ ہے اور۔۔۔ کمیں بھی ایک درخت نہیں ”بجاڑی نہیں“، ”چھر نہیں“۔۔۔ صرف بزرگ نیلے اور میدان ہیں۔۔۔ اور اس وسعت میں ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں۔۔۔ اور تیز سرد ہوا ہے جس میں ہم بیکوں میں ہاتھ ڈالے ڈرا جھکے ہوئے کھڑے ہیں اور ہوا کی تیزی سے ہماری آنکھوں میں پانی تھرتا ہے۔۔۔ ہم اکٹے ہیں۔۔۔

”واہ واہ ۔۔۔“ سلیوق نے چٹاڑہ لے کر کما اور پھر اپنے تھیلے میں سے ریٹرو نکلا اس کا ایریل سمجھ کر لمبا کیا اور سوئی گھمانے لگا۔۔۔ ”یہاں اس بلندی پر دنیا کے سب شیشیں لاوڑ اور کلیر آئیں گے۔۔۔“ وہ سوئی گھماتا رہا لیکن سوائے ایک چینی ریٹرو شیش کے اور کوئی آواز ہاتھ تھے۔۔۔ آئی اور سلیوق ہو ریٹرو کے شارت دیوالی کا بت

گولیاں کھلائیں اور اس پر سے گرم چائے کا ایک گپت اسے اندر اٹھانے کو کہا کیونکہ  
وہ چائے کا شوق نہ تھا۔  
ہم دھواں دیتے گوبر پر ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھے رہے۔  
اس بلندی پر سانس کی بیٹے جنی بھی بہت تھی اور اس میں سیر کی بیماری کی  
بیٹے جنی گھلتی تھی اور اسے تقریباً باقابل برداشت ہاتھی تھی۔ ابھی سورج تھا، شام  
ہوئی تھی اور پھر رات اور دیوسائی کی رات۔ اور اگر اس رات ہمیں کوئی ایک جسی  
ہو گئی تو ہم کیا کریں گے؟۔ اس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ہم کچھ بھی نہیں  
کر سکتے تھے سوائے انتشار کے۔ مجھ کا انتشار اور روشنی کا انتشار۔ میں ہر پانچ منٹ  
بعد بیٹھے کا پروہ اخا کر اندر جھانکتا۔ وہ بھی سو بھی ہوئی آنکھوں کو کھول کر بمشکل  
مکرانے کی کوشش کرتا اور بھی اس کی آنکھیں بند ہوتیں اور وہ کھلے مند سے سانس  
لے رہا ہوتا۔۔۔ اس کا رنگ بہت سرخ ہو رہا تھا۔  
ہم نے ٹلک پاؤڑ سے دودھ بینایا اور اسے گرم کر کے سیر کو پالایا۔ اسے نید  
آئے گی۔

ہم دھواں دیتے گوبر پر ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک دم ایک  
سیاہ دھنڈ کی طرح ایک پھوٹے سے بادل کی طرح ہمارے آس پاس پھری پھر رہتے  
اور ان کا سائز تقریباً کمی ہوتا تھا۔ وہ ایک نیزی دل کی طرح ہم پر بیٹھنے لگے اور ہم  
نے فوراً اپنے چڑوں کو فویزوں اور رومالوں سے ڈھانٹا اور گرد نیس پنجی کر کے اپنے  
آپ کو بچانے لگے۔ ہم نہ ایک دوسرے کی جانب دیکھ سکتے تھے اور نہ کچھ کر سکتے  
تھے۔

"علی۔۔۔ یہ کیا مصیبت ہے بھی؟" عبایی ہوا میں ہاتھ کی سکواریں چلا رہا تھا اور  
بے حد غصے میں تھا۔

"یہ صاحب زیادہ دیر نہیں رہے گا۔۔۔ ابھی ہوا بند ہوا ہے اس نے آیا  
ہے۔۔۔ ابھی ہوا چلے گا تو یہ چلا جائے گا، انتشار کرو۔"

شاید دس منٹ تک ہم یوں سر جھکائے بیٹھے رہے اور پھر ہوا آگئی اور وہ سب  
کے سب چلے گئے ان میں سے ایک بھی بات نہ رہا اور ہم نے رومال اور نیپاں وغیرہ  
اتا کر لے لے سانس لئے۔۔۔ اور یہ جو ہوا تھی پہلے کی نسبت زیادہ سر و تھی کیونکہ  
سورج ڈھل رہا تھا۔۔۔ اور سر دی دو صاف آسمان سے یونچ آری تھی۔۔۔  
ہماری خیرہ گاہ کے ایک جانب جیبل جیبل تھی اور دوسری جانب ایک کپار است دو

بدستور سرفی میں حصیں اور وہ منہ کھول کر سانس لے رہا تھا۔  
سلامن حمل طور پر کھلا تو معلوم ہوا کہ ہم سب کچھ لائے ہیں خوراک لائے  
ہیں لیکن اس خوراک کو پکانے کے لئے برتن نہیں لائے اور نہیں ہمارے پاس منی  
کے تھل کا چولما ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم دیوسائی کے میدان سے لکڑی جن لیں گے  
اور اسے جلا کر کھانا پکائیں گے اور یہاں سے قریب ترین درخت ادھر نیچے صدپارہ  
میں ہو گا اور ادھر پلٹم چوکی کے آس پاس ہو گا تو لکڑی کماں سے آئے گی۔۔۔ اس  
مشکل کو حل کرنے کے لئے دونوں پورٹر علی اور حسین سر جھکائے گھاس کو دیکھتے تھے  
اور ادھر ادھر گھوٹے تھے۔۔۔ حالانکہ ہم دیکھ سکتے تھے کہ وہاں نہ تو لکڑی ہے اور نہیں  
کھانا پکانے کے برتن بکھرے ہوئے ہیں۔۔۔  
ہم جیبل کے کنارے خیرہ زن تھے لیکن یہ دراصل ایک بڑا تالاب تھا اور اس  
کے کچھ آلوں کناروں پر مویشیوں کی آمدورفت کے نشان تھے۔۔۔  
علی اور حسین اپنی تلاش میں دور چلے گئے تھے۔۔۔

"سر جی یہ پورٹر بالکل پائل خانے ہیں، لکڑی اور برتن تلاش کر رہے  
ہیں۔۔۔" عبایی کہنے لگا اور وہ بے حد تھکا ہوا نظر آتا تھا۔ "ویسے سرجی آپ ماہنڑ  
کرنا۔۔۔ مجھے بالکل امید نہ تھی کہ آپ ہاپ سکتے پہنچ جائیں گے۔۔۔"  
علی اور حسین لدے پھنسنے۔۔۔ وہاں آ رہے تھے۔۔۔  
"صاحب ہم کو یہ کچھ گوبر طاہے اس کا آٹا بنائے گا۔۔۔" علی نے اپنے  
کمبل کو زمین پر لانا دیا۔۔۔  
"اور صاحب یہ برتن ہے۔۔۔ ابھی صاف کریں گے تو نیک ہو جائے گا۔" حسین  
کے پاس تین غالی زنگ آلوں نیں تھے جو وہ میلے کی اس چوٹی سے لایا تھا جس کی  
نامے میں فوج نے قیام کیا تھا۔۔۔

اس دوران میں نے اور عبایی نے ایک خیمے کے اندر سیپیگ ٹیک بچا کر  
سیر کو اس میں بالکل پیک کر دیا تھا۔۔۔ وہ بار بار پکارتا "ابو میں بھی باہر آ جاؤ۔۔۔"  
کیونکہ دیوسائی میں ہوتا اور دیوسائی کون دیکھنا اس کے لئے بے حد انتہا تک تھا۔۔۔  
گوبر دھواں دیتے تھے۔۔۔ اور اس پر صاف کیا ہوا ایک پرانا نیمن چٹپی دیر میں  
تھوڑا سا گرم ہوتا تھا اس سے بہت جلدی پھر تھنڈا ہو جاتا تھا۔۔۔ ہم اس کے گرد سر  
جھکائے بیٹھے تھے اور شام کی بخش بھلکی جو۔۔۔ آئے کو تھی اسے ابھی سے اپنے بدنوں میں  
اترے گھوس کرتے تھے۔۔۔ چائے بالآخر تیار ہوئی اور ہم نے سیر کو ڈسپرن کی دو

یہ ابتدائے آفرینش سے دیران اور بے آباد ہے۔ تو پھر اس کس نے بنا لیا گیا ہے؟ چند چواہوں کے لئے؟... پھر چوہوں کے لئے... رجھوں کے لئے... یا پھر پھولوں کے لئے۔ شاید ان چند آوارہ گروہوں کے لئے جو جن ہو کھم میں ڈال کر یہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں چند مقامات ایسے دشت نوردوں کے لئے بنیوال کر رکھے ہوئے ہیں جن کے بارے میں غالب نے کہا تھا۔

اللہ رے ذوق دشت نوری کہ بعد مرگ  
بٹے ہیں خود بخود مرے، اندر کفن کے پاؤں

دشت نور دا گرد معاشرے کے لئے بے کار لوگ ہوتے ہیں۔ وہ قیام تو اسی مکان میں کیا کرتے ہیں لیکن وہ دیکھتے ہد و وقت کہیں اور ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال و جہال سے آگئی رکھتے ہیں۔ صرف وہی اس کی عنعت سے واقف ہوتے ہیں کیونکہ صرف انہوں نے ہی اس کی عنعتوں کو دیکھا ہوتا ہے۔ ایک بڑے کاروباری مرکز میں بند ایک کاروباری کو یا ایک دفتر میں قید ایک بڑے افسر کو کیا پڑتا کہ رب نے کیا بنا لیا ہے اور کیا کیا بنایا ہے۔ اور اگر وہ ان چکوں پر پہنچ بھی جاتا ہے تو وہ اپنی دیکھتا نہیں کہ اس کی آنکھیں وہیں رہ جاتی ہیں اس کے کاروبار میں اس کی طاقت اور پیشے میں۔ اور یہ صرف آوارہ گروہ ہوتا ہے جو اس کی کسی نعمت کو نہیں جھلتا۔

اس شام جب دیوسائی میدان میں چلتے ہوئے سانس پھونا تھا اور بت آگے سلوچ اور عجایی تھے اور کسی پیچھے جھیل کے کنارے خیجے میں سیر بخار آسودہ حالت میں اوگھتا تھا میں نے اس عمل تھانی اور دیرانی کو محبوس کیا جو اتنی یہ بڑی تھی جتنا بڑی وہ تھانی اور دیرانی تھی جو عمر کے ساتھ ساتھ میرے اندر آئی کی طرح پھیلتی جا ری تھی۔ شاید آخر میں یہی ہوتا ہے کہ باہر اور اندر کی تھانی اور دیرانی ایک ہو جاتی ہے۔ شاید آخر میں یہی ہوتا ہے۔

ہمیں واپس جانا چاہئے تھا، سیر کا پہنچنیں کیا حال تھا۔  
سلیوق رکا ہوا تھا اور عجایی میرا خفتر تھا۔

"ابو ذرا سو نگھیں۔ اور ہر ایسے بُو آری ہے جیسے لاہور کے چیزیاں گھر میں رجھوں کے پیغمبر کے قرب سے آتی ہے۔۔۔ شاید یہ رجھوں کی پانی کی بو ہے۔"

تک جاتا تھا۔ اس پر جیپ بھی چل سکتی تھی اور اس راستے کے دونوں جانب بلند نیلے تھے۔ نیلوں سے کچھ دور گھاس میں ایک چھوٹی سی عدی روائی تھی۔ اور یہ پہ نیس کماں سے آ رہی تھی اور کماں جا رہی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر خیہے میں چھانکا۔ سیر نیند میں تھا۔ "اس کا خیال رکھنا۔۔۔" میں نے علی سے کہا۔۔۔ "آؤ سلوچ ذرا دیوسائی کی سیر کرتے ہیں۔۔۔"

"سرجی ہم بھی آ جائیں؟" عجایی نے باتحث اٹھا کر چھوٹے بچوں کی طرح اجازت طلب کی۔

ہم تینوں اس کچھ راستے پر پہنچے گئے۔ اس کے دونوں جانب گھاس تھی اور زمین بوس جھاڑیاں اور یہاں صرف زرد اور سفید پھول تھے۔۔۔ اور یا پھر ان پھولوں کے خالی ڈھنڈل جو ایک ماہ پیشتر کھل کر خزان ریسیدہ ہو پہنچتے تھے، یہ بے ڈھنڈوں والے پھول بچ سے نہیں بلکہ بلب سے پیدا ہوئے والے تھے۔۔۔ میری خواہش تھی کہ میں ایسے چند بلب یا پیاز اپنے ساتھ کھو کر لے جاؤں اور لاہور کا شست کوں۔

میں بار بار مز کراپنی خیز گاہ کو تھکتا تھا اور باسیں ہاتھ جو نیلا خیز تھا اس میں سیر تھا۔۔۔ علی اور حسین اس دھوکیں پر بچکے دکھائی دیتے رہے جو گورہ میں سے البتا تھا۔۔۔ اور بہت دری تھک دکھائی دیتے رہے۔۔۔

عجایی اور سلوچ مجھ سے آگے نکل گئے۔ اور میں نے ایک بار پھر دیوسائی کی اس تھانی کو محبوس کیا جو کائنات کی تھیں کے اور "کن یکھوں" کے لئے میں وجود میں آئی تھی اور ابھی تک قائم تھی۔۔۔ سورج نیچے جا چکا تھا۔۔۔ لیکن ابھی دھوپ تھی۔۔۔ کیونکہ وہ اس نیلے کے پیچھے کیا تھا جس کی چونی سے ہم نے دیوسائی کا نثارہ کیا تھا۔۔۔ اور سورج جب بھی دیوسائی سے ڈھلتا تھا اور یہاں تارکی ہوتی تھی تو اس لئے نیچے سکردا یا استور میں وہ ابھی روشنی دیتا تھا۔۔۔ عجایی اور سلوچ مجھ سے بہت آگے جا پہنچتے تھے اور کم روشنی کی وجہ سے وہ کبھی دکھائی دے جاتے اور کبھی دھنڈکے میں گم ہو جاتے۔۔۔

دیوسائی ایک غیر و دنہ رویہ رکھنے والا میدان مشہور تھا۔۔۔ اس کی بلندی، وسعت اور موسموں کی بے اختیاری نے اسے آج تک تھار کھا ہے۔۔۔ گرمیوں کے دو ماہ میں اس کے کناروں پر لوگ اپنے مویشیوں کو چڑائے آتے ہیں لیکن اس کے اندر نہیں جاتے۔۔۔ یا پھر آزاد کشیر کی جانب سے کبوداں اور گورج لوگ آتے ہیں اور اسے عبور کر کے سکردا جاتے ہیں۔۔۔ باقی سارا سال یہ دیران اور بے آباد رہتا ہے۔۔۔

"صاحب کھانا کیا کھائے گا؟" علی نے خیسے میں جھانکا۔  
"میں باہر آتا ہوں۔"

باہر دیو سالی کی رات کے ساتھ ایک برقی موبائل کی اترتی تھی اور ہر شے کو  
بڑ کرتی تھی۔ حسین اور عبایی اپلوں کی مدھم الگ پر بچکے ہوئے تھے۔  
"میں تو کچھ نہیں کھاؤں گا۔ ایک لک کافی اور کچھ بیکٹ۔"

"سرجی۔ دو چار پر اٹھنے کے ہو جائیں؟۔۔۔ ابھی تو میں کے قریب باقی ہیں۔"

"تھی نہیں چاہتا۔" میں نے عبایی کی جانب دیکھا۔ اس کا چہہ اور آنکھیں  
سرخ اور بہت شدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ میں نے آگے ہو کر اس کی پیشانی پر  
ہتھلی رکھی۔ وہ بخار کی حالت میں تھا۔ اس پر بھی بلندی کا اٹھ ہو چکا تھا لیکن وہ  
ایک سپاہی کی حیثیت سے اسے خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ پڑھے میر صاحب اپنے خیسے  
میں۔ ابھی کافی کے ساتھ دو گولیاں ڈپر سن۔"

"نہیں سر۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا۔"

"اچھے فوٹی ہو لیڈر کا اور سینر کا حکم نہیں مانتے؟"

"سر۔۔۔ وہ انداشت شن ہوا اور پھر اپنے خیسے میں چلا گیا جہاں سلجنق اپنے  
ریٹی یو پر کوئی شیشن کچ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب مخفی موسیقی کی ایک  
دھون خیسے میں سے چمن کر دیو سالی کی سرد ہوا میں آتی تھی اور مختنڈی ہوتی تھی۔

"علی۔۔۔ ادھر جو رپچکھ ہوتا ہے وہ خیسے کی طرف بھی آ جاتا ہے؟"

"ہاں صاحب آ جاتا ہے۔"

"تو کیا بندوبست ہونا چاہئے؟"

"اپ گلرند کریں صاحب۔۔۔ ایک دو تھر ملا ہے اور پھر ہم نے یہ ٹھن اور کچھ  
برتن وغیرہ باہر رکھا ہے اسے بجائے سے بھاگ جائے گا۔"

"پچھے ساتھ ہیں تو ذرا رات کو خیال رکھنا۔۔۔"

"کونے پچھے صاحب؟۔۔۔" علی ذرا جیران ہوا۔

"سلجنق اور سیر۔۔۔"

"صاحب آپ کیا بولتے ہو۔۔۔ وہ تو جوان ہیں شادی ہانے کے لاکن ہیں۔۔۔" علی  
پھانسی۔۔۔

"علی۔۔۔ سیر کا بخار اتر گیا ہے لیکن اس کی طبیعت ابھی تھیک نہیں۔۔۔ سرورد و درود

ہوا میں یقیناً دو گو تھی۔۔۔ اور یہ گو رپچکھ کی تھی۔

"مرہمیں واپس جانا چاہئے۔۔۔" عبایی نے فوراً کما "سلجنق درست کتا  
ہے۔۔۔ آس پاس کمیں رپچکھ ہیں۔"

"میں نے علی سے رپچکھوں کے بارے میں پوچھا تھا اور وہ کہتا تھا کہ ان دنوں  
رپچکھ ادھر برف کے پھاڑوں کے دامن میں ہوتے ہیں ادھر نہیں آتے۔۔۔"

"وہاں سے یہاں تک کا فاصلہ کتنا ہے سر؟۔۔۔ تین یا چار کلو میٹر۔۔۔ کیا پہ رات کو  
آ جاتے ہوں۔۔۔"

ہم ہانپتے ہوئے تیز پڑنے لگے۔۔۔ ہم نے اس دارنگ کو سنجیدگی سے لیا کیونکہ  
ہم میں سے کوئی بھی رپچکھ کے تذکرے پر "چاچا رپچکھ" کہ کر سکرایا نہیں اور نہ ہی  
دوسرے کو بڑوں کا طمع دیا۔۔۔ بلکہ ہم خاصے خوفزدہ تھے۔۔۔ صرف تین روز بعد سیر  
عبایی سرکاری ڈوبنی پر دیو سالی کے اوپر ایک بیلی کا پھر میں پرواز کر رہے تھے جب  
انہوں نے اس تھیمل سے صرف ایک کلو میٹر کے قاطلے پر ایک مادہ رپچکھ اور اس کے  
دو پکوں کو دیکھا جو بیلی کا پھر سے خوفزدہ ہو کر اس کے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔۔۔

یہ دویں ساٹھ تھا جہاں سے ہم اپنے یکپ کو واپس ہوئے تھے۔۔۔

یکپ واپس چلتے پر میں نے خیسے کے اندر جھانکا۔۔۔ لائنین کی روشنی میں سیر  
ایک سفید سلینپیگ بیگ میں سو رہا تھا۔۔۔ "اب کیسی طبیعت ہے بیٹے؟۔۔۔" میں نے  
سرگوشی کی۔۔۔ اس نے آنکھیں کھول دیں "بس تھیک ہوں۔"

میں بچک کر اندر چلا گیا اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔۔۔ بخار اتر پکا تھا۔۔۔ اور  
اس کے ساتھ ہی میرے تمام بوجھ اتر گئے۔۔۔ "کچھ کھاؤ گے بیٹے؟۔۔۔"

"ٹھیں جی۔۔۔ نہیں چاہتا۔۔۔"  
اور کھانے کو کس کا تھی چاہ رہا تھا۔۔۔ بس دویں بیٹے چینی اور دیرانی۔

"کمال گئے تھے؟۔۔۔"  
میں نے اسے رپچکھ کی بُو کے بارے میں بتایا۔

"ابو۔۔۔" سیر کے سوکھے ہوئے لب نہیں سکتے۔۔۔ مگر وہ رات کے  
وقت آگئے تو؟۔۔۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔۔۔" میں نے اس کی پیشانی سے بالوں کو بتایا۔

چند لمحوں کے بعد احساس ہوا کہ بلندی کا کچھ اڑ بھج پر بھی ہو رہا ہے اور سر میں درد کی ایک لمرہ ہے جو کبھی شدت سے آتی ہے اور کبھی پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ سانس لینے میں بھی مزید دشواری پیش آ رہی تھی اور طبیعت میں میں بے چینی تو تھی۔ میں ایک مرتبہ پھر بمشکل اخفا اپنے آپ کو بیگ میں سے نکلا۔ دوا سالائی جلا کر ڈپرن کی گولیاں ٹھاٹ کیں اور بخوبی میں سے اپنیں طبق میں اتار کر پھر سے لیٹ گیا۔ باہر جو ہلکی ہوا تھی اس میں کسی مجذب اجا نور کی آواز آتی۔ اور اس کے ساتھ یہ برا بر کے خیجے سے عبای کی آواز آتی ”سر جی یہ کیا یو لا ہے؟“

”پڑھ نہیں۔“

”آپ نے کبھی رپنچھ کو سنائے کہ وہ کیسے بو ڈھے؟“

”نہیں۔“

”تو پھر پور روز کو کہیں کہ وہ ذرا دھیان رکھیں۔ کچھ بولا ضرور ہے۔“ وہ ایک بے ہمین اور بے آرام رات تھی جو دیوسائی پر گزری۔ سانس لینے میں ہمہ وقت دلت ہوتی رہی۔ ایک بست پڑی مشکل تب پیش آتی جب میں کوٹ بدلت کر چڑھ دوسری جانب کرتا۔ صرف کوٹ بدلتے کے عمل کے نتیجے میں سانس پھول جاتا اور خاصی دیر کے بعد درست ہوتا۔ یوں کوٹ بدلتے سے پھر میں اپنے آپ کو تیار کرتا۔ سر و رو میں کمی تو ہو گئی۔ لیکن بے چینی پرستور تھی اور۔۔۔ بلندی کا ایک اور کرشمہ بھی تھا کہ بے خوابی تھی۔ نیند نہیں آتی تھی۔

تو وہ ایک بے ہمین اور بے آرام رات تھی جو دیوسائی پر گزری۔ رات کے پچھلے پھر چند لمحوں کے لئے تھا کہوت نے غلبہ پایا اور میری آنکھیں لگ گئی۔ صرف چند لمحوں کے لئے اور پھر میں نے آنکھ کھوئی تو باہر روشنی تھی اور پورا اپنی زبان میں باتمیں کر رہے تھے۔ ذرا دھیمی آواز میں تاکہ ہماری نیند میں قلل نہ آئے۔

میں اپنے بیگ میں سے کھک کر باہر آگیا۔ رات سیر گئی نیند سویا تھا اور وہ اب بھی خواب میں تھا۔

باہر دیوسائی کے کناروں پر مجھ کی دھونپ تھی۔

”کافی صاحب۔؟“ علی نے پوچھا۔

بھی ہے۔ تو کیا بلندی پر ایسا یہ ہوتا ہے؟“

”ہاں صاحب۔ رات کو بخار کم ہو جاتا ہے، کل ہم نیچے جائیں گے تو صاحب بالکل محکم ہو جائے گا۔“

”خطرے کا پات تو نہیں۔؟“

علی تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوا اور پھر بولا ”صاحب اور رہاٹ پر کچھ پڑھ نہیں ہوتا۔ لیکن آپ فکر نہ کو کچھ نہیں ہو گا۔“

سلیمان اور عبای کے خیجے میں سے مو سیقی اور قسموں کی آواز آرہی تھی۔ گور کی آٹھ تھوڑی ہی دیر میں بالکل غمٹھی ہو گئی۔ لیکن کافی تیار ہو چکی تھی۔ اس سے پھر سیر کو ایک گر کرم دودھ پالایا گیا تھا۔

باہر کھلی فضا میں بیٹھنا ناممکن ہو رہا تھا۔ علی اور حسین اپنے کملوں میں پٹ کر رک سکوں سے نیک لگائے چپ بیٹھے تھے۔ میں نے بھی پوروں میں ایک عجیب دعف دکھا تھا، وہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھے رہیں گے اور پہلوں چپ رہیں گے۔ میں نے خیجے کے اندر جانے سے پھر ایک مرتبہ پھر علی کو رات کے وقت چوکنا رہنے کی تلقین کی۔

رات اندر گیری تھی۔ اگر دیوسائی پر پورا چاند ہوتا تو وہ بھی ایک مظہر ہوتا۔۔۔ یا شاند وہ چاندنی بھی خوف سے بوجھل ہوتی۔۔۔

میں خیجے کے اندر چلا گیا۔ سیلینگ بیگ میں داخل ہو کر میں نے اپنے آپ کو زیوں چڑھا کر اچھی طرح پیک کر لیا۔

”سوری ابو۔۔۔ میں بیمار ہو گیا اور آپ کو پریشانی ہوتی۔۔۔“

”اوے نہیں۔۔۔“ میں نے اس کے رشاروں کو تھپکا اس کے ماتحت کو چھما۔ تھوڑی دیر بعد احساس ہوا کہ سیلینگ بیگ جو کمل طور پر ایزٹ ناٹ ہے اور میں جو اغفلی جیکٹ اور گرم جراہوں سمیت اس میں مقیم ہوں تو اتنے لمبوات مژوڑی نہیں۔۔۔ چنانچہ میں نے بمشکل اپنے آپ کو باہر نکلا۔ جیکٹ اور جراہیں اتار کر ایک جانب رکھیں اور اپنے آپ کو پھر سے سیلینگ بیگ میں پیک کر لیا۔

سردی شب توقع انکی تھی کہ پورے بدن میں سے صرف چڑھ سیلینگ بیگ کے باہر تھا اور کافی نیک اونٹی نوپی تھی لیکن آنکھیں ناک اور ہونٹ باقاعدہ کپکپا رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ صرف چہرے کو کسی ٹیپ فریز میں رکھا گیا ہے۔

دھیرے دھیرے بلند ہوتی تھی اور اس کے عقب میں دیو سائی کا کوئی اور مظہر تھا۔  
”تم اپر جا رہے ہیں، پھر کا خیال رکھنا۔“ حسین نے سا اور سکرا کر سر  
پہنچا دیا۔

ہم اپنی چھڑاں لٹکتے چلتے گئے۔ چھوٹی ندی کو پھاٹکنے سے پھٹریں نے اس کے  
پانی سے منہ ہاتھ دھونے کی ایک نرم دلان کو کوشش کی۔ اور فوراً ترک کر دی۔  
ہم اپنی خیہہ گاہ سے ذرا دور ہوئے تو پھر وہی بے ڈھنڈ والے پھول، نخے نے  
پھولوں سے ڈھنکی ہوئی گول جھایا۔ مختلف رنگوں کی گھاس اور اس میں کہیں کہیں  
چھوٹے چھوٹے سجائے گئے ہوں اور یہاں بھی ہمارے قدم بکھنے لگے کیونکہ  
ہم پھولوں کو روشننا شیں چاہتے تھے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور ہم پھولوں  
کے گھرم محسوس کرتے ہوئے چلتے رہے۔ میں تحکم جاتا تو کسی پھر پہنچ کر آس پاس  
دیکھنے لگتا کیونکہ یہاں ہر لوگ آس پاس بدلا جاتا تھا۔  
ہماری جھیل پیچے رہ گئی اور اس کے کنارے ہمارے خیے دو چھوٹی چھوٹی نیلی  
نکونوں کی صورت میں دکھائی دیتے تھے۔

آن صورت حال بہت بہتر تھی۔ میرا پدن آہست آہست دیو سائی کی بلندی کا عادی  
ہو رہا تھا۔ بے چینی بہت کم ہو چکی تھی اور سانس لیتا اگرچہ اب بھی دشوار تھا لیکن  
مشکل نہ تھا۔ عیاں آگے جا رہا تھا۔

ایک نہایت ہی دل کش رنگوں کے پھولوں کا فرش میرے قدموں تلے آیا، میں  
دیہن ڈھلوان زین پر لیٹ گیا اور کہرو آنکھ سے لگا کر ان پھولوں کو فوکس میں لینے کی  
کوشش کرنے لگا اور اسی لمحے عیاں نے یہ پھے مزکر دیکھا۔ مجھے زین پر دیکھا تو بھاٹا  
ہوا واپس آیا۔ کیا ہوا سرجنی تھیت تو ہے؟ اس نے مجھے اخنانے کے لئے ہاتھ آگے کیا  
اور پھر فوراً اسے احساس ہوا کہ میں تصویر اتار رہا ہوں۔ ”کمال ہے تارڑ صاحب  
— یا کر لینا تھا مجھے خواہ خواہ نہ سو کر دیا۔“

اب میں جہاں کہیں ذرا مختلف پھول دیکھتا دیہن زین پر لیٹ کر ان کی تصویر  
ہانے کی کوشش کرتا۔

پورے دیو سائی پر دھوپ اگرچہ مکمل تھی لیکن ہم گرم کپڑوں میں ملبوس تھے  
اور اپنی اونی نہیں کو کاٹوں نکل سکتے تھے۔  
اور جب ہم بلند ترین سطح پر پہنچتے تو دیو سائی کا مظہر مزید وسیع ہوا اور یہ مھر

”ہاں — تم دونوں ہاہری سوئے رہیے۔ خند آگئی تھی؟“

”ہاں صاحب —“ حسین بولا۔ ”آتی سردی نہ تھی۔“

”اور کتنی سردی چاہئے حسین؟“

”صاحب یہ چند رہ ہزار ہے اور ہم نہیں ہزار پر بھی ہاہر سو سکتے ہیں۔ اور  
صرف یہ بہت زیادہ ہے۔“ کیا بہت زیادہ ہے، حسین نے اپنا کمبل باقاعدہ نجور کر  
تباہ کر اور ہر اوس بہت زیادہ ہے۔

”گذار نیک سر۔“ عیاں اپنے خیے میں سے باہر آیا۔ ”کہ کیا خوبصورت مجھ  
ہے۔“ اس نے ایک نرم اگڑائی۔ ”تارڑ صاحب کیا اس وقت صرف ہم اس پورے  
دیو سائی میدان پر صرف ہم یہ مجھ دیکھ رہے ہیں۔ کوئی اور تو نہیں؟“

”اگر اس وقت یہاں کوئی اور ہے تو وہ صرف رپچھ ہو سکتے ہیں۔“

”آپ تین نہیں کریں گے۔“ عیاں میرے قریب آ کر آنکھیں جھپکتے ہوئے  
بولا۔ ”رات کو ادھر رپچھ آیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو وہ غالی ٹینوں کو سوگھ رہا تھا۔  
تین بیجے۔“

”وہ میں تھا صاحب۔“ حسین ذرا شرمندہ سا ہوا۔ ”رات کو مجھے خیال آیا کہ جن  
ٹینوں میں ہم چائے وغیرہ ہاتے ہیں وہ خیے کے بالکل ساتھ پڑے ہوئے ہیں اور اگر  
آپ کوٹ بدلو گے تو شام کو آج کمیں اس لئے میں نے بہت آرام  
سے انس اٹھایا۔“

”حسین —“ عیاں ہنسنے لگا۔ ”تمara کیا گزتا اگر میں ساری عمر اس تین میں  
گذار دتا کہ دیو سائی کی ایک رات میں ایک رپچھ میرے خیے کے پاس سیر کرنا  
تھا۔“

کافی کے گک گرم تھے اور ہم انسیں تمام کر ان کی گری محسوس کرتے اپلوں کے  
دھویں کے پاس بیٹھ گئے۔

دیو سائی کے کناروں پر پھولوں کے ٹکڑے تھے اور بھلی ہوا تھی۔

”صاحب کس نامم اتنا ہے؟“ علی پوچھنے لگا۔

”دوسرا کے کھانے کے بعد۔“

”تارڑ صاحب کچھ موڑ ہے دیو سائی میں سیر کرنے کا۔؟“  
کل جب ہم اس جھیل کنارے پہنچتے تو میں نے اس پہاڑی کو دیکھا تھا جو

میں بر اجمن تھا اور مجھے چاروں جانب سے سندیے آتے تھے، مجھے پیغام آتے تھے کہ میں دیو سائی کی گھاس ہوں جس پر آج تک کوئی نہیں چلا، تم آؤ اور مجھ پر چلو۔ اور میں دیو سائی کی ایک الکن ندی ہوں جس کے پانیوں سے کسی انسان نے اپنا چڑھنے دھویا۔ تم آؤ اور اپنے چہرے کو ترکی۔ اور میں جبیل ہوں۔ برف ہوں۔ راستہ ہوں۔ آؤ چلو۔ اور میں تھائی ہوں، میرے اندر تک آؤ۔ وہ راست دکھائی دتا تھا جو چشم چوکی کو جاتا تھا۔ اوہر دو دن کی سافت ہے۔ ہاں کوئی ایسا دن ہو گا جب میں دیو سائی کے کناروں پر خیر لگا کر اگلے روز واپس لوٹ جانے کی بجائے آگے اس کے اندر تک جاؤں گا۔ اسے عبور کوں گا اور پھر دوسری جانب اتر جاؤں گا۔ اور پہلی جاؤں گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان تھا ہو، اپنا سامان خود اٹھائے اور دیو سائی میں اکیلا سفر کرے؟۔۔۔ ایک تھا شخص تھائی میں اتر جائے؟۔۔۔

"سرجی! واپس نہ چلیں؟" میں نے بہت دری بعد عبایی کی آواز سنی۔

ہم بڑے آرام سے پیچے اترنے لگے۔۔۔ دھوپ میں اور پھولوں پر قدم رکھتے۔۔۔

ہم آسمان سے اترنے لگے۔۔۔

ہم اپنی کیپ سائٹ سے قریب ہوئے تو وہاں دونوں خیموں کے آس پاس دور دور تک منیشی دکھائی دے رہے تھے۔۔۔ جبیل کنارے خیموں تک پہنچنے تو میرا ایک لمبی نوپی سر پر رکھے دھوپ میں لینا تھا اور سلوق اس کے سینے پر سر رکھے اپنے ریڈیو کے بننے کھرا رہا تھا۔۔۔  
"کیا حال ہے؟" میں نے میر کا ماتھا چھووا۔۔۔ اسے بخار تھا۔۔۔ یہ کیا بات ہے میر؟"

"بس ابو۔" اس نے سکرا کر سرہا۔۔۔ لیکن اس کی شکل اب ہماروں انہی نہ تھی "تھوڑا سا بتا اور کچھ سرورد"۔

"یہ موٹیں کمال سے آگئے؟"

"یہ صد پارہ والوں کی بہک کے ہیں۔۔۔" میر نے بتایا "آپ تو اپر ٹلے گئے اور میں سووا ہوا تھا تو ایک یا ک آگیا۔۔۔"

"جسچی کیا کیا؟"

"ہاں اب وہ دیکھئے"

خلف جیروں کا مجموعہ تھا، ایک جیت تو یہ تھی کہ ہم تقریباً بلند ترین مقام پر تھے اور دور جو پہاڑیاں تھیں بلکہ پہاڑیوں کا ایک مسلسل تھا جس پر ریف کی لکیریں تھیں اور ان پر عجیب شکوں کے بادل تھے اور یہ سب بہت دور تھے لیکن اس سے ادھر تو وی گھاس بلکہ پھولوں اور جھاڑیوں سے ڈھکے بزرگ میدان تھے جن پر کمیں دھوپ تھی اور کمیں سایہ تھا اور ان میں دو ندیاں تھیں دور تک دکھائی دیتی اور ان کے کچھ حصے دھوپ میں اور کچھ سائے میں تھے جیسے دھوپ سائے کا ایک ست اڑو حدا ہے جو آرام سے ہے۔۔۔ اس بلندی سے پرے وہ مختصر تھا جو جبیل سے دکھائی نہ رہتا تھا، پوشیدہ تھا اور یہ مختصر بہت ہی دریان تھا۔ ایک اور جان تھا خاموش تھوڑوں اور میدانوں کا اور وہاں سے بھی ایک ندی اترتی تھی۔۔۔ اور سب سے بڑی جیت تھائی کی تھی، اس عظیم و سخت میں کوئی نہ تھا۔۔۔ سوائے اس کے جو ہر جگہ ہے۔۔۔ اس کے سوا کوئی نہ تھا۔۔۔ پرانے بھی نہ تھے۔۔۔ شائد اتنی بلندی پر کوئی پرندہ اڑان نہیں کر سکا اس لئے۔۔۔

نیچے جبیل پانی کا ایک قطرہ تھی گھاس کے سمندر میں۔۔۔ اور ہمارے خیسے دکھائی دیتے تھے۔۔۔

"تارڑ صاحب آپ زیادہ سے زیادہ کتنی بلندی پر گئے ہو؟"

"تقریباً انتیں ہزار فٹ تک گیا ہوں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" عبایی کامنہ جیت سے کھلا "سرجی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ آپ ماونٹ اورسٹ سے بھی بلند کسی چوٹی پر ٹلے گئے ہیں؟"  
"میں ہر پہنچتے جب لاہور سے اسلام آباد پر واز کرتا ہوں تو جیت ہوائی جہاز تقریباً اسی بلندی پر پرواز کرتا ہے۔۔۔"

"ایک تو آپ کی مخول کی عارت نہیں جاتی۔۔۔ چاہے آپ دیو سائی میں یہ کیوں نہ ہوں۔۔۔ جتاب بلند ترین مقام پر ذاتی طور پر کماں تک گئے ہیں؟"

"شائد میں اب اپنے بلند ترین مقام پر ہوں۔۔۔ شائد نیلم وادی کی رتی گلی چوٹی اس سے ذرا کم ہو یا زیادہ ہو۔۔۔"

پھر عبایی کچھ کہہ رہا تھا لیکن میں سن نہیں رہا تھا، میں اس کی طرف دیکھتا تھا اس کے لب مسلسل مل رہے تھے اور میں کبھی کبھی سر بھی ہلاتا تھا لیکن میں کچھ سن نہیں رہا تھا کیونکہ وہاں اس آسمانی تخت پر اس بلندی پر میں دھوپ میں اور سرور ہوا

جان حد نظر تھی جہاں چھوٹے اور نیلے پھاؤں کا سلسلہ تھا وہاں جو بادل تھے وہ  
بندریں آہان کو ڈھانچتے چیل کی طرف آ رہے تھے اور تپ دپہر کے بعد ہم نے  
اپنے خیسے سینے اور ابھی ہم دیو سائی میدان کے پھولوں پر چلتے تھے کہ چند بوندیں  
گریں ہو پانی نہیں تھیں رف تھیں اور ان کی برقی سردی تھاری جھلی ہوئی گردنوں پر  
کیلی ہوتی تھی۔

بادل چیزے کسی جادو کے زور سے الٹتے چلتے آ رہے تھے... حسین اور علی  
ہمارے آگے تھے اور ہم تینوں ان کے پیچے اور ہم ایک جدا راستے سے واپس ہو  
رہے تھے اور یہ راستہ بھی اس دنیا سے جدا تھا کیونکہ اس پر جو پتے اور گل بولتے تھے  
وہ اُس دنیا کے نہیں تھے لیکن ہم کیا کرتے ہم تو اس دنیا کے تھے اور ہم اس دنیا کو  
چھوڑ رہے تھے جس میں یہ پتے گل بولتے تھے۔ جس میں ہم نے اگرچہ صرف ایک  
شب گزاری لیکن دراصل ایک عمر گزاری... اور جب ہم نے کل دیو سائی پر قدم  
رکھا تھا تو بدن میں بے چینی اور دیرانی سرایت کرتی تھی بلندی کی وجہ سے اور اب  
بھی ہے چینی تھی اور دیرانی تھی بدن میں۔ لیکن جدائی کی وجہ سے... ہم ایک دنیا  
سے جدا ہوتے تھے، اُک جہاں سے رخصت ہوتے تھے... ہمارے قدم بے ربط ہوتے  
تھے اور ہم پھولوں کو رومنا نہیں چاہتے تھے۔

سیراب آگے چل رہا تھا... صرف جوانی کی متی اسے آگے لے جاتی تھی  
ورنہ اس کا ماتحتا غار سے پتا تھا... وہ جھکتا تھا اور دیو سائی کے پھول چھتا تھا۔

"یہ پھول یعنی سکردوں میں زندہ نہیں رہتے صاحب۔" علی بھی جھکا اور اس نے  
ایک چھوٹی پلٹت جتنا پھول نما پورا توڑا اور سیر کو دے دیا۔  
بارش کی چند بوندیں اور گریں۔

میرے راستے میں پھولوں کی زرد کنوریاں تھیں، میں نے جگ کر انہیں سہیا  
اور سیر کے حوالے کر دیں۔

اب یہ ایک کھیل تھا، ہم جگ کر ایسے پھول خلاش کرتے تھے جو سیر کے  
پاس نہ تھے۔ ہاں یہ میرے پاس نہیں ہے۔ نہیں نہیں یہ تو ہے... سرخ مغل پھول  
اس کے پتے رخساروں کی طرح تھے۔

ہمارے اوپر بارلوں کا کھیل ہو رہا تھا، وہ الٹتے چلتے آتے تھے، گھرے اور پاندوں  
سے بو جھل ہوتے چیزے ہمارا پیچا کر رہے ہوں۔ ہم خوش قسم تھے کہ ہمیں دیو سائی  
پر صاف موسم ملے۔

اور وہاں زدہ تھے اور ان میں ایک شاندار سفید یاک تھا اور بڑی شان سے کمرا  
تھا۔

"تو یاک نے آکر میرے خیزے کے پاس ایک نور کی "پھوہ" کی اپنے نھیوں کے  
ساتھ اور پھر ایک لمبی "بلاہ" کی۔ تو اب وہیں سمجھا کہ رپچھ آگیا ہے۔ تب میں نے بھائی  
جان کو آوازیں دیں کہ بھائی جان رپچھ... اور ادھر سے بھائی جان اپنے خیزے سے  
جواب دیتے ہیں کہ چپ کر کے لیٹئے رہو میرے خیزے کو بھی ایک رپچھ سو ٹکھہ رہا  
ہے۔" سیر بھیں فس کر دوہرا ہو رہا تھا۔ پھر میں نے پورٹر علی کو پکارا تو وہ آگیا اور  
کنے لگا صاحب باہر دیکھو باہر لکھا تو یہی سفید والا یاک میرے خیزے سے تھو تھنی  
لگائے کھرا تھا۔"

"مرجنی یاک کی تصویر اتارنی چاہئے۔" ہو سکتا ہے اس یاک کی آج تک کسی  
نے تصویر نہ اتاری ہو۔ عبایی نے حلچا دی۔

ہم دونوں سفید یاک کے قریب چلتے گے۔ میں نے کیرہ آنکھ سے لگایا اور وہ کس  
کرنے لگا تو عبایی کہنے لگا "مرجنی ذرا قریب ہو کر یاک کا پورٹریٹ بنا لیں۔"

"نہیں۔" میں نے سرہلایا "میں یہ رسک نہیں لوں گا۔" یہ یاک سیری  
طرف ایسے دیکھتا ہے جیسے وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔"

علی اور حسین حسب معمول گور کی آگ جائے ہیٹھے تھے اور ان کے ساتھ  
ایک ابھی بر اجمن تھا۔ یہ ان تمام موبیلیوں کا رکھوا لا تھا جو ہماری خیزہ گاہ کے گرد  
چلتے ہوئے تھے۔

"صاحب یہ ادھر صد پارہ کی بک سے آیا ہے اور کھتا ہے کہ رات کو ایک یا  
دو رپچھ آئے اور ایک بھیڑ اخا کر لے گئے۔" علی نے بتایا۔

"یہاں کے رپچھ گوشت خور ہیں؟"  
"نہیں صاحب۔" وہ فحص کرنے لگا "یہ لے جاتا ہے اخا کر اور مار دیتا ہے۔  
ادھر تین روز پلے اس نے ہمارا ایک گھوڑا مار دیا تھا ابھی تک ادھر میدان میں رکھا  
ہے۔"

اور ہم نے اس گھوڑے کا ڈھانچہ دیکھا تھا اور اس کے سرستے ماں کی بو  
سو تکھی تھی۔

"مرجنی یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم دوپہر تک دیو سائی چھوڑ دیں گے۔"  
عبایی نے سرہلایا اور ذرا شرارت سے کہا "یہ علاقہ کچھ خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

”بارش آئے گی صاحب۔“ علی بار بار اور پر بکھتا تھا۔  
 جب پھول اور پتے اور بوٹے جو سیر تجھ کرتا تھا زیادہ ہو جاتے تو وہ انہیں  
 سلوخن کے رک سیک کی بچپنی جیب میں ڈال دلتا۔  
 میرے آگے آگے سلوخن چلتا تھا اور دیوسائی کے رنگ اور پودے اس کے رک  
 سیک کی بچپنی جیب میں سے لگتے تھے جیسے پرندے ہوں جو دیہیں رہ جاتا چاہتے ہوں  
 جہاں سے ان کو لے جایا جا رہا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ وہ وہاں زندہ نہیں رہیں گے  
 جہاں ان کو لے جایا جا رہا تھا۔  
 دیوسائی کا کنارا آگیا۔ اس چادوگی سمندر کا کنارا جس میں ہم خیموں کی پادیانی  
 شکنیوں کے ساتھ اترے تھے۔

ہمارے سروں پر باہل جنک رہے تھے اور بیگ بات ہے کہ بالکل چپ تھے ان  
 میں گرج یا چمک نہ تھی۔ وہ خاموشی سے پہنچے چڑھتے آتے تھے۔  
 ہم دیوسائی کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ جیپ روڑ پیچے صد پارہ کو اتر رہی  
 تھی جیسے ایک نندہ اتر رہا ہو۔ ہم نے اس زینے پر قدم رکھا اور دیوسائی سے الگ  
 ہو گئے۔

ہم کے نو ہوشیں سکردو کے اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں معنی اور میمونہ  
 ہمارا انتفار کر رہی تھیں۔

انہوں نے بولنا شروع کر دیا۔ لیکن ہمارے کانوں میں ایک ایسا سنانا تھا جس  
 میں ہم ابھی تک گم تھے اور ہم سن نہیں سکتے تھے۔ میر کا بخار اتر چکا تھا اور وہ  
 سکرا رہا تھا۔ دور کہیں میمونہ کی آواز آئی۔ تم سب بولتے کیوں نہیں۔  
 اور ہمارے کانوں میں سنائے کی گونج تھی جو ہم ساتھ لے کر آگئے تھے۔  
 سلوخن نے رک سیک کی جیب میں سے دیوسائی کے مرتبے ہوئے پھولوں کو نکالا  
 اور ایک گلدان میں ڈال دیا۔ وہ سرخا پکے تھے۔

”ہائے۔“ میمونہ کی ہتھی اس کے سینے پر گئی۔ یہ رنگ کیسے ہیں؟“ اس کے  
 چہرے پر ایک ناقابل تینیں حرث تھی۔  
 ہم تینوں سکراتے رہے۔ ہم دیہیں تھے جہاں سے یہ رنگ آئے تھے۔